# اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا


مؤلف

شیخ الاسلام شمس الدین ابو عبداللہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ

در ملکیۃ
فقیر عبد اللہ طالبانی
شہر کوٹری
الصلوۃ والسلام علی رسول اللہ
ترجمہ
جلاء الأفهام
في الصلاة والسلام على خير الأنام

## سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

**E-mail:** darussalam@awalnet.net.sa

**Website:** www.dar-us-salam.com

---

❶ طریق مکۃ - العلیا - الرّیاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945

❷ شارع اربعین - الملز - الرّیاض فون: 4735220 فیکس: 4735221

❸ جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270

❹ الخُبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

---

**شارجہ** فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624

**لندن** فون: 5202666 208 0044 فیکس: 5217645 208

**امریکہ** ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431

❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

## پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شو رُوم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092

فیکس: 7354072 **E-mail:** darussalampk@hotmail.com

❷ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

❸ اُردو بازار گوجرانوالا فون: 741613-431-0092 فیکس: 741614

مؤلف

شیخ الاسلام شمس الدین ابو عبد اللہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ

المتوفی ۷۵۱ھ

مترجم

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ

دار السلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
الریاض، ہیوسٹن، لاہور

# فہرست

# عرض ناشر

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ سیشن جج ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔

آپ صرف ایک جج اور قاضی ہی نہیں تھے بلکہ آپ خصائل حمیدہ کا مجموعہ اور علوم و معارف کا گنجینہ تھے، آپ کی ذات قدیم و جدید کا حسین امتزاج اور علم و عمل کا جامع نمونہ تھی۔ علاوہ ازیں اسلام کے ایک عظیم مبلغ و داعی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے محب اور متبع تھے۔

آپ نے اپنے پیچھے جس طرح اپنی سیرت و کردار کے تابندہ نقوش چھوڑے جو بعد میں آنے والوں کے لئے رہنما ہیں، اسی طرح آپ نے علمی یادگاریں بھی تصنیفات کی صورت میں چھوڑی ہیں جن سے لاکھوں اُردو دان فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے یہ گراں قدر تصنیفات آپ کے لئے ایسے صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہیں جن سے عنداللہ آپ کے رتبے بلند سے بلند تر ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

آپ کی شہرۂ آفاق کتاب "رحمۃ للعالمین" ہے جس نے آپ کو ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ دارالسلام، الریاض - لاہور کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا کہ سیرت پر لکھی ہوئی، اس کتاب کو، جو عوام و خواص میں یکساں مقبول ہے، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان --عربی-- میں منتقل کر کے شائع کیا۔ اس سے اب پاک و ہند کے علاوہ عرب دنیا بھی مستفیض ہو رہی ہے۔ تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْهُ

زیر نظر کتاب امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے نہایت اہم ہے۔ یہ سیرت ہی کے ایک خاص موضوع کا ترجمہ ہے۔ یہ درود و سلام پر نہایت عالمانہ اور فاضلانہ کتاب ہے۔

"رحمۃ للعالمین" کے عربی ایڈیشن کے بعد اب ادارہ دارالسلام' قاضی صاحب مرحوم کی اس دوسری کتاب ---الصلاۃ والسلام' کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ ادارہ دارالسلام قاضی صاحب کی دیگر کتابیں بھی چھاپنے کا عزم رکھتا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی رحمۃ للعالمین (اُردو) اور دیگر کتب معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ حسین پیکر میں پیش کی جائیں گی۔ وَبِيَدِ اللّٰهِ التَوْفِيْقِ وَبِهِ نَسْتَعِيْن

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام' الریاض' لاہور۔

ستمبر2000ء

# مقدمہ

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیف لطیف "جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیرالانام" کا اُردو پیکر ہے۔ موضوع کتاب نام سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام اور اس سے متعلقہ مسائل و مباحث پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ کتاب کی علمی حیثیت کے تعارف کے لئے وسیع علم کے حامل اس مصنف کا نام ہی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ ان کے عالمانہ و فاضلانہ اندازِ بحث اور ایمان و بصیرت افروز اسلوب بیان کی وضاحت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ تاہم حضرت مصنف کے الفاظ میں ہی موقع کی مناسبت سے کتاب ہٰذا کے متعلق اتنا ضرور عرض ہے کہ اس موقع پر اپنے انداز کی یہ منفرد کتاب ہے۔ نہ اس سے پہلے یہ مباحث علمیہ اور دقائق لطیفہ کسی صاحب نے لکھے نہ اس کے بعد اس اسلوب و انداز میں کوئی اور صاحب اس شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

فاضل مترجم مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ سیشن جج ریاست پٹیالہ بھی اپنے دور کے جید عالم، مایۂ ناز محقق اور مصنف ہی کی طرح سلفی العقیدہ اور ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ شغف و محبت رکھنے والے بزرگ تھے، جس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی شہرۂ آفاق تالیف "رحمۃ للعالمین" ہے جو سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بے مثل کتاب اور مقبول انام ہے۔ زیر نظر کتاب بھی ان کے جذبۂ حب رسول کا یوں سمجھئے گویا مظہر ثانی ہے۔ کیونکہ یہ مضمون بھی سیرت مبارک ہی کا ایک گوشہ اور ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کا خاص موضوع ہے۔ فاضل مترجم کے بے پناہ جذبۂ حب رسول کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ جب دوبارہ (۱۳۴۸ھ) میں سفرحج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر جہاز ہی میں آپ کی روح قفس عنصری سے

پرواز کر گئی اور شمع رسالت کے اس پروانے کی نعش وہیں بحر تلاطم خیز کی موجوں کی نذر کر دی گئی۔ گویا محبوب کی راہ میں آنے والا طویل و عمیق بحر ناپیدا کنار آپ کی قبر ہے۔ تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ وَرِضْوَانِهِ

یہ کتاب متحدہ ہند میں فاضل مترجم علیہ الرحمۃ کی زندگی میں امرتسر سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ نایاب ہو گئی اور جب سے ہی شائقین علم، اصحابِ ذوق اور محبانِ رسول اس کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ تاآنکہ پھر 1972ء میں لاہور پاکستان سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ لیکن جلد ہی وہ بھی نایاب ہو گیا۔

اب دارالسلام ۔ الریاض، لاہور۔ کے حصے میں یہ سعادت آ رہی ہے کہ وہ اس گوہر نایاب کو شائع کر کے عام کرے۔

دارالسلام نے اس کتاب کو ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے بہتر سے بہتر بنانے کی سعی کی ہے۔ * چنانچہ ایک تو اصل عربی نسخے کے ساتھ مقارنہ کر کے متعدد اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ * بہت سے رُواۃ کے نام، حتی کہ عربی نسخے میں بھی غلط تھے۔ اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ * عربی اشعار اور بہت سی آیات و احادیث کے تراجم نہیں تھے، ان سب کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں ناگزیر مقامات پر زبان و بیان کی بھی اصلاح کی گئی ہے۔ جس کا فریضہ محترم پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار کاظم صاحب نے نہایت محنت، اخلاص اور محبت سے سرانجام دیا ہے اور ادارے کے ایک نوجوان فاضل جناب آصف اقبال نے اس سلسلے میں خاصی محنت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور توفیق مرضیات سے نوازے اور ان کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔

**حافظ صلاح الدین یوسف**

مدیر: شعبۂ تحقیق و تصنیف، دارالسلام، لاہور۔

جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ ۔ ستمبر ۲۰۰۰ء

# مقدمة المؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَهْدِيْهِ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ هَادٍ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ خَلْقِهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ تَبِعَهُ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ

اس کتاب کا نام میں نے "جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیرالانام" رکھا ہے۔ اس کے پانچ ابواب ہیں۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب گراں قدر مواد اور کثرت فوائد میں اس طرح منفرد ہے کہ ابھی تک کسی نے اس انداز سے کوئی چیز نہیں لکھی۔ ہم نے اس میں وہ حدیثیں جمع کر دی ہیں جو حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں۔ اور معلول حدیثوں کی علتوں (وجوہات) پر بھی اچھی طرح روشنی ڈال دی ہے۔

علاوہ ازیں اس دعا، (درود شریف) کے اسرار' اس کے فضل و شرف اور جن حکمتوں اور فوائد پر یہ مشتمل ہے' ان کی وضاحت کی گئی ہے اور ان مواطن (مقامات) کا ذکر کیا گیا ہے جہاں جہاں درود کا پڑھنا مسنون و مستحب ہے پھر درود کی مقدار واجب' اس میں اہل علم کا اختلاف اور راجح اور غیر صحیح مذہب کا بیان ہے۔ بہرحال کتاب کی خوبیاں بیان سے بالا ہیں۔ جس کا اندازہ کتاب کا پڑھنے والا ہی کر سکتا ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

باب اوّل

# نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کے بارہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا بیان

ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجی جائے۔ ہم کیوں کر صلوٰۃ بھیجیں۔ فرمایا کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر رحمت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت فرمائی، اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر برکت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت فرمائی۔"

پھر فرمایا کہ سلام کو تم جانتے ہی ہو۔ اس حدیث کو امام احمد و مسلم و نسائی اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ امام احمد نے بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سوال میں یہ الفاظ زیادہ روایت کئے ہیں:

«فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا فِي صَلَاتِنَا»

"جب ہم نماز کے اندر درود پڑھا کریں تو کس طرح پڑھا کریں۔"

فصل اوّل

# احادیث صلوٰۃ کے راویوں کا بیان

احادیث صلوٰۃ کے راوی صحابہ درج ذیل ہیں:

(1) ابو مسعود انصاری بدری (2) کعب بن عجرہ (3) ابو حمید الساعدی
(4) ابو سعید الخدری (5) طلحہ بن عبید اللہ (6) زید بن حارثہ یا ابن خارجہ
(7) علی بن ابی طالب (8) ابو ہریرۃ (9) بریدہ بن الحصیب
(10) سہل بن سعد الساعدی (11) ابن مسعود (12) فضالہ بن عبید
(13) ابو طلحہ الانصاری (14) انس بن مالک (15) عمر بن الخطاب
(16) عامر بن ربیعہ (17) عبد الرحمٰن بن عوف (18) ابی بن کعب
(19) اوس بن اوس (20) حسن بن علی مرتضیٰ (21) حسین بن علی مرتضیٰ
(22) فاطمۃ الزہرا (23) براء بن عازب (24) رویفع بن ثابت الانصاری
(25) جابر بن عبد اللہ (26) ابو رافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ (27) عبد اللہ بن ابی اوفیٰ
(28) ابو امامہ الباہلی (29) عبد الرحمٰن بن بشر بن مسعود (30) ابو بردہ بن نیار
(31) عمار بن یاسر (32) جابر بن سمرہ (33) ابو امامہ بن سہل بن حنیف
(34) مالک بن الحویرث (35) عبد اللہ بن جزء الزبیدی (36) عبد اللہ بن عباس
(37) ابو ذر (38) واثلہ بن اسقع (39) ابو بکر الصدیق
(40) عبد اللہ بن عمر (41) سعید بن عمیر الانصاری جو اپنے باپ عمیر سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اصحاب بدر میں سے ہیں۔
(42) حبان بن منقذ رضی اللہ عنہم۔

## (1) ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وضاحت

واضح ہو کہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بالا صحیح ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت میں جو اضافہ کیا ہے اس کے شروع میں ہے کہ: "ایک آدمی آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا' اور سوال کیا کہ جب ہم نماز میں ہوں تو کس طرح درود پڑھا کریں۔" آپ خاموش ہو رہے حتیٰ کہ ہم کہنے لگے۔ کاش یہ شخص سوال ہی نہ کرتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی إِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! امی نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی' اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی جہانوں میں' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

ابن خزیمہ و حاکم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اپنی اپنی صحیح میں اس اضافے کو روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اس کو شرط مسلم پر بتلایا ہے۔ مگر یہ حاکم کی سہل انگاری ہے۔ کیونکہ مسلم نے اصول میں ابن اسحاق سے حجت نہیں لی۔ بلکہ متابعات و شواہد میں اسے لائے ہیں۔

اس اضافے میں علت یہ بتلائی گئی ہے کہ اس روایت کو صرف ابن اسحاق نے بیان کیا ہے اور وہ دیگر راویوں سے اختلاف کرتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔

① ابن اسحاق ثقہ ہے اور کسی نے ایسی جرح نہیں کی کہ ترک حجت اس سے ضروری ہو۔ بڑے بڑے ائمہ نے اسے ثقہ کہا اور حفظ و عدالت (یادداشت اور پرہیز گاری کے جملہ اوصاف) کے ساتھ اس کی تعریف کی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ روایت کے لیے یہی دونوں اوصاف نہایت اہم ہیں۔

(۲) ابن اسحاق کی روایت میں تدلیس [۱] کا خوف ہوتا ہے۔ لیکن یہاں محمد بن ابراہیم سے سماعت کی صراحت ہے۔ پس وہ شبہ جاتا رہا۔ سنن میں دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں سب راوی ثقہ ہیں۔ علل میں ہے کہ دار قطنی سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا محمد بن اسحاق تو محمد بن ابراہیم تیمی سے وہ محمد بن عبداللہ بن زید سے، وہ ابو مسعود سے روایت کرتا ہے۔ اور نعیم المجمر نے محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ اختلاف نعیم سے پڑا۔ کیونکہ مالک بن انس (اور علی ہذا قعنبی و معن و اصحاب عطاء) تو نعیم سے اور نعیم، محمد سے اور محمد، ابو مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ اور حماد بن مسعدہ نعیم سے اور نعیم محمد بن زید سے اور زید اپنے باپ سے کہتا ہے۔ مگر یہ وہم ہے۔ داؤد بن قیس الفراء نعیم سے اور نعیم، ابو ہریرہ سے کہتا ہے۔ اس میں روایت مالک کا اختلاف ہے۔ مگر روایت مالک زیادہ درست ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس اضافے میں اختلاف ابن اسحاق سے ہوا ہے۔ کیونکہ ابراہیم بن سعد تو ابن اسحاق سے اضافے کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ اور زہیر بن معاویہ اسی سے بغیر اضافے کے۔ عبد بن حمید نے مسند میں احمد بن یونس سے طبرانی نے معجم میں زہیر سے جو روایت کی ہے۔ وہ بھی بغیر اضافے کے ہے۔ واللہ اعلم۔

ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا حال: ابو مسعود راوی حدیث اور مشہور صحابی ہیں۔ ان کے بارے میں عبداللہ بن احمد مقدسی "نسب الانصار" میں لکھتے ہیں کہ ان کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بدری ہے۔ ان کو بدری اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بدر میں اترے یا ٹھہرے تھے۔ جمہور علماء سیر کا اتفاق ہے کہ یہ بدر کے غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ شریک ہوئے تھے۔ ہاں اس پر اتفاق ہے کہ بیعت عقبہ میں شامل تھے۔ امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو لشکر کشی صفین کے وقت والیٔ کوفہ بنایا تھا۔

---

[۱] راوی کا ایسے صیغے سے روایت کرنا جو سماع حدیث پر صراحۃً دلالت تو نہ کرتا ہو البتہ سماع حدیث کا وہم پیدا کرتا ہو۔ مثلاً "عن فلان، رُوی عن فلاں، قال فلان۔

عید کے روز ان کو اپنا نائب بنا کر مسجد میں ضعیف لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے بھی چھوڑ جایا کرتے تھے۔ ۴۰ھ یا ۷۰ھ کے بعد انہوں نے وفات پائی۔

میں کہتا ہوں کہ غزوۂ بدر میں ان کے شریک ہونے کا ذکر چار ائمہ نے کیا ہے۔ امام بخاری و ابن اسحاق و زہری رحمۃ اللہ علیہم [۱] (چوتھا نام کتاب میں نہیں) [۲]

## (2) کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے

اس حدیث کو اہل صحاح و اصحاب سنن و مسانید نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔ الحمدللہ! اس حدیث میں کچھ شبہ نہیں۔ صحیحین کے لفظ ابن ابی لیلیٰ سے یہ ہیں۔ مجھے کعب بن عجرہ ملے۔ کہا، میں تم کو ایک تحفہ دوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے عرض کیا کہ حضور پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم جان چکے ہیں۔ فرمایئے صلوٰۃ کس طرح بھیجیں۔ فرمایا، کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

---

[۱] عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شامل ہوئے اور غزوۂ احد میں بھی۔ جنگ بدر میں ان کی شمولیت کو ابن مندہ ابونعیم و ابن عبداللہ علماء سیر نے صحیح تسلیم نہیں کیا۔ محمد سلیمان عفی عنہ۔

[۲] کتاب میں چوتھا نام نہیں ہے، اصابہ میں ہے کہ: ابو عتبہ بن سلام اور مسلم نے کُنی میں کہا ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔

## (3) کعب بن عجرہ کی ایک اور روایت

جسے مستدرک میں حاکم نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاضر ہو جاؤ۔ ہم حاضر ہو گئے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر دوسرے زینے پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ پھر تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو آمین کہا۔ جب فارغ ہوئے تو منبر سے اترے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ سے جو آج سنا وہ پہلے نہ سنا تھا۔ فرمایا:

"جبریل میرے سامنے آئے اور کہا: جس نے ماہ رمضان پایا اور وہ بخشا نہ گیا وہ (رحمت سے) دور ہے۔ میں نے کہا: آمین۔ میں نے دوسرے زینے پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا: جس شخص کے سامنے آپ کا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے وہ بھی (رحمت سے) دور۔ میں نے کہا: آمین۔ میں نے تیسرے زینے پر قدم رکھا۔ جبریل نے کہا: جس نے والدین کو یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت میں داخل نہ ہوا وہ بھی (رحمت سے) دور۔ میں نے آمین کہا۔"

حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

**کعب رضی اللہ عنہ کا حال:** کعب بن عجرہ انصاری سلمی رضی اللہ عنہ صحابی اور راوی حدیث ہیں۔ ان کی کنیت ابو اسحاق ہے۔ ان کا شمار بنی سالم میں ہوتا ہے۔ یہ عمرو بن عوف قوقل کے بھائی ہیں۔ عمرو بن عوف صاحب مال و منال شخص تھا۔ جب کوئی خوف اور ڈر کا مارا اس کے پاس پناہ کے لیے آتا تو وہ کہا کرتا:

«قَوْقَلُ حَيْثُ شِئْتَ»

مطلب یہ کہ اترو اور امن سے رہو۔

کثرت استعمال سے وہ خود قوقل اور ان کی اولاد قواقلہ مشہور ہو گئی۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کعب بن عجرہ بن امیہ بن عدی بن عبیداللہ بن الحارث البلوی ہیں، یہ بنی سواد میں سے ہیں اور انصار کے حلیف ہیں۔ بعض کہتے ہیں، بنی حارثہ کے حلیف۔ بعض کہتے ہیں، بنی سالم (جو انصار میں سے ہے) کے حلیف۔

واقدی کہتے ہیں، یہ انصار کے حلیف نہیں، بلکہ ان میں سے ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں، میں نے انصار میں ان کا نام ڈھونڈا نہ ملا۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ اور آیت:

﴿ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۶)

ان کیلئے اتری تھی۔ یہ کوفہ بھی گئے تھے۔ انکی وفات مدینہ منورہ میں ۵۱ھ یا ۵۲ھ یا ۵۳ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں ہوئی۔ اہل مدینہ اور کوفہ نے ان سے روایت کی ہے۔

## (4) ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے

اس حدیث کو بخاری اور مسلم، ابوداوٗد، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ فرمایا: کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) اور ان کی اولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی اور برکت فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی ازواج مطہرات اور اولاد پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا حال: ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابو حمید ساعدی کے نام میں اختلاف ہے۔ کوئی تو منذر بن سعد بن منذر، کوئی عبدالرحمٰن بن سعد بن منذر، کوئی عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد بن مالک، کوئی عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن ساعدہ کہتا ہے۔ یہ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر عہد حکومت میں ان کا انتقال ہوا۔ صحابہ میں سے جابر رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر، عباس بن سہل بن سعد، محمد بن عمرو بن عطار، خارجہ بن سعد، ابن ثابت اور اہل مدینہ کے تابعین کی ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔

## (5) ابواسید و ابو حمید کی حدیث

جسے مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب مسجد میں آؤ تو:

«اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

اور جب مسجد سے نکلو تو:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ»

## (6) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث

ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ پر سلام کرنے کو تو ہم جان گئے۔ مگر آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ فرمایا: کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ»

"یا اللہ! اپنے رسول اور بندے حضرت محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر۔"

اس کو صحیح میں امام بخاری نے اور نسائی و ابن ماجہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا حال: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ [1] کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے۔ اور اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جنگ خندق میں شامل ہوئے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ہمرکاب ہو کر بارہ غزوات میں حصہ لیا۔ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی کثیر تعداد میں سنتوں کو حفظ کیا تھا۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

---

[1] انصاری خزرجی۔ قاضی محمد سلیمان عفی عنہ۔

## (7) طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

مسند احمد میں ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور پر درود کس طرح بھیجا کریں۔ فرمایا: کہا کرو:

«اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، وبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ إِبْرَاھِیْمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

نسائی نے یوں کہا ہے کہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا' کہو:

«اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، وبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاھِیْمَ إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر برکت نازل فرمائی یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

نسائی نے اسحاق بن ابراہیم کے طریق سے یوں روایت کی ہے:

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اور برکت نازل فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا

ہے۔"

عثمان بن عبداللہ بن موہب جو نسائی کی دونوں روایتوں اور امام احمد کی روایت کا راوی ہے۔ اس حدیث کو موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتا ہے اور شیخین نے بھی موسیٰ بن طلحہ سے اس کی روایت کی حجت پکڑی ہے۔

## (8) زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس کو جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ پر صلوٰۃ کی کیا کیفیت ہے۔ فرمایا: درود بھیجو اور اس میں جہد و کوشش کرو اور یوں کہو:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

نسائی و اسمٰعیل بن اسحاق و حافظ ابو عبداللہ بن مندہ نے بھی اس کو اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حال: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ راوی حدیث ہیں۔ بنی سلمہ میں سے ہیں اور ان کا نسب یوں ہے۔ زید بن ثابت بن ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ۔ انہی کو ابن خارجہ الخزرجی الانصاری کہتے ہیں۔ یہ بیان تو ابن مندہ کا الصحابہ میں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زید بن خارجہ ابن ابی زہیر الانصاری الخزرجی ہیں۔ بدر میں شامل ہوئے اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے وفات کے بعد بھی گفتگو کی تھی جیسا کہ ابو نعیم و ابن عبدالبر رحمہما اللہ نے لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد از مرگ کلام کرنے والے خارجہ بن زید تھے۔ مگر قول اول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

## (9) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ»

"بخیل وہ ہے جس کے روبرو میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

ترمذی نے اس کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ اور بعض نسخوں میں حسن غریب لکھا ہوا ہے۔ نسائی نے سنن میں، ابن حبان نے صحیح میں، اور حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔

حسن بن عرفہ نے معنعن طریق پر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ دُعَاءٍ إِلاَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَآءِ حِجَابٌ حَتَّى يُصَلَّى عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا صُلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْخَرَقَ الْحِجَابُ وَاسْتُجِيْبَ الدُّعَآءُ وَإِذْ لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُسْتَجَبِ الدُّعَآءُ»

"دعاء اور آسمان میں اس وقت تک حجاب ہوتا ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے۔ جب درود پڑھا گیا تو حجاب اٹھ گیا اور دعاء قبول کی گئی اور جب درود نہ پڑھا گیا تو وہ دعاء بھی قبول نہیں ہوتی۔"

لیکن اس حدیث میں تین علل ہیں۔

(الف) یہ حارث اعور سے سیدنا علی کی روایت ہے۔

(ب) شعبہ نے بیان کیا ہے کہ ابو اسحاق سبیعی نے حارث سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں۔ یہ حدیث ان میں سے نہیں۔

(ج) ثابت نے (جو اسحاق سے ہی روایت کرتا ہے) اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تک موقوفاً روایت کیا ہے۔

نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کو یہ پسند ہو کہ پورے پیمانوں کے ساتھ اسے اجر

ملے تو چاہیئے کہ جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو یوں پڑھے:

«اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین (رضی اللہ عنہن) اور ان کی اولاد اور اہل بیت پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

اس سند میں حبان بن یسار جو راوی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل جاتی رہی تھی۔ ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ وہ قوی ہے نہ متروک۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس اختلاط کی وجہ سے جس کا آخر عمر میں ہونا بیان کیا جاتا ہے' اس کی حدیث میں بعض کمزوریاں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں ایک اور علت ہے۔ یعنی اس میں موسیٰ بن اسمٰعیل تبوذکی نے عمرو بن عاصم سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار سے اپنی سند کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسمٰعیل اسی حبان بن یسار سے روایت کرتا ہوا اپنی سند کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے۔ ابو داؤد نے موسیٰ بن اسمٰعیل سے روایت کی ہے۔ اس میں ایک اور علت یہ ہے کہ عمرو بن عاصم تو حبان بن یسار کے بعد راوی کا نام عبدالرحمٰن بن طلحہ الخزاعی بتاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسمٰعیل راوی کا نام عبیداللہ بن طلحہ بن عبیداللہ بن کریز اور تاریخ بخاری و کتاب ابن ابی حاتم اور ثقات ابن حبان و تہذیب الکمال ابو الحجاج المزی میں بھی اسی طرح ہے۔ اب یا تو عمرو بن عاصم ہی کو راوی کے نام میں وہم ہوا ہے۔ اور یا وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ مگر عبدالرحمٰن بن طلحہ مجہول ہے۔ اس حدیث کے سوا کہیں معروف نہیں۔ اور متقدمین میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ عمرو بن عاصم سے گو بخاری و مسلم روایت کرتے اور حجت لیتے ہیں۔ مگر موسیٰ بن اسمٰعیل اس سے زیادہ حافظ ہے۔ اور

اس حدیث کی بروایت ابوہریرۃ دوسری سند اور متن سے اصلیت ضرور ہے۔ جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

### (10) ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے محمد بن اسحاق السراج نے اپنی سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ فرمایا، کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، وبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور برکت نازل فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت اور برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر جہانوں میں، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

رہا سلام وہ تم جانتے ہی ہو۔ یہ اسناد صحیح اور شرط شیخین پر ہے۔ اسے ابن مندہ نے روایت کیا ہے۔ امام شافعی نے حدیث ابوہریرہ یوں روایت کی ہے سوال کے جواب میں فرمایا) کہو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ ثُمَّ تُسَلِّمُوْنَ عَلَيَّ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ پھر مجھ پر سلام کہو۔"

ابراہیم جس سے یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں، ابن ابی یحییٰ اسلمی

ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی کمی بیشی و فرو گذاشت پر بھی اس سے حجت پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم کا آسمان سے گرایا جانا' اس کے جھٹلانے سے مجھے گوارا تر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اشخاص نے اس پر بحث کی ہے اور ضعف و ترک کا اشارہ کیا ہے۔ اور امام مالک' احمد و یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین و نسائی رحمۃ اللہ علیہم نے اس کے کذب کی صراحت کی ہے۔ حافظ ابن عقدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ابی یحییٰ کی حدیث پر بہت غور کیا--- وہ منکر الحدیث نہیں۔ ابواحمد بن عدی بھی اس قول سے اتفاق کر کے کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم کی بہت سی حدیثوں پر نظر ڈالی' ان میں کوئی منکر نہیں۔ ہاں شیوخ مجہول ہیں تو یہ ضعف ان میں اور ان کی جہت سے ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ ابراہیم کی احادیث پر میں نے غور کیا' تفتیش کی نظر دوڑائی۔ لیکن ان میں کوئی منکر نہیں۔ محمد بن سعید اصبہانی بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ابراہیم کی توثیق کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی احادیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بھی ہیں۔ ایک وہ ہے جسے عشاری نے اپنی اسناد کے ساتھ ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهِ مَلَكًا يُبَلِّغُنِيْ وَكَفٰى أَمْرَ دُنْيَاهُ وَاٰخِرَتَهُ وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَهِيْدًا وَّشَفِيْعًا»

"جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو مجھے پہنچا دیتا ہے۔ اور (درود کا پڑھنا) اس شخص کے دنیا و آخرت کے کام کو کفایت دیتا ہے۔ اور میں قیامت کے دن اس کا شہید (گواہ) و شفیع ہوں گا۔"

اس حدیث میں محمد بن موسیٰ جو راوی ہے وہ محمد بن یونس بن موسیٰ کدیمی ہے جو متروک الحدیث ہے۔ ایک حدیث صالح مولیٰ توأمہ کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا فَلَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهٖ

صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلاَّ كَانَ مَجْلِسُهُمْ عَلَيْهِمْ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُمْ وَاِنْ شَآءَ اَخَذَهُمْ»

"کسی مجلس میں کوئی قوم ایسی نہیں بیٹھتی جو اللہ کا ذکر اور نبی پر صلوٰۃ نہ کرے۔ مگر یہ کہ وہ مجلس ان کے لیے قیامت کو حسرت ہو گی۔ اللہ چاہے ان کو معاف کرے چاہے ان کو پکڑے۔"

امام ترمذی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا اور حسن بتلایا ہے۔ پھر ایک اور سند سے بھی روایت کیا۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے کتاب فضل الصلوٰۃ میں اور ابوداؤد و نسائی نے سنن میں، ابن حبان نے صحیح میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابن حبان کی شرط سند مسلم پر ہے۔ ابن حبان نے دوسری سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

«مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لاَ يَذْكُرُوْنَ اللهَ فِيْهِ وَيُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلاَّ كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ»

"یعنی جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور نبی پر صلوٰۃ نہیں ہوا وہ ان لوگوں کے لیے قیامت کو حسرت کا سبب ہو گی۔ گو وہ ثواب کے لیے جنت میں ہی داخل ہو جائیں۔"

یہ سند شرط شیخین پر ہے۔ حاکم نے اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کر کے سند کو شرط بخاری پر بتلایا ہے۔ مگر اس میں شبہ کا امکان ہے کیونکہ ابراہیم بن حسن بن یزید کی روایت آدم بن ابی ایاس سے ہے اور یہ ضعیف ہے۔ اس پر بحث کی گئی ہے۔ اور علت اس میں یہ ہے کہ ابواسحاق فزاری اعمش سے وہ ابو صالح سے وہ ابوہریرہ سے موقوفاً روایت کرتا ہے۔ اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ صالح مولیٰ التوأمہ سے روایت نہیں کرتے تھے بلکہ اوروں کو بھی منع کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، وہ ثقہ نہیں، اس سے کچھ نہ لیا جائے۔ یحییٰ کہتے ہیں، وہ حدیث میں قوی نہیں۔ ایک بار کہا ثقہ نہیں۔ ایک بار کہا ثقہ ہے۔ سعدی کا قول ہے: "تغیر (ذہنی کیفیت بہتر نہ رہی تھی) ہو گیا تھا۔"

نسائی کہتے ہیں، ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صالح کے بارے میں حفاظ کے تین قول ہیں۔ تیسرا قول سب میں بہتر ہے۔ یعنی فی نفسہٖ تو وہ ثقہ ہے مگر آخر عمر میں اسے تغیر ہو گیا تھا۔ اس لیے جس نے اس سے ابتدائی عمر میں سنا وہ صحیح اور جس نے آخر عمر میں یعنی اختلاط کے بعد سنا اس میں کچھ ضعف و نقص موجود ہے۔ ابن ابی ذئب، ابن جریج، زیاد بن سعد نے تو اس سے بہت پہلے سنا ہے اور مالک اور ثوری نے اسے اختلاط کی حالت میں پایا ہے۔ یہ فیصلہ امام احمد کا ہے۔ کیونکہ ان کا قول ہے کہ جس نے اس سے بہت پہلے سنا ہے، اس میں کچھ ڈر نہیں۔

واضح ہو کہ اسی حدیث کو سلیمان بن بلال نے بھی سہیل سے وہ اپنے باپ سے اور اس نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، مگر اس میں نبی ﷺ پر درود کا ذکر نہیں ہے۔ ابن ابی اویس جو عبدالعزیز بن ابی حازم سے روایت کرتا ہے اور وہ سہیل سے۔ اس نے بھی سلیمان بن بلال کی ہی متابعت کی ہے۔

ایک حدیث ابوہریرہ کی وہ ہے جسے اسمٰعیل نے کتاب الصلوٰۃ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَيَّ زَكٰوةٌ لَّكُمْ قَالَ وَاسْئَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ قَالَ فَإِمَّا حَدَّثَنَا وَإِمَّا سَأَلْنَا قَالَ الْوَسِيْلَةُ اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنَالُهَا إِلاَّ رَجُلٌ اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ»

"مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود پڑھنا تمہارے لیے ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا کرو۔ (پھر خود ہی یا ہمارے سوال کرنے پر فرمایا) وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جو صرف ایک کو ہی ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا۔"

ابن ابی شیبہ نے بھی اس کو مسند میں روایت کیا ہے۔

اسمٰعیل نے ایک یہ حدیث بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا عَلٰى اَنْبِيَاءِ اللهِ وَرُسُلِهِ فَإِنَّ اللهَ بَعَثَهُمْ كَمَا بَعَثَنِيْ»

"اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر درود بھیجا کرو کیونکہ ان کو بھی اللہ نے مبعوث کیا تھا جیسا مجھے کیا ہے۔" صلوٰات اللہ و سلامہ علیھم اجمعین۔

میں کہتا ہوں کہ سعید بن زید جو اس حدیث کا راوی ہے، حماد بن سعید کا بھائی ہے۔ یحیٰی بن زید نے اس حدیث کو "بہت ضعیف" کہا۔ سعدی نے کہا: "یہ حجت ہے اور اس کی حدیث ضعیف ہے۔" نسائی نے کہا "قوی نہیں۔" مگر مسلم نے اس سے روایت کی ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں اچھا قول "لَیْسَ بِهِ بَاسٌ" کہا ہے۔ یحیٰی بن معین اور بخاری نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ رہے عمرو بن ہارون اور موسیٰ بن عبیدہ اور محمد بن ثابت جو اسی حدیث کے راوی ہیں، گو حجت نہیں، مگر اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ اور ایسی حدیث استشہاد (شاہد بننے) کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ایک حدیث ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ»

"ذلیل ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے درود نہ پڑھا، ذلیل ہو وہ شخص جس نے رمضان پایا اور مہینہ ختم ہو گیا اور وہ بخشا نہ گیا، ذلیل ہو وہ شخص جس نے بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کو پایا اور انہوں نے جنت میں اسے داخل نہ کرا دیا۔"

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں جابر و انس سے بھی حدیث ہے۔ اور یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ اور ربعی بن ابراہیم راوی اسمٰعیل بن ابراہیم کا بھائی اور ثقہ ہے۔ اور یہی ابن علیہ ہے۔

بعض اہل علم سے مروی ہے کہ:

«إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مَرَّةً فِي الْمَجْلِسِ أَجْزَأَ عَنْهُ

مَا كَانَ فِي ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ»

"جب کوئی شخص کسی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود پڑھ دے تو جو کچھ اس مجلس میں ہوا اس کے لیے کفارہ ہے۔"

حدیث بالا حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن اسحاق جو ترمذی کی حدیث بالا کا راوی ہے' امام مسلم نے اس سے حجت پکڑی ہے اور امام احمد نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔ مگر بعض نے اس پر شبہ کیا ہے۔ امام ابوداوٴد نے "ثقہ اور قدری المذہب" کہا ہے۔

قاضی اسمٰعیل بن اسحاق نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَقِیَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ آمِیْنَ آمِیْنَ آمِیْنَ فَقِیْلَ لَهُ یَارَسُوْلَ اللهِ مَا كُنْتَ تَصْنَعُ هٰذَا فَقَالَ قَالَ لِيْ جِبْرِیْلُ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْهِ رَمَضَانُ وَلَمْ یُغْفَرْ لَهُ فَقُلْتُ آمِیْنَ ثُمَّ قَالَ رَغِمَ اَنْفُ عَبْدٍ اَدْرَكَ اَبَوَیْهِ اَوْ اَحَدَهُمَا الْكِبَرُ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَالَ رَغِمَ اَنْفُ عَبْدٍ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْكَ فَقُلْتُ آمِیْنَ»

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے تو آپ نے تین مرتبہ آمین کہا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے آپ سے جو آج سنا ہے وہ پہلے نہ سنا تھا آپ نے فرمایا! جبریل کہہ رہا تھا کہ ذلیل ہو وہ شخص جس نے رمضان پایا اور مہینہ ختم ہو گیا اور وہ بخشا نہ گیا تو میں نے کہا آمین! پھر جبریل نے کہا ذلیل ہو وہ شخص جس نے بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کو پایا اور انھوں نے اسے جنت میں داخل نہ کروایا' پھر کہا ذلیل ہو وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے درود نہ پڑھا تو میں نے کہا آمین۔"

کثیر بن زید جو اس حدیث میں ہے' ابن حبان نے اس کی توثیق کر دی اور ابو زرعہ نے اسے صدوق کہا ہے۔ گو بعض نے اس پر شبہ بھی کیا ہے۔ ابن حبان نے اسی حدیث کو محمد بن عمرو سے اور انھوں نے ابو سلمہ سے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس میں یہ ہے:

«مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ قُلْ آمِينَ قُلْتُ آمِيْنَ»

"یعنی جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا' پھر وہ مر گیا اور دوزخ میں گیا' اور اللہ نے اسے دور کر دیا۔ کہیے آمین' میں نے کہا: آمین۔"

محمد بن عمرو جو اس حدیث میں راوی ہے' بخاری و مسلم نے متابعات میں اس کی حدیث لی ہے۔ ابن معین نے اس کی توثیق اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حدیث میں جو (رغم) کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ذلیل لکھا گیا ہے یہ غین کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔ ناک کا خاک آلودہ ہونا۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ ابن اعرابی غین پر زبر کہتا ہے اور معنی ذلیل ہونا۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ ہے جسے امام مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»

"جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔"

اس کو ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور صحیح میں ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے حسن صحیح کہا۔ ابن حبان نے روایت کیا ہے:

«مَنْ صَلَّي عَلَيَّ مَرَّةً وَّاحِدَةً كُتِبَ لَهُ بِهَا عَشْرُ حَسَنَاتٍ»

"یعنی ایک درود کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ابن خزیمہ نے صحیح میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَي النَّبِيِّ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَإِذَا خَرَجَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ»

"جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور «اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ» پڑھے۔ اور مسجد سے جاتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

پر سلام بھیجے اور اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ کہے۔" (اس کو ابن حبان نے بھی صحیح میں روایت کیا ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے حسین بن احمد صاحب جزء المعروف نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَلاَ تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِیْدًا وَّصَلُّوْا عَلَیَّ فَإِنَّ صَلاَتَکُمْ تُبَلِّغُنِيْ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ»

"تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ان میں نوافل وغیرہ پڑھا کرو) اور میری قبر کو عید نہ بناؤ (یعنی میلہ و عرس اس پر نہ کرو) اور مجھ پر درود بھیجا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کسی جگہ ہو۔"

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے مسلم بن ابراہیم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ للهِ سَیَّارَةً مِّنَ الْمَلاَئِکَةِ إِذَا مَرُّوْا بِحَلَقِ الذِّکْرِ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُقْعُدُوْا فَإِذَا دَعَی الْقَوْمُ اٰمَنُوْا عَلٰی دُعَائِهِمْ فَإِذَا صَلُّوا عَلَی النَّبِيِّ صَلَّي اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَّوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَفْرَغُوْا ثُمَّ یَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ طُوْبٰی لِهٰؤُلاَءِ یَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ»

"کچھ ملائکہ ایسے ہیں جو پھرتے رہتے ہیں جب وہ ذکر کے حلقوں میں پہنچتے ہیں تو باہم کہتے ہیں بیٹھ جاؤ۔ جب مجلس والے دعا مانگتے ہیں تو یہ آمین کہتے ہیں اور جب درود پڑھتے ہیں تو یہ بھی درود پڑھتے ہیں۔ جب وہ فارغ ہو جاتے ہیں تو فرشتے آپس میں کہتے ہیں کہ یہ کیسے خوش نصیب ہیں کہ اپنے گھروں کو اس حالت میں لوٹتے ہیں کہ اللہ نے ان کو بخش دیا ہے۔"

اس حدیث کو ابو سعید القاص نے فوائد میں روایت کیا ہے۔

ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ہے جسے امام احمد و ابوداؤد نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ إِلاَّ رَدَّ اللهُ إِلَیَّ رُوْحِيْ حَتّٰی أَرُدَّ إِلَیْهِ

السَّلاَمَ»

"جو مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یزید بن عبداللہ نے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہا' میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوئی حدیث سنی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ان کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی یہ ضعیف ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سننے کے بارے میں تامل ہے۔

ابوالشیخ نے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعِيْدٍ أُعْلِمْتُهُ»

"جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے میں اسے سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے وہ مجھے معلوم کرا دیا جاتا ہے۔" (یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابونعیم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ فِيْ شَرْقٍ وَلاَ فِيْ غَرْبٍ إِلاَّ أَنَا وَمَلاَئِكَةُ رَبِّيْ نَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ فَقَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا بَالُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ وَمَا يُقَالُ لِكَرِيْمٍ فِي جِيْرَتِهِ وَجِيْرَانِهِ أَنَّهُ مِمَّا أُمِرَ بِهِ مِنْ حِفْظِ الْجِوَارِ وَحِفْظِ الْجِيْرَانِ»

"مشرق و مغرب میں جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اور میرے رب کے فرشتے اس پر سلام کا جواب لوٹاتے ہیں تو ایک کہنے والے نے کہا' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مدینے والوں کا حال ہے تو آپ نے فرمایا: کہ اچھے شریف کے متعلق اس کی ہمسائیگی اور ہمسایہ کے بارے میں کیا کہا جاتا ہے؟ یہی نا کہ وہ پڑوس اور پڑوسی کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے"۔

حافظ محمد بن عثمان کہتے ہیں کہ اس حدیث کو عمری نے وضع کیا ہے۔ بے شک حافظ کا

یہ قول صحیح ہے۔ اس حدیث کے لیے یہ سند جو بیان کی گئی ہے' نہیں ہو سکتی۔

## (11) بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ کی حدیث

جس کو حسن بن شاذان نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

صحابہ نے عرض کیا کہ سلام تو آپ پر کرنے کو ہم جان گئے۔ درود کی کیفیت کیا ہے۔ فرمایا کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔

ابوداؤد جو حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں' یہ نفیع بن حارث الاعمی ہے گو یہ متروک اور مطرح الحدیث (بنفسہٖ قابل التفات ہیں) ہے مگر اس کی روایت کو شواہد میں لانے سے کچھ نقصان نہیں۔

## (12) سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث

جس کو طبرانی نے معجم میں اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَلَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يُحِبِّ الْاَنْصَارَ»

"جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں' اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں' اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں' اور جو انصار سے محبت نہیں رکھتا' اس کا درود نہیں۔"

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی عبدالمھیمن بن عباس سے جو ابی بن عباس کا بھائی ہے روایت کیا ہے۔ ابی بن عباس سے امام بخاری نے صحیح میں حجت پکڑی ہے مگر

امام احمد و یحییٰ بن معین نے اسے ضعیف بتلایا ہے۔ رہا عبدالمہیمن تو اس کے اور اس کی حدیث کے ترک پر تو اتفاق ہے۔ اگر یہ صورت ہو کہ عبدالمہیمن نے اپنے بھائی سے یہ حدیث چرا کر بیان کی ہے تو اس کی حدیث میں کچھ ضرر نہیں اور حدیث کا درجہ حسن سے کم نہیں۔ گو نیچے کے راویوں نے عبدالمہیمن اور اس کے بھائی ابی میں غلطی کھائی ہو جیسا کہ شبہ ہوتا ہے۔ غرض یہ حدیث عبدالمہیمن کی جانب سے معروف ہے اور یہی اس میں قوی دلیل ہے۔ (واللہ اعلم)

سہل رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ روایت کیا کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میرے مادر و پدر آپ پر نثار ہو جائیں، آج تو چہرۂ مبارک پر سرور نمایاں ہے۔ فرمایا: ہاں۔ میرے پاس ابھی جبریل آئے تھے۔ آکر کہا، یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا، دس گناہ معاف کرے گا اور دس درجے بلند فرمائے گا۔ ابن حبیب راوی کہتے ہیں، میں جانتا ہوں کہ ابو حازم نے یہ بھی کہا کہ فرشتے اس پر دس دفعہ دعائے رحمت کرتے ہیں۔

## (13) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے حاکم نے مستدرک میں اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

”یعنی جب تم نماز میں تشہد پڑھو تو کہا کرو: یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت اور برکت اور شفقت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر یہ تصحیح بھی بظاہر قابل غور ہے کیونکہ یحییٰ بن سباق اور اس کا شیخ عدالت و جرح (توثیق اور عدم توثیق) میں غیر معروف ہیں۔ بیہقی نے بھی سنن میں اس کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے یحییٰ بن سباق کا

ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔

ایک حدیث وہ ہے جسے دار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ یا ابو معمر سے روایت کیا ہے کہ مجھے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تشہد سکھلایا وہ کہتے تھے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا ہے جیسا کہ آپ ہم کو قرآن سکھلایا کرتے تھے:

«اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوَاتُ اللهِ وَصَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ»

"(میری تمام) قولی' بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لئے خاص ہیں' اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت' سلامتی اور برکات ہوں اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

یااللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اہل بیت پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یااللہ! ان کے ساتھ ہم پر بھی رحمت نازل فرمایااللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اہل بیت پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی' یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یااللہ! ان کے ساتھ ہم پر بھی برکت نازل فرما' اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور مومنوں کی دعائیں ہوں اُمی نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر' سلامتی ہو تم پر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور

اس کی برکتیں۔"

راوی کہتا ہے کہ مجاہد کہتے تھے کہ جب نمازی نے "عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ" کہا تو تمام زمین و آسمان والوں کو سلام کر دیا۔

اس حدیث میں علت یہ ہے کہ اس میں عبدالوہاب بن مجاہد راوی ہے۔ جسے یحیٰ بن معین و دار قطنی وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ عبدالوہاب اپنے باپ سے بہت سی احادیث موضوعہ روایت کرتا ہے۔ دوسری علت اس میں یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد محفوظ [1] ہے۔ جو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ تک ہے۔ اور پھر ان سے موقوف [2] و مرفوع [3] طریق پر یہ بھی روایت ہے کہ اتنا پڑھنے سے نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد خواہ تو کھڑا ہو جا خواہ بیٹھا رہ۔ (واضح ہو کہ اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے محمد بن حمدان المروزی نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَلَا دِیْنَ لَہٗ»

"جو مجھ پر درود نہیں پڑھتا اس کا دین نہیں۔"

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اسناد کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَوْلَی النَّاسِ بِيْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً»

"قیامت کے دن سب لوگوں سے مقدم اور اولیٰ مجھے وہ ہو گا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھتا ہو گا۔"

---

[1] وہ حدیث جس میں صدوق یا ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یا کئی ثقہ راویوں کی مخالفت کرے اس کو "شاذ" اور اس کے مخالف راوی کی روایت کو "المحفوظ" کہتے ہیں۔

[2] وہ قول یا فعل جس کی اضافت صحابی کی طرف ہو۔

[3] وہ قول، فعل، تقریر و سکوت یا وصف و خوبی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حکماً منسوب ہو۔

امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ ابن حبان نے صحیح میں، بزار نے مسند میں، اور بغوی نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کرو تو اسے سنوار لیا کرو، شاید وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے۔ لوگوں نے کہا، ہم کو سکھلا دیجیے۔ کہا، یوں پڑھا کرو:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلاَتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ بِهِ الأَوَّلُوْنَ وَالأٰخِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰي مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰي اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یااللہ! رسول رحمت، قائد خیر، امام الخیر، خاتم النبیین، امام المتقین، سیدالمرسلین اپنے رسول اور بندے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی رحمتیں، شفقتیں، برکتیں نازل فرما۔ یااللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ تمنا کرتے ہیں۔ یااللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اور برکت نازل فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نسائی میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَلاَئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِي السَّلاَمَ»

"کچھ فرشتے ایسے ہیں جو پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ کو پہنچا دیتے ہیں۔"

اس کی اسناد صحیح ہے۔ اور ابن حبان نے بھی صحیح میں اپنی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔

## (14) فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے امام احمد نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا جو نماز میں دعا مانگتا تھا۔ وہ اللہ کی حمد کرتا تھا نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس نے جلدی کی۔ پھر اسے بلایا پھر اسی کو یا اور کو (مخاطب کر کے) فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِتَحْمِيْدِ رَبِّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّىْ عَلَي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَآءَ»

"جب تم نماز پڑھو' پہلے حمد و ثنا کرو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو پھر جو چاہو دعا مانگو۔"

ابوداؤد کے بھی یہی لفظ ہیں۔ نسائی' ابن خزیمہ و ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

## (15) ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث

مسند احمد میں ہے کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ نفس اٹھے۔ چہرۂ مبارک پر بشارت و بشاشت نظر آتی تھی۔ عرض کیا گیا کہ آج آپ ایسے معلوم ہوتے ہیں' تو فرمایا:

«اَجَلْ اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ رَّبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ مَنْ صَلَّي عَلَيْكَ مِنْ اُمَّتِكَ صَلٰوةً كَتَبَ اللهُ لَهُ بِهَا عَشَرَ حَسَنَاتٍ وَمَحَا عَنْهُ عَشَرَ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَ لَهُ عَشَرَ دَرَجَاتٍ وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَهَا»

"ہاں پروردگار کا فرستادہ میرے پاس آیا۔ کہا' آپ کی امت میں سے جو آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا' دس بدیاں محو کرے گا' دس درجے اس کے بلند فرمائے گا۔ اور ویسا ہی جواب بھی اس کو دے گا۔"

دوسری سند کے ساتھ بھی اس کو روایت کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ فرشتے نے آکر کہا پروردگار فرماتا ہے کہ جو کوئی آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے تو اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ اور جو ایک بار سلام بھیجے اس پر دس بار سلام بھیجے گا۔ کیا آپ اس پر خوش نہیں؟ فرمایا: ہاں۔ نسائی نے اور صحیح میں ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

**(16) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث** جسے نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»

"جس کے سامنے میرا نام آئے اسے درود پڑھنا چاہیئے اور جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔"

دوسری سند کے ساتھ یوں روایت کیا ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا عَشْرَ سَيِّاتٍ وَرَفَعَ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ»

"جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھے گا اور دس بدیاں مٹا دے گا' دس درجے اس سے بلند فرمائے گا۔"

امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان نے صحیح میں اپنی اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ علت اس میں یہ ہے جس کی طرف نسائی نے کتاب کبیر میں اشارہ کیا ہے کہ یونس بن ابی اسحاق دو طرح پر روایت کرتا ہے۔ یزید بن ابی مریم سے وہ حسن سے وہ انس بن مالک سے۔ دوسرے یزید بن ابی مریم خود انس بن مالک سے۔ لیکن یہ علت اس حدیث کے لیے کچھ قدح نہیں۔ کیونکہ حسن اور یزید دونوں کو انس بن مالک سے اس حدیث کا سماع ہے۔ ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں یزید سے ہی روایت کی ہے۔ جس میں یزید نے اپنی سماع کی صراحت کر دی ہے۔ پس

ممکن ہے کہ یزید نے اس حدیث کو حسن سے بھی سنا ہو اور دونوں طرح روایت کر دی ہو جیسا کہ خود اس نے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ احتمال اب تک باقی ہے کہ یہ حدیث بعینہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہو جسے انس رضی اللہ عنہ نے ارسال کے ساتھ روایت کیا ہو۔ جیسا کہ اسمٰعیل بن اسحاق کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت انس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔

ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ کی ابن الغازی نے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِيْ يَوْمٍ اَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِّنَ الْجَنَّةِ»

"جو کوئی ہزار دفعہ روزانہ درود پڑھ لیتا ہو وہ نہ مرے گا جب تک اپنا مقام جنت نہ دیکھ لے گا۔"

حافظ ابو عبداللہ المقدسی نے کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ میں اس کو بجز حکم بن عطیہ کی روایت کے نہیں پہچانتا۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ حکم بن عطیہ نے ثابت سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ امام احمد کا قول ہے کہ "اس کی روایت میں کچھ ڈر نہیں۔" البتہ ابوداؤد طیالسی نے اس سے منکر احادیث روایت کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔

حضرت انس سے جعفر فریابی نے وہ حدیث بھی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھنے اور تین بار آمین پکارنے کا ذکر ہے (یہ حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے) اسی حدیث کو ابو بکر شافعی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سلمہ بن وردان ہے جو لین الحدیث ہے۔ گو اس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے مگر وہ ایسا نہیں جس کی حدیث چھوڑ دی جائے۔ خصوصاً ایسی حدیث جس کے لیے شواہد موجود ہیں۔ اور جو دوسری طرح سے بھی معروف ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ ہے جسے ابو یعلیٰ موصلی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدَيْنِ مُتَحَابَّيْنِ يَسْتَقْبِلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ (صَاحِبَهٗ)

وَيُصَلِّيَانِ عَلى النَّبِيِّ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلاَّ لَمْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى تُغْفَرَ لَهُمَا ذُنُوْبُهُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْهَا وَمَا تَأخَّرَ»

"جو دو دوست آپس میں ملیں اور نبی ﷺ پر درود پڑھیں ایسی حالت میں جدا ہوں گے کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہوں گے۔" [1]

انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن ابی عاصم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
نبی ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ الصَّلاَةَ عَلَيَّ كَفَّارَةٌ لَّكُمْ فَمَنْ صَلَّي عَلَيَّ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ»

"مجھ پر درود بھیجا کرو۔ یہ تمہارے لیے کفارہ ہے جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر رحمت بھیجتا ہے۔"

ابن شاہین نے بھی اس کو اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِيْ يَوْمٍ اَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ»

"جس نے مجھ پر ایک دن میں ایک ہزار دفعہ درود بھیجا اس پر اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنی جگہ دیکھ نہ لے"۔

یہ حدیث دوسرے طریق سے آگے آئے گی۔

## (17) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے انس بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ باہر کو تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ جانے والا کوئی نہ تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ گھبرائے۔ اور پانی کا لوٹا لے کر پیچھے ہو لیے دیکھا تو نبی ﷺ گھاس پر سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ دور ہٹ گئے۔ اور آنحضرت ﷺ کے پچھلی طرف بیٹھ گئے۔ جب نبی ﷺ نے سر مبارک اٹھایا تو فرمایا:

---

[1] حسن بن سفیان نے اپنی سند کے ساتھ اور ابن حبان نے الضعفاء میں نکالا ہے اور علامہ سخاوی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

«أَحْسَنْتَ يَا عُمَرُ حِيْنَ وَجَدْتَنِيْ سَاجِدًا فَتَنَحَّيْتَ عَنِّيْ إِنَّ جِبْرَائِيْلَ اَتَانِيْ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ وَاحِدَةً صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَرَفَعَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ»

"عمر تو نے خوب کیا کہ مجھے سجدہ میں دیکھ کر دور ہٹ رہا۔ جبریل میرے پاس آئے تھے اور کہتے تھے جو آپ پر ایک دفعہ درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔ اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔"

اس حدیث کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی بھی لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سند دو درجہ سے ہے۔ اول سیاق سے ظاہر ہے کہ انس اس وقت حاضر نہ تھے۔ دوسرے قاضی اسمٰعیل نے جو روایت کی ہے اس میں اوس بن حدثان حضرت عمر سے ہی روایت کرتا ہے۔ حضرت انس کا اس میں واسطہ نہیں۔ لیکن اس دوسری سند پر نظر کرنے سے پہلے سند میں علت معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ کوئی علت نہیں۔ کیونکہ سلمہ کا دونوں سے سماع ہے۔ ابوبکر اسماعیلی نے کتاب مسند عمر میں ایک روایت وہ بیان کی ہے جو پہلی حدیث کے موافق ہے۔ یعنی انس بن مالک نے مذکورہ بالا قصہ بیان کیا۔ اور دوسری روایت وہ بیان کی ہے جس میں سلمہ نے اس حدیث کو مالک بن اوس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ دونوں سے سننا بیان کر دیا ہے۔ پھر فضل بن دکین کی وہ سند بیان کی ہے جس میں سلمہ نے دونوں سے سننا ظاہر کر دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ابن شاہین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّي اللهُ بِهَا عَشْرًا فَلْيُقْلِلْ عَبْدٌ بَعْدُ عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ أَوِ لْيُكْثِرْ»

"جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے، اب اس کے بعد خواہ کوئی درود کم پڑھا کرے یا زیادہ۔"

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے ترمذی نے اپنی جامع میں موقوفاً روایت

کیا ہے:

«إِنَّ الدُّعَآءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لاَ يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

"دعاء زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرا دی جاتی ہے۔ ذرا بھی اس میں سے اوپر نہیں جا سکتی جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔"

اسمٰعیل نے اس سے اتم طور پر روایت کی ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو مسلمان کھلی زمین پر جا کر ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھے اور پھر یوں کہے:

«اَللّٰهُمَّ أَصْبَحَ عَبْدُكَ عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ خَلَقْتَنِيْ وَلَمْ اَكُ شَيْئًا اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ فَاِنِّيْ قَدْ اَرْهَقَتْنِيْ ذُنُوْبِيْ وَاَحَاطَتْ بِيْ اِلاَّ اَنْ تَغْفِرَهَا فَاغْفِرْلِيْ يَارَحْمٰنُ اِلاَّ غَفَرَ اللهُ لَهُ فِي ذٰلِكَ الْمَقْعَدِ ذَنْبَهُ وَاِنْ كَانَ مِثْلُ زَبَدِ الْبَحْرِ»

"الٰہی تیرے بندہ نے صبح کی تیرے عہد اور تیرے وعدہ پر۔ تو نے مجھ کو پیدا کیا اور میں کوئی شے نہ تھا۔ میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگتا ہوں کیونکہ گناہوں نے مجھ کو دشواری میں ڈال دیا اور گھیر لیا ہے (کوئی راہ نہیں رہی) بجز اس کے کہ تو مجھے بخش دے۔ پس اے رحمٰن مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ اسی جگہ بیٹھے ہوئے اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ گو وہ کف دریا کے برابر ہوں۔"

ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ دعاء زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرا دی جاتی ہے۔ بلند نہیں ہوتی جب تک درود ساتھ نہ ہو۔"

ایک روایت اور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اعمال باہم فخر کرتے ہیں اور صدقہ کہتا ہے میں سب سے افضل ہوں۔ فرمایا جو مسلمان اپنے مال میں سے جوڑا دیتا ہے۔ اس کے لیے جنت کے دربان تیزی سے ہاتھ ہیں۔

اسماعیلی کا قول ہے کہ: صلوٰۃ ضحیٰ اور صدقہ کی احادیث تو موقوف ہیں اور باقی

برابر ہیں۔ مطلب یہ کہ نماز اور اعمال کی احادیث کے مرفوع ہونے کا بھی احتمال ہے اور موقوف کا بھی۔ اور حدیث ضحیٰ تو معاذ بن حارث کی سند سے مرفوع بھی مروی ہوئی ہے۔ مگر رفع ثابت نہیں ہوا اور موقوف زیادہ قرین قیاس ہے۔ (واللہ اعلم)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھا گیا ہے۔ اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر طبرانی نے لکھ دیا ہے کہ اس سند میں جو عبیداللہ بن عمر ہے۔ اس سے صرف یحییٰ بن ایوب روایت کرتا ہے۔ اور پھر اس سے روایت کرنے میں بھی عمرو بن الربیع بن طارق اکیلا ہے۔

## (18) عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ فرماتے ہوئے سنا۔ آپ فرماتے تھے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً لَمْ تزَلِ الْمَلاَئِكَةُ تُصَلِّىْ عَلَيْهِ مَا صَلَّى عَلَيَّ فَلْيُقِلَّ عَبْدٌ مِّنْ ذٰلِكَ أَوِ لْيُكْثِرْ»

"جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود خوانی میں رہتا ہے' اب بندہ کو اختیار ہے کہ کم پڑھے یا زیادہ۔" (اس کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔)

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ فاَكْثِرُوْا أَوْ اَقِلُّوْا»

"جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر رحمت بھیجتا ہے' اب تم زیادہ پڑھو یا کم۔"

عاصم بن عبیداللہ بن عاصم جو روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے اور عبداللہ بن عمر العمری جو عبدالرزاق کی سند میں ہے گو ان دونوں کی حدیث میں کچھ ضعف ہے مگر حدیث کا ان دو مختلف وجوہ سے مروی ہونا دلالت کرتا ہے کہ حدیث کی اصلیت ضرور ہے۔ اور یہ حسن کے درجۂ وسطیٰ سے کم نہیں۔ (واللہ اعلم)

## (19) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ نخلستان میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے ایک لمبا سجدہ کیا۔ حتیٰ کہ مجھے یہ اندیشہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے وفات دے دی۔ میں دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔ آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: "عبدالرحمٰن تجھے کیا ہو گیا۔" میں نے اپنا اندیشہ عرض کیا فرمایا:

«إِنَّ جِبْرَائِيْلَ قَالَ لِيْ اَلاَ اُبَشِّرُكَ أَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ»

"جبریل نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں؟ اللہ پاک فرماتا ہے۔ جو آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت بھیجوں گا جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا۔"

دوسری سند میں اتنا زیادہ ہے کہ:

«فَسَجَدْتُ للهِ شُكْرًا»

"میں نے اللہ تعالیٰ کا سجدہ شکر ادا کیا۔"

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ روایت کر کے صحیح الاسناد بتلایا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ ابن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور اسے طول کیا۔ میں نے اس بارے میں عرض کیا تو فرمایا:

«إِنِّيْ سَجَدْتُ هٰذِهِ السَّجْدَةَ شُكْرًا للهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْمَا اَبْلاَنِيْ فِيْ أُمَّتِيْ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا»

"میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ سجدۂ شکر کیا تھا کہ اس نے میری امت کے بارے میں یہ ارزانی فرمائی کہ جو کوئی شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا۔"

موسیٰ بن عبیدہ اس حدیث کی سند میں ہے۔ گو اس کی حدیث میں کچھ ضعف

ہوتا ہے۔ تاہم یہ حدیث' حدیث بالا کے لیے شاہد ہے۔

بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ پہلی حدیث کے موافق روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ: ((فَسَجَدْتُ لِذٰلِكَ)) "میں نے اسی لیے سجدہ کیا۔"

## (20) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے عبدالحمید نے مسند میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رات کا چوتھائی حصہ گزر جاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور فرماتے "لوگو ذکر الٰہی کرو' ذکر الٰہی کرو۔ آگیا زلزلے کا جھٹکا' اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا' موت آگئی اپنی ہولناکیوں کے ساتھ' موت آگئی اپنی ہولناکیوں کے ساتھ۔"

«قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ، إِنِّيْ اَكْثَرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ، فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ: قُلْتُ الرُّبُعَ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ، قُلْتُ النِّصْفَ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ، قُلْتُ الثُّلُثَيْنَ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ قَالَ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا»

"میں نے عرض کی' اے اللہ کے رسول! میں آپ پر درود پڑھا کرتا ہوں۔ فرمائیے درود کی کیا مقدار رکھوں۔ (یعنی اور وظیفوں کے مقابل میں)۔ فرمایا جس قدر تو چاہے۔ عرض کیا ایک چوتھائی ۱/۴۔ فرمایا' جتنا تو چاہے' اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا نصف ۱/۲۔ فرمایا' جتنا تو چاہے اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ عرض کیا دو تہائی ۲/۳۔ فرمایا' جتنا تو چاہے اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تمام (وقت کو) آپ کے درود کے لیے وقف کر دوں گا۔"

فرمایا:

«إِذًا يَّكْفِيْ هَمَّكَ وَيَغْفِرُ لَكَ ذَنْبَكَ»

"ایسی حالت میں وہ تیرے مقاصد کے لیے کفایت کرے گا۔ اور تیرے گناہوں کو بخش دے گا۔"

ترمذی و امام احمد اور حاکم رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اس کو اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے۔
اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل جو عبدالحمید کی سند میں ہے۔ اس سے ائمہ کبار مثل حمیدی، احمد، اسحاق، علی بن المدینی، ترمذی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے حجت پکڑی ہے۔ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کو کبھی صحیح کبھی حسن کہا ہے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کی تفسیر پوچھی گئی۔ کہا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اپنے لیے کچھ دعا کرتے تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس دعا میں سے چوتھائی یا نصف یا دو تہائی کو درود بنالوں۔ اور کل کو درود بنا لینے کے اظہار پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ اب تیرے مقاصد کے لیے کفایت اور تیرے گناہوں کے لیے مغفرت کا ذریعہ ہو گا۔" وجہ یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت مطالب کی کفایت کنندہ اور گناہوں کی بخشندہ ہے۔ یہ معنی ہیں اس حدیث کے۔

## (21) اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خَلَقَ اللهُ اٰدَمَ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَّعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تُعْرَضُ عَلَيْكَ صَلَاتُنَا وَقَدْ اَرِمْتَ يَعْنِىْ وَقَدْ بَلِيْتَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الاَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ»

"دنوں میں بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ اسی دن نفخہ حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے۔ اسی دن بجلی کی کڑک اور گڑگڑاہٹ ہے۔ تم اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ جب آپ مٹی ہو جاویں گے تو ہمارا درود کس طرح آپ کے سامنے پیش ہو سکے گا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے۔ زمین ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی۔"

امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم نے صحیح میں۔ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور سب کی روایت میں حسین الجعفی ہے۔ بعض حفاظ نے اس میں یہ علت بیان کی ہے کہ حسین جعفی، عبدالرحمٰن بن یزید سے اور جابر ابو الاشعث صنعانی سے وہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ بظاہر تو جو شخص اس اسناد کو دیکھے گا اس کی صحت میں شک نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں جن کی احادیث کو ائمہ نے قبول کیا ہے۔ مگر علت اس میں یہ ہے کہ حسین جعفی نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے نہیں سنا۔ اس نے عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم سے سنا ہے اور اسے حجت نہیں سمجھا۔ حسین جعفی نے جب اس حدیث کو روایت کیا تو اپنے راوی کے جد کے نام میں غلطی کر گیا اور ابن تمیم کہنے کی بجائے ابن جابر کہہ گیا۔ جس کو حفاظ نے ظاہر کر دیا اور تنبیہ کر دی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم الشامی مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتا ہے۔ ولید بن مسلم نے اس سے سنا ہے اس کے پاس مناکیر (منکر روایات) ہیں۔ یہ وہ ہے جس سے ابواسامہ اور حسین جعفی روایت کرتے ہیں۔ اور دونوں نے اس کا نام یزید بن جابر کہا اور اس کے نسب میں غلطی کھائی ہے حالانکہ صحیح یزید بن تمیم ہے اور یہ ضعیف ہے۔ خطیب کہتے ہیں کوفیوں نے عبدالرحمٰن بن تمیم کی احادیث کو عبدالرحمٰن بن یذید بن جابر سے روایت کیا ہے، مگر اس بارے میں ان کو وہم ہوا۔ اور ان احادیث کے اخذ کرنے میں بھی۔ حافظ موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں، ابواسامہ نے عبدالرحمٰن بن یذید بن جابر سے روایت کی ہے، مگر یہ اس کا وہم ہے وہ تو ان سے ملا بھی نہیں۔ وہ عبدالرحمٰن بن یذید بن تمیم سے ملا۔ مگر اسی کو ابن جابر سمجھ گیا۔ ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور اس کے ضعف کی طرف ایک

سے زیادہ حافظوں نے اشارہ کیا ہے۔ اس توجیہہ کا جواب بعض وجوہات کی بنا پر یہ ہے کہ: حسین جعفی نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے سماع کی خود صراحت کر دی ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"جب اس نے خود سماع کی صراحت اپنی روایت میں کر دی ہے تو یہ خیال کہ جس سے یہ روایت کرتا ہے دراصل ابن تمیم تھا اور حسین نے اپنی غلطی سے اسے ابن جابر سمجھ لیا تھا۔ بالکل بعید ہے کیونکہ حسین جعفی کو اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا' جب کہ یہ صاحب علم و نقد ہے اور دونوں سے سماع بھی رکھتا ہے۔"

اس کے جواب میں کوئی شخص ابو حاتم کی کتاب العلل کو پیش کر سکتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ اہل عراق میں سے میں نے کسی کو نہیں سنا جو عبدالرحمٰن بن یذید بن جابر سے روایت کرتا ہو۔ ابو اسامہ اور حسین جعفی جس سے روایت کرتے ہیں وہ ایک ہی شخص یعنی ابن تمیم ہے۔ کیونکہ ابو اسامہ نے عبدالرحمٰن بن یذید بن جابر کی روایت سے پانچ یا چھ احادیث منکر بیان کی ہیں۔ اور یہ ہرگز احتمال نہیں ہو سکتا کہ ابن جابر جیسا شخص ایسی احادیث کی روایت کرے۔ رہی حسین جعفی کی روایت کردہ حدیث "افضل الایام" جس کو وہ ابن جعفر سے روایت کرتا ہے۔ یہ بھی حدیث منکر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ حسین کے سوا کسی اور نے روایت کیا ہو۔ یہ یاد رہے کہ عبدالرحمٰن بن یذید بن تمیم تو ضعیف الحدیث ہے اور عبدالرحمٰن بن یذید بن جابر ثقہ ہے۔"

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حسین جعفی اور ابو اسامہ کے سماع ابن جابر میں گفتگو کی گئی ہے۔ ابو اسامہ کا سماع ابن جابر سے تو اس کا انکار اکثر اہل حدیث نے کیا ہے۔ تہذیب میں حافظ ابو الحجاج المزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابن نمیر نے ابو اسامہ کا ذکر کیا کہ جس ابن جابر سے یہ روایت ہے یہ مشہور ابن جابر نہیں۔ میرے پاس

ذکر ہوا ہے کہ ایک اور شخص ابن جابر کے نام سے مشہور تھا۔ یعقوب کہتے ہیں یہی ٹھیک ہے وہ (دراصل) ابن تمیم تھا۔ ابواسامہ اس کے پاس گیا۔ اس سے احادیث لکھ کر روایت کی۔ حالانکہ وہ ابن جابر کے نام سے محض مشہور ہی تھا۔ یعقوب کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ابن نمیر نے ابواسامہ پر گویا یہ الزام لگایا ہے کہ اسے اپنی غلطی کا پتہ بھی چلا مگر پھر بھی اس نے غفلت کی۔ ابن نمیر نے یعقوب سے کہا کیا تم اس کی روایت کو نہیں دیکھتے جو تمام صحاح کے جسے اہل شام اور اصحاب ابن جابر نے روایت کیا ہے کسی سے نہیں ملتی۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ:

"میں نے حسین جعفی کے برادر زادہ محمد بن عبدالرحمٰن سے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کا سوال کیا۔ کہا کوفہ میں عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم بھی آیا اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر بھی۔ اور اس سے کچھ زمانہ بعد عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر پھر کوفہ آیا۔ مگر جس شخص سے ابواسامہ روایت کرتا ہے وہ ابن جابر نہیں بلکہ ابن تمیم ہے۔"

ابن ابی داؤد کہتے ہیں کہ: "ابواسامہ نے ابن مبارک سے انہوں نے ابن جابر سے سنا اور یہ دونوں (ابن مبارک و ابن جابر) مکحول سے روایت کرتے ہیں۔ ابن جابر (غیر مشہور) بھی دمشقی ہے۔ جب یہ آیا تو اس نے کہا میں عبدالرحمٰن بن یزید دمشقی ہوں۔ پھر اس نے مکحول سے روایت کی۔ ابواسامہ یہ سمجھ گیا کہ یہ ابن جابر وہ ہے جس سے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ بے شک عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر ثقہ و مامون ہیں۔ ان کی حدیث جمع کی جاتی ہے۔ اور ابن تمیم ضعیف ہے۔ اور ابوداؤد نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابواسامہ اسی سے روایت کرتا ہے اور اس کے نام میں غلطی کھاتا ہے اور ابن جابر الشامی کہہ کر روایت کرتا ہے۔ دراصل اس کی یہ تمام احادیث ابن تمیم سے ہیں۔"

رہا حسین جعفی کا ابن جابر سے سماع، تو ہمارے شیخ نے تہذیب میں اس کا ذکر کر کے حسین بن علی کی ابن جابر سے روایت کو زیادہ قوی قرار دیا ہے اور ابواسامہ (حماد بن اسامہ گو محفوظ ہے) کی روایت پر شک کیا ہے۔ تعلیل بالا کا جواب تو ہو چکا۔ اس

قدر لکھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ دار قطنی نے اس کو قطعی طور پر اختیار کیا ہے۔ وہ ابو حاتم کی کتاب الضعفاء پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسین جعفی نے تو عبدالرحمٰن بن یذید بن جابر سے روایت کی ہے۔ اور ابو اسامہ نے عبدالرحمٰن بن یذید بن تمیم سے مگروہ اس کے جد کے نام میں غلطی کھاتا ہے۔

حدیث بالا میں ایک علت اور ہے یعنی عبدالرحمٰن بن یزید نے ابوالاشعث سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ کوئی علت قادحہ نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے لیے حدیث ابو ہریرہ، ابوالدرداء، ابو امامہ، ابو مسعود، انس بن مالک اور حسن رضی اللہ عنہم بطور شواہد ہیں۔ جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

(الف) حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ أُهْبِطَ وَفِيْهِ تِيْبَ عَلَيْهِ وَفِيْهِ مَاتَ وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلاَّ وَهِيَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنِ تَطْلُعُ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ إِلاَّ الْجِنُّ وَالاِنْسُ وَفِيْهَا سَاعَةٌ لاَ يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللهَ شَيْئًا إِلاَّ اَعْطَاهُ إِيَّاهُ»

”بہتر دن جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی روز زمین پر آئے۔ اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن مرے اسی دن قیامت ہوگی۔ جن و انسان کے سوا جتنے جان دار ہیں اس روز قیامت کے ڈر سے طلوع آفتاب سے ہی گوش بر آواز رہتے ہیں۔ جمعہ میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کسی مسلمان کو مل جائے اور وہ نماز پڑھتا ہوا اللہ سے سوال کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز دے دیتا ہے۔“

یہ حدیث صحیح ہے اور حدیث اوس بن اوس کی تائید کرتی ہے اور اس کے ہم معنی ہے۔

(ب) کتاب الثقفیات میں حدیث ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ

الْمَلاَئِكَةُ وَإِنَّ اَحَدًا لاَ يُصَلِّيْ عَلَيَّ إِلاَّ عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهُ حَتَّى يَفْرُغَ قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الأَنْبِيَآءِ ـ فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ»

''جمعہ کے روز درود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے۔ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود میرے سامنے کر دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا موت کے بعد کیا حال رہے گا۔ فرمایا اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسم کھائے۔ اللہ کا نبی (قبر میں بھی) زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے۔''

اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ جو آگے آئے گی۔ طبرانی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

(ج) حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْ كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَاِنَّ صَلٰوةَ اُمَّتِيْ تُعْرَضُ عَلَيَّ فِيْ كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَمَنْ كَانَ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً كَانَ اَقْرَبَهُمْ مِنِّيْ مَنْزِلَةً»

''جمعہ کے دن مجھ پر درود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ ہر جمعہ امت کا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔ جو درود خوانی میں بڑھا ہوا ہو گا وہی درجہ میں مجھ سے قریب تر ہو گا۔''

اس حدیث میں دو علتیں ہیں:

① برد بن سنان جو مکحول شامی سے روایت کرتا ہے' اس کے بارے میں علماء نے جرح (علمائے محدثین کی اصطلاح میں راوی کے عیب ظاہر کرنے کو جرح کہتے ہیں) کی ہے۔ مگر یحییٰ بن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

② کہتے ہیں کہ مکحول شامی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ واللہ اعلم

(د) حدیث انس رضی اللہ عنہ کو طبرانی نے محمد بن علی الاحمر کی سند سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهُ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ آنِفًا مِنْ رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ مَا عَلَى الاَرْضِ مِنْ مُّسْلِمٍ يُصَلِّيْ عَلَيْكَ مَرَّةً وَّاحِدَةً اِلاَّ صَلَّيْتُ اَنَا وَمَلاَئِكَتِيْ عَلَيْهِ عَشْرًا»

"جمعہ کو بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ ابھی جبریل اللہ تعالیٰ کی جانب سے میرے پاس یہ پیغام لائے تھے کہ روئے زمین پر جو مسلمان آپ پر ایک بار درود پڑھے گا میں اور میرے فرشتے دس دفعہ اس پر رحمت بھیجیں گے۔"

نیز محمد بن اسمٰعیل وراق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّ صَلاَتَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ»

"مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے"۔

یہ دونوں راوی گو ضعیف ہیں، مگر استشہاد (طلب گواہی) کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ابن ابی السری نے سند کے ساتھ صرف اس قدر روایت کیا ہے:

«اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ»

"جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت یہی تھی کہ جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔ ابن وہب کا قول محمد بن یوسف نے نقل کیا ہے کہ مجھے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے زید بن وہب تو ہر جمعہ کو ہزار مرتبہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ پڑھ لیا کر۔ کوئی جمعہ خالی نہ جانے دے۔"

(۵) حدیث حسن رضی اللہ عنہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَاْكُلُ الاَرْضُ جَسَدَ مَنْ كَلَّمَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ»

"جس کے ساتھ جبریل (علیہ السلام) نے کلام کیا ہو۔ زمین اس کے جسم کو نہیں کھاتی۔"

## (22) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث

جسے ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلاَ تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا وَلاَ تَتَّخِذُوْا بَيْتِيْ عِيْدًا صَلُّوْا عَلَيَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ وَسَلاَمَكُمْ يُبَلِّغُنِيْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ»

"نوافل گھروں میں پڑھا کرو' اور گھروں کو قبریں نہ بنا رکھو (جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی) میرے گھر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہو' تم جہاں کہیں ہو گے وہیں سے تمہارا سلام و صلوٰۃ میرے پاس پہنچتا رہے گا۔"

علت اس حدیث میں یہ ہے کہ ابوبکر حنفی نے تو عبداللہ بن نافع سے مذکورہ بالا الفاظ روایت کئے ہیں' مگر مسلم بن عمرو جو عبداللہ بن نافع سے حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے' اس نے یہ الفاظ کہے ہیں:

«لاَ تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلاَ تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَّصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تُبَلِّغُنِيْ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ» یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

طبرانی نے معجم کبیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

«حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تُبَلِّغُنِيْ»

"تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو اس لیے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے"۔

## (23) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے طبرانی نے معجم میں روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَخَطِيءَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطِيءَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ»

"جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے درود میں خطا کی۔ (یعنی درود شریف نہ پڑھا) وہ جنت کی راہ بھول گیا۔"

اس حدیث میں یہ علت ہے کہ، عمرو بن حفص نے تو اس کو بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ اور ابن ابی عاصم و اسمٰعیل بن اسحاق نے امام زین العابدین سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ سلیمان بن حرب اور علی بن مدینی کی روایتوں میں اسی حدیث کو امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے بطور ارسال روایت کیا گیا ہے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ عمرو راوی کے بعد ایک اور شخص نے بھی جس کا نام سفیان راوی نے بسام صیرفی بتلایا ہے، بیان کیا تھا کہ اس نے بھی یہ حدیث امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ہی سنی تھی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک وہ حدیث ہے جسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ»

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

اس کو ابن حبان و حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں اور ترمذی نے جامع میں روایت کیا اور حسن صحیح غریب بتلایا۔ اور مسند میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں ایک اور علت ہے۔ جو نسائی نے سنن کبیر میں لکھی ہے کہ عبدالعزیز بن محمد کی روایت میں عبداللہ بن علی بن حسین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں:

اور زکریا بن یحییٰ کی روایت میں یوں ہے کہ عبداللہ بن علی بن حسین نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

## (24) فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی حدیث

جس کو ابوالعباس ثقفی نے سند کے ساتھ فاطمہ بنت حسین سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«إِذَا دَخَلْتِ الْمَسْجِدَ فَقُوْلِيْ بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ للهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَسَهِّلْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَاِذَا خَرَجْتِ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُوْلِيْ كَذٰلِكَ إِلاَّ أَنَّهُ قَالَ وَسَهِّلْ لِيْ

اَبْوَابَ رِزْقِكَ»

"جب تم مسجد میں داخل ہو تو کہا کرو اللہ کے نام سے شروع کرتی ہوں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) پر صلوٰۃ و سلام بھیج۔ یااللہ! مجھے بخش دے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لیے آسان کر دے۔"

مسجد میں داخل ہوتے وقت «بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ» الخ پڑھنا چاہیئے۔ اور اسی طرح صرف جانے کے وقت رَحْمَتِكَ کی جگہ رِزْقِكَ بدل لینا چاہیئے۔

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور لکھ دیا کہ حدیث کی سند حدیث کی متصل نہیں کیونکہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی دادی فاطمہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا۔ ابن ماجہ نے بھی ترمذی کی طرح روایت کیا ہے۔

## (25) براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے احمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُتِبَتْ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيَ عَنْهُ بِهَا عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكُنَّ لَهُ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ»

"جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ اور درود کا پڑھنا اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے۔"

## (26) جس کو جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

نسائی نے سنن کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ ثُمَّ تَفَرَّقُوْا عَنْ غَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَصَلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلاَّ قَامُوْا عَنْ اَنْتَنِ جِيْفَةٍ»

"کوئی قوم جمع ہو کر متفرق نہیں ہوتی جس میں ذکر اللہ اور صلوٰۃ نبی نہ ہو مگر

اس کی مثال ایسی ہے کہ نہایت بدبو دار مردار سے اٹھے ہیں۔"
ابو عبداللہ المقدسی کہتے ہیں کہ یہ سند میرے نزدیک مسلم کی شرط پر ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث احمد بن عمرو نے سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَجْعَلُوْنِي كَقَدْحِ الرَّاكِبِ إِنَّ الرَّاكِبَ يَمْلأُ قَدْحَهُ فَإِذَا فَرَغَ وَعَلَّقَ مَعَالِيْقَهُ فَإِنْ كَانَ فِيْهِ مَآءٌ شَرِبَ حَاجَتَهُ أَوِ الْوُضُوْءَ تَوَضَّأَ وَإِلاَّ اِهْرَاقَ الْقَدْحَ فَاجْعَلُوْنِي فِيْ اَوَّلِ الدُّعَاءِ وَفِيْ اَوْسَطِهِ وَلاَ تَجْعَلُوْا فِيْ آخِرِهِ»

"مجھے سوار (مسافر) کے پیالہ کے مانند نہ بناؤ جو پیالہ بھر لیتا ہے۔ پھر جب فارغ ہو کر اسباب وغیرہ لاد کر (چلنے کو تیار ہو جاتا ہے) تو پیالہ کے پانی کو پی لیتا ہے یا وضو کر لیتا ہے اور پھر اسے توڑ ڈالتا ہے۔ تم مجھے دعار کے اول اور وسط میں جگہ دو۔ اور آخر میں جگہ نہ دو۔"

یہ الفاظ ابی عاصم کے تھے لیکن طبرانی کی روایت میں یوں ہے:

«فَاجْعَلُوْنِيْ فِيْ وَسَطِ الدُّعَآءِ وَفِيْ أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ»

"یعنی دعار کے اول و آخر اور وسط میں درود بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہیئے۔"

## (27) ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا طَنَّتْ أُذُنُ اَحَدِكُم فَلْيَذْكُرْنِيْ وَلْيُصَلِّ عَلَيَّ»

"جب کسی کا کان شاں شاں کرنے لگے تو اسے لازم ہے کہ میرا ذکر کرے اور مجھ پر درود پڑھے۔"

طبرانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو رافع رضی اللہ عنہ سے اسی اسناد کے ساتھ مروی ہے اور معمر بن محمد اس روایت میں منفرد ہے۔ ابن خزیمہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں:

«ذَكَرَ اللهُ مَنْ ذَكَرَنِيْ بِخَيْرٍ»

"یعنی اللہ کا ذکر میرے ذکر سے بہتر ہے۔" زیادہ کہا ہے۔

## (28) عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے ترمذی نے اپنی جامع میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ إِلَى اللهِ حَاجَةٌ أَوْ إِلَى اَحَدٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللهِ وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لْيَقُلْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ الْحَمْدُ لله رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلاَمَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لاَ تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلاَّ غَفَرْتَهُ وَلاَ هَمًّا إِلاَّ فَرَّجْتَهُ وَلاَ حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلاَّ قَضَيْتَهَا يَاَارْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ»

"جس کو اللہ سے حاجت ہو یا کسی آدمی سے۔ اسے چاہیئے اچھی طرح وضوء کرے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ اللہ کی ثناء اور درود بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعاء پڑھے لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهِ الخ۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا' یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں علماء کی جرح ہے۔ فائد بن عبدالرحمٰن حدیث میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ فائد کی کنیت ابوالورقاء ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو متروک الحدیث اور یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم بن حبان نے کہا یہ مشاہیر سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے اور ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے نامعلوم حدیثیں بیان کرتا ہے۔ جن سے حجت مناسب نہیں۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ میں اس کو بطور شاہد لایا ہوں اور فائد مستقیم الحدیث ہے۔

## (29) رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث

جو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ»

"جو شخص اَللّٰھُمَّ صَل عَلٰی الخ یعنی "یااللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت فرما اور قیامت کے دن اسے اپنے قریب ترین جگہ دے" پڑھتا ہے اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔"

اسمٰعیل بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

### (30) ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے طبرانی نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ قَوْمٍ جَلَسُوْا مَجْلِسًا ثُمَّ قَامُوْا مِنْهُ لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلاَّ كَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً»

"جس مجلس والے ذکر الٰہی اور درود بر نبی کے بغیر متفرق ہو جاتے ہیں ان کے لیے وہ مجلس حسرت و افسوس کا باعث رہے گی۔"

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے جسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِهَا حَتَّى يُبَلِّغَنِيْهَا»

"جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ ایک فرشتہ مقرر ہے جو بندے کا درود مجھ تک پہنچاتا ہے۔"[1]

### (31) عبدالرحمٰن بن بشر بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے اسماعیل بن اسحاق نے اپنی کتاب میں سند کیساتھ روایت کیا ہے... عرض کیا گیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم کو حکم ہے کہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں' سلام تو ہم جان گئے۔ درود آپ پر کس طرح بھیجیں فرمایا' کہا کرو:

---

[1] اس سند میں مکحول راوی ہے اس کے متعلق علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ان کا سماع ابو امامہ سے ثابت نہیں ہے۔

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ»

''یااللہ! حضرت محمد (ﷺ) کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی' یااللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن مندہ نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے۔ ان کا نام ابن بشیر بھی لکھا گیا ہے اور ابن بشر بھی۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بشیر ہی تحریر کیا ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فضیلت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ حدیث ان سے روایت کی۔ مسدد اور نصر بن علی کی روایات میں بھی اسی طرح ہی ہے۔

## (32) ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے نسائی نے روایت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَنْ أُمَّتِيْ صَلٰوةً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرَ صَلٰوتٍ وَرَفَعَ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكَتَبَ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحٰى عَنْهُ عَشْرَ سَيِّاٰتٍ»

''جس مسلمان نے خلوص دل سے درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے' دس درجے بلند فرماتا ہے' دس نیکیاں لکھتا ہے' دس برائیاں مٹاتا ہے۔''

اس حدیث میں یہ علت ہے کہ اسے سعید بن سعید سے ابو اسامہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور وکیع نے بھی اور دونوں کی سند میں اختلاف پڑ گیا ہے۔ ابو زرعہ رازی کا قول ہے کہ حدیث ابو اسامہ زیادہ مناسب ہے۔ طبرانی نے معجم میں اور ابن عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں اس کو اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دونوں کی سند میں ابو اسامہ ہے۔

## (33) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے ابوالشیخ اصبہانی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ لله تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَلَكًا اَعْطَاهُ اَسْمَاعَ الْخَلاَئِقِ فَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِيْ اِذَا مِتُّ فَلَيْسَ اَحَدٌ يُصَلِّيْ عَلَيَّ صَلٰوةً إِلاَّ قَالَ يَا مُحَمَّدٌ صَلَّى عَلَيْكَ فُلاَنُ بْنُ فُلاَنٍ قَالَ فَيُصَلِّى الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلٰى ذٰلِكَ الرَّجُلِ بِكُلٍّ وَاحِدَةٍ عَشْرًا»

"اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک ایسا فرشتہ ہے جسے اس نے تمام مخلوق کی آوازوں کی قوت شنوائی دے دی ہے۔ جب میرا انتقال ہو گا تب وہ میری قبر پر ٹھہرا رہے گا جو کوئی مجھ پر درود پڑھے گا وہ بتلا دے گا کہ فلاں بن فلاں آپ پر درود پڑھتا ہے۔ فرمایا' اس درود پڑھنے والے پر ایک کے بدلے دس رحمتیں اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے۔"

## (34) ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث

فرماتے ہیں کہ "مجھے ایک صحابی نے خبر دی کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے پھر تکبیر اولیٰ کے بعد چپکے چپکے فاتحہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور باقی تکبیرات میں میت کے لیے ہی دعا رہے اور کچھ نہ پڑھے' پھر آہستہ سے سلام کر دے۔"

اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں روایت کیا ہے۔ نیز اسمٰعیل بن اسحاق نے۔ نیز سنن میں نسائی نے۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں ابوامامہ بن سہل بن حنیف بن واہب انصاری بنی عمرو بن عوف میں سے ہیں۔ ان کا نام اسعد ہے' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا کے نام پر (کہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ تھے) ان کا نام رکھ دیا تھا اور ان کی کنیت پر کنیت۔ ان کے لیے دعا فرمائی اور برکت دی۔ ابو عمرو غیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' وہ ۱۰۰ھ میں نوے سال کے ہو کر فوت ہوئے۔ اس حدیث میں اختلاف بھی ہے۔ ایک روایت میں تو یہ ہے کہ ابوامامہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ خود ابوامامہ رضی اللہ عنہ

نے کہا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں طرح روایت کی ہے۔

دراصل حدیث کے لیے یہ کوئی علت قادحہ (نقصان دہ سبب) نہیں کیونکہ صحابی رضی اللہ عنہ کا مجہول (غیر معروف) ہونا ضرر نہیں دیتا۔

**صحابی کا کسی فعل کو سنت کہنا کیا حکم رکھتا ہے** واضح ہو صحابی کا یہ کہنا کہ: "یہ سُنَّت میں سے ہے۔" اس میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے مرفوع کے حکم میں ہے اور کوئی کہتا ہے کہ رفع کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی مفصل بحث اسی کتاب کے کسی دوسرے مقام پر کی گئی ہے۔

**(35) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث** جس میں منبر پر چڑھنے اور تین بار آمین کہنے کا ذکر ہے۔ اسی میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا:

«يَامُحَمَّدُ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلِمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَأَبْعَدَهُ اللهُ قُلْ آمِيْنَ قُلْتُ آمِيْنَ»

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس کے سامنے آپ کا ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا' پھر وہ مر گیا اور دوزخ میں گیا اور اللہ نے اسے دور کر دیا۔ کہئے آمین' میں نے کہا! آمین۔"

قیس بن ربیع جو اس حدیث کا راوی ہے صدوق (سچ بولنے والا) ہے مگر بد حافظہ ہے۔ شعبہ ان کی تعریف کرتا تھا۔ ابو حاتم نے کہا وہ محل صدق ہے' مگر قوی نہیں۔ ابن عدی نے کہا:

"اس کی تمام روایات مستقیم ہیں۔" رہی یہ حدیث اس کی اصل حدیث ابو ہریرہ' کعب بن عجرہ' ابن عباس' مالک بن حویرث اور عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہم سے ہے۔ حدیث ابو ہریرہ' جابر و کعب بن مالک اور ابن سمرہ پہلے گذر چکی ہیں۔

**(36) مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث** کو ابو حاتم نے صحیح میں روایت کیا ہے کہ جس میں منبر کے تینوں درجوں پر چڑھنے' آمین کہنے رمضان' والدین اور صلوٰۃ بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

## (37) عبداللہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ کی حدیث

بھی اسی مضمون کی ہے اور اس کو جعفر فریابی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

## (38) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث

جو مالک اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث بالا کے ہم مضمون ہے، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

## (39) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث

وہ ہے جسے محمد بن حسن ہاشمی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِيْ كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الصَّلٰوةُ جَارِيَةً لَهُ مَادَامَ اسْمِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْكِتَابِ»

"جو کوئی شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھتا ہے اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک اس کتاب میں میرا نام لکھا رہتا ہے۔"

اس روایت میں کادح اور نہشل دو راوی ہیں دونوں غیر ثقہ اور کذب سے متہم ہیں۔ اور اس حدیث کی ایک تو یہی اصل ہے۔ دوسرے ابن جارود کی سند سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ اسی حدیث کو امام جعفر بن محمد کا قول کہہ کر موقوفاً بھی روایت کیا گیا ہے اور یہی زیادہ درست ہے۔ محمد بن حمیر امام ممدوح سے ہی یہ قول روایت کرتا ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ كِتَابٍ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ غُدْوَةً وَرَوَاحًا مَادَامَ اسْمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ ذٰلِكَ الْكِتَابِ»

"جو شخص کسی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود لکھتا ہے جب تک اس کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا رہتا ہے، فرشتے اس شخص پر صبح وشام دعاء رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔"

**ایک خواب کا ذکر** احمد بن عطاء ابو صالح عبداللہ بن صالح کا قول بیان کرتے تھے کہ

اصحاب حدیث میں سے ایک کو خواب میں دیکھا گیا۔ پوچھا گیا کہ اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ کہا، مجھے بخش دیا۔ پوچھا گیا، کس عمل کے بدلے۔ کہا، اس درود شریف کی وجہ سے جو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتابوں میں لکھا کرتا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے جسے طبرانی نے معجم میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَّسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ»

"جو درود شریف پڑھنا بھول گیا وہ بہشت کی راہ بھول گیا۔"

اس کو ابن ماجہ نے سنن میں جبارہ بن مغلس سے روایت کیا ہے۔ یہ جبارہ وہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے کوئی وضعی حدیث بیان کر دیتا تو خود اسے روایت کر دیتا اور معلوم نہ کر سکتا۔ مگر اس حدیث کے معنی حضرت ابو ہریرہ، حسین بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم میں مروی ہیں۔ حسین بن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث پہلے لکھی جا چکی ہیں۔ محمد بن حنفیہ کی حدیث کو ابن ابی عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَنَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطِأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ»

"جس کے پاس میرا نام ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا تو وہ جنت کے راستے سے بھٹک گیا"۔

اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عبدالخالق بن حسن سقطی نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

«مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطِأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ»

"جس کے پاس میرا نام ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کے راستے سے بھٹک گیا۔"

### (40) ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے اسمٰعیل بن اسحاق نے کتاب الصلوٰۃ میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ»

"سب سے بڑھ کر بخیل وہ ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر

درود نہ پڑھے۔“

ابن ابی عاصم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَبْخَلِ النَّاسِ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَذٰلِكَ أَبْخَلُ النَّاسِ»

”کیا سب سے زیادہ بخیل تمہیں نہ بتلادوں؟ لوگوں نے عرض کیا' ہاں۔ فرمایا' جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ سب سے زیادہ بخیل ہے۔“

اس حدیث میں صحابی' صحابی سے روایت کرتا ہے اور اس کی اصل حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی احادیث میں جو بیان ہو چکی ہیں موجود ہے۔

## (41) واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے ابن منیع نے مسند میں روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّمَا قَوْمٍ جَلَسُوْا فِيْ مَجْلِسٍ ثُمَّ تَفَرَّقُوْا قَبْلَ اَنْ يَذْكُرُوا اللهَ وَيُصَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”جو قوم کسی مجلس میں ذکر الٰہی اور درود بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھتی تو قیامت کے دن وہ مجلس اہل مجلس کے لیے خسارہ ہو گی۔“

اس کی اصل ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔

## (42) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث

اسے ابن شاہین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' فرماتے تھے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُنْتُ شَفِيْعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”جو مجھ پر درود پڑھتا ہے قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔“

ابن ابی داؤد کی روایت میں ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حجۃ الوداع

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ وَهَبَ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ عِنْدَ الإِسْتِغْفَارِ فَمَنِ اسْتَغْفَرَ بِنِيَّةٍ صَادِقَةٍ غُفِرَ لَهُ وَمَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ رَجَّحَ مِيْزَانَهُ وَمَنْ صَلَّي عَلَيَّ كُنْتُ شَفِيْعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"اللہ تعالیٰ استغفار سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ پس جس نے سچی نیت سے استغفار پڑھا اسے بخش دیا گیا جس نے لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہا اس کی میزان بھاری ہو گئی۔ جس نے مجھ پر درود پڑھا میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔"

## (43) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

جسے ابراہیم بن رشید بن مسلم نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً إِلاَّ عَرَجَ بِهَا مَلَكٌ حَتَّى يَجِيْءَ بِهَا وَجْهَ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ فَيَقُوْلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذْهَبُوْا بِهَا إِلٰى قَبْرِ عَبْدِيْ تَسْتَغْفِرُ لِصَاحِبِهَا وَتَقَرُّ بِهَا عَيْنُه»

"جب کوئی شخص درود پڑھتا ہے تو اسے ایک فرشتہ لے کر اوپر کو چڑھتا ہے اور اسے رحمٰن کے حضور میں لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے میرے بندۂ مقبول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر پر لے جاؤ تاکہ آپ درود خوان کے لیے دعائے بخشش کریں اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ابو نعیم نے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلاَئِكَةُ مَا صَلَّى عَلَيَّ فَلْيُكْثِرْ عَبْدٌ أَوْ يُقِلَّ»

"جو مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہے۔ اب کوئی زیادہ پڑھے یا کم۔"

## (44) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے ابوداؤد نے سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لاَ يَنْبَغِيْ إِلاَّ لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُوْا أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوْ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»

"جب تم مؤذن کی اذان [1] سنو تو وہ جو کہے تم بھی وہی کہو پھر (ختم اذان کے بعد) مجھ پر درود پڑھو۔ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے جو بندگان الٰہی میں سے صرف ایک کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ بیشک جو کوئی میرے واسطے وسیلہ کا سوال کرتا ہے میری شفاعت اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث وہ ہے جسے عبداللہ بن احمد نے سند کے ساتھ موقوفاً روایت کیا ہے کہ:

---

[1] اذان سننے کے آداب مختلف حدیثوں کے جمع کرنے سے یہ معلوم ہوتے ہیں:

① جو کلمات مؤذن کہے خود بھی وہی پڑھتا رہے۔

② حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ کے جواب میں لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھے۔

③ ختم اذان کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ»

④ درود شریف پڑھے۔

”جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس پر ستر دفعہ رحمت بھیجتے ہیں۔ اب کوئی خواہ زیادہ پڑھے یا کم۔“ امام احمد اور ابو نعیم نے بھی اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث وہ ہے جسے حافظ ابو موسیٰ مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جس شخص کی کوئی حاجت ہو اسے چاہیئے کہ بدھ، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھے۔ جمعہ کے دن غسل کرے۔ مسجد کو جائے اور کم و بیش صدقہ بھی دے۔ نماز جمعہ کے بعد یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاِسْمِكَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الَّذِيْ لَاَ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لاَ تَاْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ الَّذِيْ مَلاَتْ عَظْمَتُهُ السَّمٰوَاتِ وَالاَرْضِ الَّذِيْ عَنَتْ لَهُ الْوُجُوْهُ وَخَشعَتْ لَهُ الاَصْوَاتُ وَوَجلَتِ الْقُلُوْبُ مِنْ خَشْيَتِهِ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْ تُعْطِيْنِيْ حَاجَتِيْ وَهِيَ كَذَا وَكَذَا»

ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دعا مستجاب ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ احمقوں کو یہ دعا نہیں سکھلانی چاہیئے کہیں وہ گناہ کے لیے یا قطع رحم کے لیے دعا نہ کرنے لگیں۔

## (45) ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث

جسے طبرانی نے معجم کبیر میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا وَحِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا اَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ»

”جو شخص مجھ پر صبح کو دس بار اور شام کو دس بار درود پڑھتا رہے اسے

---

⑤ پھر اپنے لیے دعا مانگے بعض لوگ اوپر کی دعا میں «وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» پڑھا کرتے ہیں لیکن صحیح روایت میں یہ الفاظ نہیں آئے۔ (محمد سلیمان)

میری شفاعت نصیب ہو گی۔"

طبرانی نے دوسری سند کے ساتھ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَيَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهُ یَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلاَئِکَةُ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَيَّ إِلاَّ بَلَغَنِيْ صَوْتُهُ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِيْ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الأَنْبِیَاءِ»

"جمعہ کے دن درود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے۔ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ جو بندہ درود پڑھتا ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ آپ کی وفات کے بعد؟ فرمایا وفات کے بعد بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔" [1]

## (46) سعید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث

جس کو وہ اپنے باپ عمیر بدری سے روایت کرتے ہیں۔ اس کو عبدالباقی بن قانع نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّی عَلَيَّ صَادِقًا مَنْ نَفْسِهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرَ صَلَوٰتٍ وَرَفَعَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَکَتَبَ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ»

"جو شخص سچے دل سے مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس بار رحمتیں بھیجتا ہے اور اسکے دس درجے بلند کرتا ہے اور اس کیلئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔"

---

[1] ابن ابی عاصم نے اسے روایت کیا ہے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں ضعف ہے۔

باب دوم

# مرسل [۱] اور موقوف [۲] حدیثوں کا بیان

❁ اسمٰعیل نے اپنی کتاب میں یزید رقاشی سے روایت کی ہے کہ: "ایک فرشتہ جمعہ کے دن مامور ہوتا ہے کہ جو شخص نبی ﷺ پر درود پڑھتا ہے وہ نبی ﷺ کو پہنچا دیتا ہے اور عرض کر دیتا ہے کہ فلاں امتی نے یہ درود بھیجا ہے۔"

اسمٰعیل نے سند کے ساتھ حسن بصری سے انہوں نے نبی ﷺ سے مرسلاً اَکْثِرُوْا عَلَیَّ الصَّلٰوۃَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ کو روایت کیا ہے۔

ابراہیم بن الحجاج نے ایوب سے روایت کی ہے، وہ کہتے تھے کہ مجھے بتایا گیا ہے (آگے اللہ جانے) کہ ایک فرشتہ سب پر مؤکل ہے جو شخص درود پڑھتا ہے اسے نبی ﷺ تک پہنچا دیتا ہے۔

❁ ابراہیم بن حمزہ نے سند کے ساتھ سہیل سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ پر سلام کرنے (مدینہ منورہ پر) گیا، حسن بن حسین ایک گھر میں جو (قبر منور) کے پاس تھا، رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے بلا کر کہا، آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا، کہ کچھ خواہش نہیں۔ پھر مجھ سے کہا تم کھڑے کیوں ہو؟ میں نے کہا نبی ﷺ پر سلام کرنے کے لیے۔ کہا، جب مسجد میں جاؤ گے سلام کر لینا۔ پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

---

[۱] جس حدیث کا راوی آخر سند سے ساقط ہو یعنی صحابی کا نام نہ ہو۔
[۲] وہ قول، فعل یا سکوت جس کی اضافت صحابی کی طرف ہو۔

«صَلُّوْا فِي بُيُوْتِكُم وَلاَ تَجْعَلُوْا بُيُوْتكُمْ مَقَابِرَ لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلاَتكُمْ تُبَلِّغُنِيْ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ»

"اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبریں نہ بنا رکھو۔ اللہ یہود پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء بنی اسرائیل کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ تم مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ جہاں کہیں تم ہو گے وہیں سے درود میرے پاس پہنچ جایا کرے گا۔"

- پھر سند کے ساتھ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الْبُخْلِ اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَهُ فَلاَ يُصَلِّىْ عَلَي النَّبِيِّ»

"آدمی کے بخیل ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے۔"

- پھر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں:

«كَفٰى بِهِ شُحًّا اَنْ يَّذْكُرَنِيْ قَوْمٌ فَلاَ يُصَلُّوْنَ عَلَيَّ ﷺ»

"بخیل ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ کوئی قوم میرا ذکر تو کرے لیکن وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔"

- پھر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوع روایت کیا ہے:

«اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ»

"جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو۔"

- پھر امام جعفر عن ابیہ کی روایت سے مرفوعاً مَنْ نَسِیَ الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ خَطِئَ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ بیان کی ہے۔
- پھر امام محمد بن علی سے مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ خَطِئَ طَرِیْقَ الْجَنَّۃِ موقوفاً روایت کی ہے۔

❀ پھر ان ہی سے حدیث مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔

❀ پھر دوسری سند کے ساتھ امام جعفر سے مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ الْحَدِيْث کو روایت کیا ہے۔

❀ اور محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی روایت سے عبید اللہ بن عمر کی یہ حدیث موقوفاً روایت کی ہے:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ أَوْ سَأَلَ اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا یا میرے لیے وسیلہ کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا قیامت کے دن اس کی شفاعت میرے لیے حلال ہو جائے گی۔"

❀ سلیمان بن حرب کی روایت سے یزید بن عبداللہ کا قول بیان کیا ہے کہ وہ لوگ یوں پڑھنا پسند کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ»

"یااللہ! اُمی نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما۔"

❀ عاصم بن علی المسعودی کی روایت سے عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اچھی طرح درود بھیجو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ شاید یہی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) پیش ہو گا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم کو سکھلا دیجیے کہا پڑھا کرو:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَقَامًا مَحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْأَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

"یا اللہ! اپنے بندے اور رسول، امام الخیر، قائد خیر، خاتم النبیین، امام المتقین، سید المرسلین پر اپنی رحمتیں، شفقتیں اور برکتیں نازل فرما اور انہیں قیامت کے دن مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ تمنا کرتے ہیں، یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے، یا اللہ! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی، یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

- یحییٰ حمانی کی روایت میں ہے کہ یونس نے عبداللہ بن عمرو یا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کیا کیفیت ہے۔ انہوں نے یوں بتلایا:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتِكَ وَبَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰي اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰي اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ»

"یا اللہ! قائد الخیر، امام الخیر اپنے رسول اور بندے، خاتم النبیین، امام المتقین، سید المرسلین پر اپنی رحمتیں، شفقتیں اور برکتیں نازل فرما اور انہیں قیامت کے دن مقام محمود عنایت فرما جس کی تمام لوگ خواہش کرتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔"

- محمود کی روایت سے ابراہیم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ سلام تو ہم جان چکے، مگر صلوٰۃ آپ پر کس طرح ہے فرمایا: کہو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَاَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

❁ سلیمان بن حرب کی روایت سے یوں بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵٦)

نازل ہوئی تو عرض کیا گیا کہ سلام تو ہم جان چکے درود کے لیے کس طرح ارشاد ہے۔ فرمایا پڑھا کرو:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

❁ سلیمان بن حرب کی سند سے سعید بن المسیب کا قول مروی ہوا ہے کہ جس دعا سے پہلے نبی ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے وہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ ترمذی نے اس کو بروایت سعید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں مرفوعاً بھی ہے۔ مگر موقوفاً صحیح تر ہے۔

❁ عبدالکریم بن عبدالرحمٰن نے سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر ایک دعا اور آسمان میں حجاب ہوتا ہے، جب تک نبی ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔ جب درود پڑھا گیا حجاب اٹھا اور دعا قبول ہوئی۔ جب درود نہ پڑھا تو دعا بھی قبول نہ ہوئی۔ اس کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے۔ گو سلام خزاز اور عبدالکریم نے اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے۔

قاضی اسمٰعیل نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابو حکیم معاذ قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

❁ معاذ بن اسد نے سند کے ساتھ نبیہ بن وہب سے روایت کیا ہے کہ ایک دن کعب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ نبی ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔ کعب نے کہا، ہر فجر کو ستر ہزار فرشتے اترتے اور قبر کو گھیر لیتے ہیں۔ اپنے پروں کو قبر منور کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور درود پڑھتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ستر ہزار فرشتے اور اتر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب زمین (قیامت کو) شق ہو گی۔ تو نبی ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے اندر برآمد ہوں گے اور وہ آپ

ﷺ کے گرد و پیش حاضر ہوں گے۔

❀ مسلم بن ابراہیم نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ ولید بن عقبہ ابن مسعود، ابوموسیٰ و حذیفہ رضی اللہ عنہم کے سامنے عید سے ایک یوم پہلے آیا۔ کہا، عید قریب ہے نماز کیسے پڑھی جائے گی۔ عبداللہ نے کہا، پہلے تکبیر کہو جس سے نماز شروع ہوتی ہے، (پھر اللہ کی حمد کر اور نبی ﷺ پر درود پڑھ پھر دعا) پھر تکبیر کہہ (پھر حمد و صلوٰۃ اور دعار پڑھ) اور تکبیر کہہ اور حمد و صلوٰۃ و دعار کے بعد قراءت پڑھ اور تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تین تکبیریں کہہ اور ہر ایک کے درمیان حمد و صلوٰۃ و دعار پڑھ، پھر رکوع کر۔ حذیفہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابو عبدالرحمٰن نے سچ کہا۔ [1]

❀ سلیمان بن حرب کی سند سے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں خیف میں تھا اور ہمارے ساتھ عبداللہ بن ابی عتبہ تھے۔ انہوں نے پھر حمد و ثنا کی، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھا، پھر دعائیں مانگیں پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

❀ یعقوب بن حمید کی سند سے ہے کہ قاسم بن محمد کہتے تھے یہ مستحب ہے کہ جب آدمی تلبیہ (لبیک پکارنے) سے فارغ ہو تو نبی ﷺ پر درود پڑھے۔

❀ یحییٰ بن عبدالحمید نے سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ جب تم مساجد میں جاؤ تو درود شریف پڑھا کرو۔

❀ سلیمان بن حرب نے اپنی سند سے علقمہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجد میں جانے کے وقت:

---

[1] عید کی نماز میں زائد تکبیریں ہوتی ہیں۔ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ایک تکبیر کہہ کر دوسری تکبیر کہنے میں امام ذرا وقفہ کرے اور اس میں چپکے چپکے حمد و صلوٰۃ و دعار پڑھ لے۔ دو تکبیروں کے درمیان وقفہ کرنا تو ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے، مگر وقفہ میں ذکر کرنے میں اختلاف ہے کوئی سکوت کو ترجیح دیتا ہے کوئی ذکر کو۔ دیکھو کتب فقہ۔ (محمد سلیمان عفی عنہ)

«صَلَّى اللهُ وَمَلَائِكَته عَلٰى مُحَمَّدٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ»
پڑھنا چاہیے۔

❁ عارم بن الفضل نے سند کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب تم مکہ مکرمہ میں پہنچو تو بیت اللہ کا طواف قدوم سات طواف کے ساتھ کرو، اور مقام ابراہیم میں دو رکعتیں پڑھو، پھر صفا کو جاؤ اس کے اوپر چڑھ کر جب کہ بیت اللہ نظر آتا ہو سات تکبیریں کہو، ہر ایک تکبیر کے درمیانی فاصلہ پر حمد و ثناء اور درود بر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے لیے دعا رمانگو، پھر مروہ پر جا کر بھی ایسا ہی کرو۔

❁ عبدالرحمٰن بن واقد نے سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عمرو سے روایت کی ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے دس برائیاں محو کرتا اور دس درجے بلند فرماتا ہے۔

❁ علی بن عبداللہ نے سفیان سے روایت کی ہے کہ یعقوب بن زید بن طلحہ تیمی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ رَّبِّيْ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يُّصَلِّيْ عَلَيْكَ صَلٰوةً إِلاَّ صَلَّي اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَجْعَلُ نِصْفَ دُعَائِيْ لَكَ قَالَ اِنْ شِئْتَ قَالَ اَجْعَلُ ثُلُثَيْ دُعَائِيْ لَكَ قَالَ اِنْ شِئْتَ قَالَ اَجْعَلُ دُعَائِيْ كُلَّهٗ لَكَ قَالَ إِذًا يَكْفِيْكَ اللهُ هَمَّ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ»

❁ عبدالرحمٰن بن واقد نے سند کے ساتھ یزید رقاشی سے روایت کی ہے کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن ترجمانی کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہنچا دیتا ہے، اور کہہ دیتا ہے کہ آپ کا فلاں امتی آپ پر درود پڑھتا ہے۔

❁ علی بن مدینی نے سند کے ساتھ طاؤس سے روایت کی ہے کہ میں نے ابن

عباس رضی اللہ عنہما کو یوں کہتے سنا ہے:

«اَللّٰهُمَّ تقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدِنِ الْكُبْرٰى وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ الْعُلْيَا وَاَعْطِهِ سُؤْلَهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى كَمَا اٰتَيْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ»

"الٰہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ کو قبول فرما، اور ان کے درجہء علیا کو برتر کر اور آخر و اوّل میں ان کے جو سوال ہیں ان کو عطا کر، جیسا ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کو تو نے عطا کیے ہیں۔"

✿ اسمٰعیل نے سند کے ساتھ ابو سعید سے روایت کی ہے کہ:

«مَا مِنْ قَوْمٍ يَقْعُدُوْنَ ثُمَّ يَقُوْمُوْنَ لَا يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَسْرَةً وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ يَرَوْنَ الثَّوَابَ»

"جو اشخاص کسی مجلس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے بغیر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نشست ان کے لیے قیامت کو حسرت ہو گی، اور جب جنت میں جائیں گے تو اس کا ثواب دیکھیں گے۔" (یہ الفاظ حفص کے ہیں۔)

باب سوم

# درود شریف کی لغوی تشریح اور اس کے فوائد

نبی اکرم ﷺ اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کے معنیٰ، آل کی تفسیر، وجہ تشبیہ۔ کہ نبی ﷺ کی صلوٰۃ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل سے کیوں مشابہ کیا، صلوٰۃ کو حمید و مجید پر ختم کرنے کی وجہ، نبی ﷺ پر سلام و رحمت و برکت کے معنیٰ، اسم مبارک ''محمد'' ﷺ کے معنی اور دیگر فوائد کا بیان۔ اس باب میں دس فصول ہیں:

فصل اوّل

## آغاز درود شریف میں جو اَللّٰھُمَّ ہے اس کا معنی

اَللّٰھُمَّ کے معنیٰ اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ اَللّٰھُمَّ کے معنی یااللہ ہیں۔ اسی لیے اس کا استعمال طلب کے مواقع پر ہوتا ہے۔ دیکھو: اَللّٰھُمَّ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ نہیں بولتے۔ بلکہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ کہتے ہیں۔

حرف ''م'' لیکن علمائے نحو کو میم کے بارے میں جو آخر لفظ میں ہے، اختلاف ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ یہ حرف ندا کے عوض میں بڑھا دیا گیا ہے۔ اسی لیے اس کے نزدیک حرف ندا اور میم کا جمع کرنا درست نہیں۔ یعنی یَا اللّٰھُمَّ نہیں کہہ سکتے (بجز شاذ کے) اس قسم کے حرف کو جب وہ غیر محل محذوف میں ہو، عوض کہتے ہیں اور

جب محل میں ہو تب بدل۔ جیسے قَامَ وَ بَاعَ میں الف' واوَ اور یا کا بدل ہے۔ سیبویہ کے نزدیک اس اسم کو موصوف کرنا اور اَللّٰھُمَّ الرَّحِیْم اَرْحَمْنِیْ کہنا جائز نہیں' اور نہ اس کا بدل جائز ہے۔ (ہ) پر جو ضمہ ہے یہ اسم منادی مفرد کی علامت ہے' اور میم پر فتح اس لیے دیا گیا کہ یہ میم اور اس کا ماقبل میم ساکن تھے (میم مشدد کو دو میم شمار کیا ہے)۔ یہ اس اسم (اللہ) کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ یہ اسم مخصوص ہے قسم میں حرف تا سے' اور الف لام تعریف کے ساتھ حرف ندا کے داخل ہونے سے' اور ندا میں ہمزہ وصل کے قطع ہونے سے۔ اور تفخیم لام بطور وجوب غیر مسبوق کے صرف اطباق کے ساتھ۔ یہ خلاصہ ہے' خلیل اور سیبویہ کے مذہب کا۔

بعض کہتے ہیں کہ میم ایک جملہ محذوفہ کے عوض ہے یعنی یَااللّٰہ اُمَّنَا بِخَیْرٍ کا مختصر ہے۔ جارو مجرور و مفعول کو محذوف کر دیا۔ اور "یا اللہ ام" رہ گیا۔ چونکہ دعا میں اس کا استعمال بکثرت ہوتا تھا اس لیے ہمزہ کو حذف کر دیا اور یَااَللّٰھُمَّ رہ گیا۔ یہ قول فراء کا ہے۔ اس قول کا قائل اَللّٰھُمَّ پر حرف یا کا داخل کرنا جائز سمجھتا ہے۔ ان کی حجت شاعر کا قول ہے۔ جس میں یَااَللّٰھُمَّ کا استعمال کیا ہے۔ بصریوں نے چند وجوہات کی بنا پر اس سے انکار کیا ہے:

① اس جملہ کے مقدر ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور قیاس بھی اس کا تقاضا نہیں کرتا' پھر بغیر دلیل کیوں کر مان سکتے ہیں۔
② عدم حذف اصل ہے اور ان محذوفات کثیرہ کا مقدر ماننا خلاف اصل ہے۔
③ دعا مانگنے والا کبھی اپنے لیے' کبھی غیر کے لیے دعائے بد بھی اَللّٰھُمَّ کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس وقت اس مقدر (اُمَّنَا بِخَیْرٍ) کا درست ہونا کب صحیح رہے گا۔
④ محاورہ جو فصیح و شائع ہے وہ بتلا رہا ہے کہ یَا اور اَللّٰھُمَّ کو جمع نہیں کرتے۔ اگر فراء کا قول درست ہوتا تو جمع کرنا ممتنع نہ ہوتا بلکہ استعمال فصیح و شائع ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔
⑤ دعا کرنے والا اَللّٰھُمَّ اُمَّنَا بِخَیْرٍ کہہ کر دعا مانگ سکتا ہے۔ اور کوئی ممتنع نہیں۔ اگر (م) جملہ مقدر کا ہوتا تب دونوں کا جمع کرنا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ عوض اور

معوض عنہ کا جمع کرنا جائز نہیں۔

⑥ دعاء کرنے والے کا اس جملہ کی جانب خیال بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اَللّٰھُمَّ کہتے ہی اس کی توجہ اپنے مطلوب کی طرف ہوتی ہے۔

⑦ اگر یہ مقدر صحیح ہے تب اَللّٰھُمَّ کو جملہ تامہ کہنا چاہیئے جس پر سکوت کرنا ٹھیک ہے۔ کیونکہ اسم منادی اور فعل طلب دونوں پر مشتمل ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کرنا باطل ہے۔

⑧ اگر جملہ کا مقدر ہونا صحیح ہے۔ تو ضروری ہے کہ فعل امر(م) کو جدا لکھا جاتا اور اسم منادی کے ساتھ وصل نہ کیا جاتا جیسے یَااَللّٰہ قہ' یا زَیْدمہ' یا عُمَرفہ! کیونکہ فعل کو اس کے ماقبل اسم سے وصل نہیں کیا جاتا۔ ایسا کہ رسم خط میں وہ ایک کلمہ بن جائے۔ اس کی مثال رسم خط میں کوئی نہیں اسم اللہ کے ساتھ (م) کو وصل کر کے لکھنے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ اتفاق ہی بتاتا ہے کہ (م) کوئی مستقل فعل نہیں۔

⑨ دعاء میں نہ تو اسے کہہ ہی سکتے ہیں اور نہ یہ کہنا ٹھیک ہی ہے کہ یَااللّٰہ امنی بکذا یعنی اے اللہ میری جانب فلاں کام میں توجہ فرما۔ کیونکہ یہ لفظی و معنوی طور پر مکروہ ہے۔ ایسا تو صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جسے غلطی و نسیان ہو سکے۔ لیکن جو پاک ذات ہر فعل کو ارادہ سے کرتی ہے اور جو بھول چوک سے مبرا ہے۔ اس کی جناب میں ایسا نہیں کہہ سکتے۔

⑩ ہم دیکھتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ کا استعمال ایسے مقامات پر بھی ہوتا ہے جس کے بعد دعاء نہیں ہوتی مثلاً اَللّٰھُمَّ لَکَ الحَمْدُ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ اَشْھَدُکَ۔ اَللّٰھُمَّ مَالِکَ' اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ سب ایسی مثالیں ہیں جہاں جملہ کا مقدر ہونا یا جملہ مقدر کا صحیح ہونا ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

بعض کا قول ہے کہ (م) تعظیم و تفخیم کے لیے زیادہ کر دیا گیا ہے جیسے زرقم میں جو گہرے نیلے کو کہتے ہیں اور زرقہ سے بنایا گیا ہے۔ یا ابنم میں جو ابن سے ہے۔ یہ قول صحیح اور ممکن ہے اور ایک تتمہ کا محتاج ہے' جس میں قائل کے صحیح معنی اور

پورے مدعا کو بیان کر دیا جائے۔ واضح ہو کہ (م) جمع پر دلالت اور تقاضا کرتا ہے اور اس کا مخرج بھی اس کا مقتضی ہے۔ یہ قول اس بنیاد پر ہے کہ لفظ اور معنی کے اندر باہمی مناسبت ہوتی ہے۔ اور عربیت کے اعلیٰ ارکان (فضلاء) کا یہی مذہب ہے۔

ابوالفتح بن جنی نے (م) کی خصوصیتوں میں سیبویہ کی روایت سے ایک جداگانہ باب قائم کیا ہے۔

**حروف الفاظ کو معنی سے مناسبت ہوتی ہے** پھر اس سے لفظ و معنی میں انواع تناسب کے ہونے کا استدلال کیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ ایک مدت مجھ پر ایسی گذری کہ کوئی لفظ میرے سامنے وارد ہوتا اور میں اس کا موضوع نہ جانتا ہوتا تو میں لفظ کی قوت اور حروف لفظ سے معنی کی مناسبت کا خیال کر کے اس کے معنی نکال لیتا۔ پھر جب تحقیق کرتا تو وہی معنی نکلتے جو میں نے سمجھے تھے یا اس کے قریب قریب۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن جنی کا قول شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) کو سنایا۔ فرمایا، مجھے بھی بارہا ایسا ہی اتفاق ہوا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک لمبی گفتگو جو بہت ہی نفع بخش ہے۔ لفظ و معنی کے اندر مناسبت اور حرکات کو معنی لفظ سے مناسبت کے بارے میں فرمائی۔ فرمایا:

**حرکات کو معنی سے مناسبت** اکثر قاعدہ تو یہ ہے کہ ضمہ (پیش) کو جو حرکات میں اقوی ہے۔ قوی تر معنی کے لیے لاتے ہیں۔ اور فتحہ (زبر) کو جو خفیف ہے معنی خفیف کے لیے اور کسرہ (زیر) کو معنی متوسط کے لیے عَزَّ یَعَزُّ، فتح عین کے ساتھ سخت کو کہتے ہیں ارض عزاز زمین سخت۔

عَزَّ یَعِزُّ کسر عین کے ساتھ ممتنع کو کہتے ہیں۔ ممتنع سخت سے بڑھ کر ہوتا ہے، کیونکہ بعض شے سخت تو ہوتی ہے۔ مگر سختی شکن کے سامنے سخت نہیں رہتی۔

عَزَّ یَعُزُّ بضم عین کے معنی غلبہ ہیں۔ غلبہ امتناع سے بھی قوی تر ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی شے فی نفسہٖ ممتنع بھی ہوتی ہے اور عدو سے محفوظ بھی اور سب پر غالب بھی۔ ان تینوں افعال پر نظر ڈالو کہ غالب ممتنع سے زیادہ قوی تھا، اس کو اقوی حرکات

(ضمہ) دیا گیا۔ سخت ممتنع سے کم تھا، اسے ضعیف ترین حرکت (فتحہ) ملا اور ممتنع جو دونوں کے درمیان تھا اسے حرکت وسطی (کسرہ) دی گئی۔

(۲) ذِبح بکسر اول: محل مذبوح کو کہتے ہیں اور ذَبح بفتح اول: نفس فعل کو۔

چونکہ جسم عرض سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس لیے قوی کو حرکت قوی دی گئی اور ضعیف کو حرکت ضعیف۔

نِہب بکسر اول: منہوب کو کہتے ہیں۔

نَہب بفتح اول: نفس فعل کو (نہب بمعنی غنیمت و غارت)

مِلاء بکسر اول: پری۔ یعنی چیز کو بھر دینے والی۔

مَلاء بفتح اول: مصدر کے لیے ہے جو فعل ہے۔

حِمل بکسر اول: وہ بوجھ جو اٹھانے کے لیے نہایت بھاری ہو۔ اور سر و پشت پر ثقیل۔

حَمل بفتح: وہ بوجھ جو خفیف ہو اور اٹھانے والے پر ہلکا۔ جیسے حمل حیوانات۔ درخت کا پھل چونکہ حمل حیوان سے مشابہ تر تھا اس لیے اسے بھی حمل بفتح ہی کہا گیا۔

حِب بکسر اول: نفس محبوب کو کہتے ہیں۔

حب بضم اول: مصدر کو۔ محبوب چونکہ بار خاطر نہیں ہوتا بلکہ سب کے نزدیک لطیف و شیریں ہوتا ہے اس لیے حب کو کسرہ دیا گیا اور محبت میں چونکہ گراں باری اور لزوم ضروری ہے (جیسا کہ قرض دار پر قرض کا اور اسی لیے شیفتگی اور محبت کو بھی غرام کہتے ہیں۔ اور قرض کو بھی۔ غریم مقروض کو بھی کہتے ہیں اور شیفتہ و محبت کو بھی) اور محبت کی گراں باری و شدت و صعوبت ضرب المثل ہے اور اس کو مخلوقات میں عظیم تر بتلایا جاتا ہے اور آہن و سنگ سے بھی زیادہ سخت فرض کیا جاتا ہے۔ متقدمین و متاخرین کے شعروں میں جابجا یہی معانی باندھے گئے ہیں کہ محبت کی برداشت کسی سے بھی ممکن نہیں، یہ وہ بلا ہے جس سے پہاڑ کانپ جائیں اور سمندر پایاب ہو جائیں۔

آسماں بار امانت نتو انست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند

اس لیے یہی موزوں تھا کہ مصدر کو حرکت اقویٰ (ضمہ) دی جاتی اور محبوب کو اس سے کم۔

قَبْض: قبض سکون ثانی کے ساتھ فعل کے لیے۔

قبض: بفتحین مقبوض کے لیے جس طرح حرکت سکون سے قوی ہے۔ اسی طرح مقبوض مصدر سے۔

سَبْق: بسکون ثانی فعل ہے (آگے بڑھنا)

سَبَق: بہ فتحین شرط کا وہ روپیہ جو گھوڑ دوڑ پر لگایا جائے۔

علیٰ ہٰذا خیال کرو۔ دَارَ دَوْرَانًا۔ فَارَت القِدر فَوْرَانًا۔ غِلْتُ غِلْیَانًا۔ پر کہ ان مصادر کی حرکات میں حرکت مسمی کی وجہ سے کس طرح متابعت رکھی گئی ہے۔

اب تم حجر اور ہوا کو دیکھو کہ ثقیل و شدید کے لیے حروف بھی شدید وضع کیے ہیں۔ اور خفیف الجسم کے لیے حروف بھی ہوائیہ ہیں جو جملہ حروف میں اخف ہوں۔

غرض یہی وجوہ بکثرت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عمر میں برکت دی تو میں اس بارے میں ایک مستقل کتاب لکھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسے معانی و مطالب تب سوجھتے ہیں جب ذہن لطیف اور طبیعت صاف ہو' موٹے دماغ کے آدمی یا صرف و نحو کے ابتدائی مسائل کو بلا تامل و تدبیر سیکھ لینے والے کا یہ حصہ نہیں۔ بے شک واضع لغت کی حکمت کو سمجھنا اور لغات باہرہ کے اسرار کا جو اکثر عقول سے مخفی ہیں' مطالعہ کرنا ایسا امر ہے جو فاضل شخص کو دوسروں سے ممتاز بناتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُوْرٍ۔

ہاں ذرا تامل کرو کہ غلیظ جافی کا نام عُتُلٌّ' جعظری اور جواحظ رکھا گیا ہے پھر دیکھو کہ طویل کو عشنق اور کوتاہ کو بُحْتُر کہا گیا ہے۔ عَشَنَق میں پیاپے تین فتحہ ہیں اور بُحْتُرْ میں دو ضمہ اور درمیان میں سکون پہلا لفظ تو انفتاح و کشائش دہان اور امتداد آلات نطق اور ایک دوسرے سے عدم رکوب ظاہر کرتا ہے اور دوسرا لفظ بالکل اس

کی ضد ہے۔

پھر دیکھو کہ پہلے تو طویل و کبیر بولتے ہیں اور جب ان میں اضافہ منظور ہو تو (ی) کی جگہ حرف الف کو جس میں طول اور مدبہ نسبت (ی) کے زیادہ لے آتے ہیں اور طوال و کبار بنا دیتے ہیں۔ پھر اگر وہ اور بھی زیادہ نیز نفوس پر بھاری بھی ہو' تب اسم کو بھی ثقیل کر دیتے ہیں۔ یعنی کبار بنا دیتے ہیں۔ یہ ایسا میدان فراخ ہے کہ اگر اشہب خامہ کو اسی کا جولان گاہ بنایا جائے پھر بھی طے کرنا دشوار ہے اس لیے ہم بر سر مطلب آتے ہیں۔

واضح ہو کہ (م) حرف شفتی ہے۔ بولنے والے کے ہونٹ اس کے تلفظ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے عرب نے اس کو علامت جمع بنایا دیکھو:

اَنْتَ ' اَنْتُمْ ' هُوَ' هُمْ' ضَرَبْتَ' ضَرَبْتُمْ' اِيَّاكَ' اِيَّاكُمْ' اِيَّاهُ' اِيَّاهُمْ' بِهٖ' بِهِمْ۔ وغیرہ وغیرہ۔

اَزْرَقُ: نیلی چیز۔ زُرْقُمْ: جب نیلاہٹ گہری ہو جائے۔ اِسْت: سرین' سُتْهُمْ: کلاں سرین والا۔

اب ان الفاظ پر جن میں (م) ہے' غور کرو کہ معنی جمع کس طرح اس سے وابستگی رکھتے ہیں۔ لَمَّ الشَّئَی يَلُمُّهُ: بولتے ہیں جب کسی چیز کو فراہم و جمع کیا جائے۔
لَمَّ اللّٰهُ شَعْثَهُ: بولتے ہیں اور مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے متفرق امور کو جمع کر دے۔

دَارلمومة: وہ مکان ہے جہاں سب لوگ جمع ہو سکیں۔
اكلا لَمًّا: قرآن مجید میں ہے۔ اس کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ اپنا حصہ بھی کھا جائے اور دوستوں کا بھی۔

اصل ان سب کی لَمٌّ ہے اور یہ جمع ہے۔ اسی سے اَلَمَّ بِالشَّئِی ہے' یعنی کسی چیز کا وصول اور اجتماع اس کے قریب تک پہنچنا (جیسے لڑکے کا بلوغ تک اور انگور کا پختگی تک) اسی سے لمم ہے جس کے معنی اجتماع کبائر سے نزدیک ہو جانا ہے۔ اسی سے ملمہ بنا ہے۔ جس کے معنی مصیبت و سختی ہیں۔ اور اسی سے لِمَّہ ہے۔ جس کے معنی

سر کے گھنے اور بکھرے بال ہیں جو کان کی پیٹری سے نیچے ہوں۔ اسی طرح اور الفاظ میں (م) کو دیکھو۔ مثلاً:

اَلْبَدْر التِمّ: جب چاند پورا اور اس کا نور جمع ہو۔

التَّوْأَم: ایک شکم میں جمع شدہ بچے۔

أُمٌّ اور ام الشی ہر چیز کی اصل۔ تا جس سے شاخیں نکلیں۔ گویا وہ فروع کا جامع ہے۔

أُمُّ الْقریٰ: مکہ معظمہ۔

أُمُّ الْقُرْآن: الحمد شریف۔

أُمُّ الْکِتَاب: لوح محفوظ۔

أُمُّ مَثْوَاک: گھر والی۔ جس کے پاس جا کر انسان آرام لے۔ اور جس کے ساتھ اکٹھا ہو کر بیٹھے۔

أُمُّ الْدِمَاغ: وہ جلد جو دماغ کو گھیرے رکھتی ہے۔ أُمَّ الرَّاس: ایضاً۔

أُمَّ الْکِتَاب: آیات محکمات۔

أُمَّ: وہ جماعت جو زمانہ یا خلقت میں متساوی ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا طَٰٓئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم﴾

(الأنعام٦/ ٣٨)

"کوئی چوپایہ یا بازوؤں سے اڑنے والا پرندہ نہیں، مگر وہ بھی تمہارے جیسی جماعتیں ہیں۔"

حدیث میں ہے:

«لَوْلاَ اَنَّ الْكِلاَبَ اُمَّةٌ مِّنَ الاُمَمِ لاَمَرْتُ بِقَتْلِهَا»

"اگر کتے بھی ایک جنس مخلوق دیگر اجناس جیسے نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کا حکم دے دیتا۔"

اِمَام: جس کے اتباع پر مقتدی جمع ہوتے ہیں۔

زَمَّ الشَّئی زمه: تب بولتے ہیں۔ جب کسی چیز کی اصلاح کر کے اس کی تفرق کو جمع کر دیا جائے۔

رُمَّان: انار۔ کیونکہ اس میں بہت سے دانہ جمع اور آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

ضَمَّ الشَّئَ یَضُمُّہٗ: یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ فراہم کرنا۔

هَمَّ اور هُمُوْمٌ انسان کے وہ تفکرات یا قصد و ارادہ جو دل میں مجتمع ہوں۔

اَحَمَّ: سیاہ سانپ۔

حُمَمَةٌ: کوئلہ۔

حَمَّمَ رَأسَهٗ: جب سر منڈانے کے بعد کھوپڑی بالوں سے سیاہ ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ سیاہ رنگ بینائی کو جمع رکھتا ہے اور متفرق ہونے نہیں دیتا۔

غرض یہ بات بہت طویل ہے اور اسے مذکورہ بالا بیان پر ہی ہم مختصر کرتے ہیں۔

جب (م) کی شان یہ ہے تو اسے نام پاک (اللہ) کے ساتھ جس کے وسیلہ سے ہر ایک حاجت کا سوال مالک الملک سے کیا جاتا ہے شامل کر دیا گیا تاکہ یہ (م) تمام اسماء و صفات کی جامعیت پر اشارہ کرتا رہے۔ گویا جب قائل وسائل نے اَللّٰھُمَّ کہہ دیا تو اس نے یہ کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کو جو اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کا مالک ہے' اس کی تمام اسماء و صفات کے ساتھ پکارتا ہوں۔ یہی مطلب حدیث سے نکلتا ہے کہ:

## دعائے دافع رنج والم

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ أَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ»

"یااللہ! میں تیرا بندہ' تیرے بندے اور تیری لونڈی کا جنا ہوا ہوں' میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے' تیرے حکم چلتے ہیں اور تو عدل کیا کرتا ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر ایک نام کے طفیل جو تیرا ہے' جس سے تو نے اپنی ذات کو

موسوم کیا ہے یا کسی کتاب میں اتارا ہے یا کسی بندہ کو سکھلایا ہے یا اپنے علم غیب میں تو نے اسے چھپایا ہے سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے لیے نوبہار دل اور نور سینہ اور غم و رنج فکر واندوہ کا زائل کر دینے والا بنا دے۔"

کے پڑھنے سے کسی بندہ کو ہرگز کوئی رنج و غم نہیں جو پہنچا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر قسم کی پریشانی دور کر دیتا ہے اور اس کے عوض میں اسے خوشی اور سکون عطا کر دیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! کیا ہم اس دعاء کو نہ سیکھ لیں۔ فرمایا: لازم ہے کہ جو اسے سنے وہ سیکھ لے۔" غرض یہ کہ دعاء مانگنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے سب اسماء و صفات کے ساتھ سوال کرے۔

## دعائے اسم اعظم

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالاَرْضِ یَاذَا الْجلاَلِ وَالاِكْرَامِ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ»

"یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ حمد تیرے لیے ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' نہایت شفقت فرمانے والا' نہایت احسان کرنے والا' آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا۔ اے جلال عزت کے مالک! اے زندہ رہنے والے' قائم رکھنے والے!"

دیکھو یہ کلمات کیسے اسماء حسنیٰ پر مشتمل ہیں۔

**اقسام دعاء:** واضح ہو کہ دعاء کی تین اقسام ہیں:

① اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء و صفات کے ساتھ سوال کیا جائے۔ چنانچہ آیت: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے۔

② اللہ تعالیٰ کے سامنے صرف اپنی حاجت و فقر بیان کر کے سوال کیا جائے اور یوں کہے کہ میں تیرا بندہ' فقیر' مسکین' عاجز و ذلیل' حقیر و بیچارہ ہوں۔

③ صرف جماعت کا بیان کرے اور پہلی دونوں صورتیں اس میں نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت دوسری سے اور دوسری صورت تیسری سے اکمل ہے اور جس دعا میں یہ تینوں امور جمع ہو جائیں گے تو وہ کامل تر ہو گی۔ نبی ﷺ کی تمام دعاؤں کا یہی حال ہے۔ مثلاً اسی دعا کو لو جو آنحضرت ﷺ نے صدیق امت رضی اللہ عنہ کو سکھلائی۔ کہ اس میں ہرسہ امور ہیں' ظَلَمْتُ نَفْسِی ظُلْمًا کَثِیْرًا کہا' یہ سائل کی حالت کا بیان ہے۔ ﴿ وَ اِنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ ﴾ کہا' یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پھر فَاغْفِرْلِیْ کہا یہ سوال حاجت ہے۔ پھر دعا کو اسماء حسنیٰ میں سے دو اسماء غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ پر جو مطلوب سے تناسب رکھتے تھے اور مقصد کا تقاضا کرتے ہیں' ختم فرمایا۔

سلف میں سے بھی ایک سے زیادہ کا یہی مذہب ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اَللّٰھُمَّ تو تمام دعا کا جامع ہے۔ ابو رجاء عطاردی کا قول ہے کہ جس نے اَللّٰھُمَّ کہہ دیا اس نے اللہ تعالیٰ کو تمام اسماء کے ساتھ پکار لیا۔

ایک گروہ نے اس قول میں یہ توجیہہ نکالی ہے اَللّٰھُمَّ کا (م) اس جگہ بجائے (و) ہے' جو جمع پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ (و) جمع کے مخرج سے ہے۔ گویا دعا مانگنے والا یہ کہا کرتا ہے کہ یا اللہ تیرے لیے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا مجتمع ہیں۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ وہ علامت جمع (و۔ ن جیسے مسلمون وغیرہ میں ہے) کا عوض ہے۔

لیکن جس طریق پر ہم گذشتہ فصل میں ذکر کر چکے ہیں کہ خود (م) ہی جمع پر دلالت کرتا ہے پھر اس توجیہہ کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہتی۔

**یَا اَللّٰھُمَّ کہنا صحیح نہیں:** باقی رہا یہ سوال کہ مذہب صحیح کے موافق (یا) اور (م) کا اَللّٰھُمَّ میں جمع کرنا کیوں جائز نہیں؟ جواب یہ ہے کہ قیاس اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ اس اسم پر حرف ندا داخل نہ ہو' کیونکہ الف و لام اس جگہ موجود ہے' اور چونکہ دعا میں اس اسم کے استعمال کی کثرت ہے۔ اور مستغیثین اپنے استغاثہ میں اس کے لیے مضطر ہوتے ہیں' ایسی حالت میں دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں۔

① یا تو الف و لام کو حذف کر دیتے۔ لیکن یہ ٹھیک نہ تھا کیونکہ دونوں [1] میں

لزوم ہو گیا ہے۔

﴿۲﴾ یا اس پر حرف یا بڑھا دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ٹھیک نہ تھا، کیونکہ اسم میں جو الف و لام سے محلی ہو۔ مثلاً الرَّجُل۔ الرُّسُل۔ النَّبِیُّ کی ندا میں تو حرف یا کو پہلے بڑھا دیا جاتا ہے لیکن اعلام میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے فضلاء نے اس اسم میں ضرورۃً قیاس کا خلاف کیا اور میم مشدد کو ہی جو علامت جمع کے عوض آخر میں بڑھا دیا گیا تھا، حرف ندا کا عوض بھی قرار دیا اور حرف نداء (و)، (م) میں جمع کرنا مناسب نہ سمجھا۔

## دوسری فصل

# "صلوٰۃ" کے معنی

لغت کے اعتبار سے اس لفظ کی اصلیت دو معنی ظاہر کرتی ہے۔

① دعا، و تبریک۔

② عبادت۔

پہلے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ﴾ (التوبة۹/ ۱۰۳)

"ان کو دعا، دیجیے کیونکہ آپ کی دعا، ان کے لیے موجب تسکین ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا ﴾ (التوبة۹/ ۸۴)

"ان میں جب کوئی مرجائے تو ہرگز ان کے حق میں دعا، نہ کیجیے۔"

---

﴿۱﴾ فضلاء نے لفظ اللہ کی اصل "ال لاہ" بتائی ہے، جس "ال" کے لزوم کا ذکر ہے، اس سے "ال لاہ" کا الف لام مراد ہے کیونکہ اب دونوں مرکب ہو کر اللہ ایک ایسا لفظ بن گیا، گویا مفرد ہے مرکب نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

«إِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ إِلَی الطَّعَامِ فَلْیُجِبْ فَإِنْ کَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ»

"جب تم میں سے کوئی کسی کھانے کے لیے طلب کیا جائے تو چاہیئے کہ مان لے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کرے۔"

جیسے ہندوستان میں کہہ دیا کرتے ہیں اللہ زیادہ دے۔ مصنف کہتے ہیں کہ فَلْیُصَلِّ کی ایک شرح یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ کھاتے رہیں اور یہ درود پڑھتا رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ "صلوٰۃ" کے معنی لغت میں صرف دعا ہیں۔ اور دعا کی دو اقسام ہیں:

① دعائے عبادت

② دعائے مسالت

یعنی جیسے عابد کو داعی کہتے ہیں۔ ایسے ہی سائل کو بھی۔ چنانچہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کی تفسیر دونوں طرح کی گئی ہے۔ یعنی اطاعت و عبادت کرو، میں تم کو ثواب دوں گا۔ یا یہ کہ سوال کرو اسے منظور کروں گا۔ اسی طرح أُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کی تفسیر بھی ان ہی دونوں معنی سے کی گئی ہے، مگر صورت یہ ہے کہ دعا ہر دو نوع پر عام ہے اور یہ لفظ متواطی ہے جس میں کچھ اشتراک نہیں۔

عبادت کے معنی میں لفظ دعا کا استعمال آیات ذیل میں ہوا ہے:

﴿ قُلِ ٱدْعُوا۟ ٱلَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِى ٱلْأَرْضِ ﴾ (سبأ ٣٤/ ٢٢)

"کہہ دیجئے بلاؤ ان کو جنہیں تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو وہ تو آسمانوں اور زمین پر ایک ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے"۔

﴿ وَٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ ﴾

(النحل ١٦/ ٢٠)

"جو لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اوروں کی، انہوں نے کچھ پیدا نہیں

کیا بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں۔"

﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۷۷)

اس آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اگر تمہاری عبادت خاص اس کے لیے نہیں تو اللہ کو تمہاری کیا پروا ہے۔ اس معنی میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔

﴿ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ﴾ (الأعراف۷/ ۵۵)

"اپنے پروردگار کی عبادت گریہ و زاری اور پوشیدگی سے کرو۔"

﴿ وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ﴾ (الأعراف۷/ ٥٦)

"اللہ کی عبادت خوف اور طمع کے ساتھ کرو۔"

﴿ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ﴾ (الأنبياء۲۱/ ۹۰)

"عبادت ہماری رغبت اور خوف سے کرتے ہیں۔"

یہ طریق (کہ صلوٰۃ کے لغوی معنی صرف دعاء ہیں اور دعاء کی اقسام دو ہیں)۔ پہلے طریق سے اچھا ہے جس میں دعاء کے مسمی کے خلاف کا دعویٰ ہے۔ اور اسی سے وہ تمام مشکلات جو صلوٰۃ شرعیہ کے اسم پر وارد ہوتی ہیں (یعنی حقیقت لغوی سے منتقل کر کے پھر اسے حقیقت شرعی قرار دیا جائے) زائل ہو جاتی ہے اور اس طریق میں لفظ صلوٰۃ لغوی معنی (دعاء) پر باقی رہتا ہے۔ (دعاء کا معنی عبادت اور سوال ہونا اوپر ثابت ہو گیا) پس یہ معنی صلوٰۃ کے حقیقت ہوئے نہ مجاز' ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک مخصوص عبادت کے ساتھ اسم صلوٰۃ کو خاص کر دیا گیا ہے' جیسا کہ دیگر تمام الفاظ کو اہل لغت و عرف اس کے بعض مسمی کے ساتھ خاص کر دیا کرتے ہیں۔ جس کی مثال الفاظ دَابَۃٌ' رَأسٌ وغیرہ سے مل سکتی ہے۔ تو گویا یہ بھی تخصیص لفظی ہی ہے اور لفظ کو ایک نہ ایک موضوع پر مقرر کر دینا۔ جس سے ثابت ہوا کہ موضوع اصل سے نقل و خروج نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

**صلوٰۃ اللہ کی قسمیں:** صلوٰۃ کے جو معنی بیان ہوئے یہ تو آدمی کی طرف سے صلوٰۃ کے ہیں۔ رہی حق سبحانہ کی صلوٰۃ بندوں پر' اس کی دو قسمیں ہیں۔ عامہ اور خاصہ۔

① عام تو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ مومنوں پر ہے۔ فرمایا:

﴿ هُوَ ٱلَّذِي يُصَلِّي عَلَيۡكُمۡ وَمَلَٰٓئِكَتُهُۥ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ٤٣)

"اللہ اور اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔"

حدیث میں بھی یہی مراد ہے۔

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ أَبِيْ اَوْفٰى»

"الٰہی! آل ابی اوفیٰ پر صلوٰۃ بھیج۔"

ایک عورت کی درخواست پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«صَلَّي اللهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى زَوْجِكِ»

"اللہ تجھ پر اور تیرے شوہر پر صلوٰۃ بھیجے۔"

② خاصہ وہ ہے جو انبیاء و رسل پر ہے' بالخصوص وہ جو خاتم النبیین و خیر المرسلین محمد ﷺ پر ہے۔

صلوٰۃ کے معنی: اصل صلوٰۃ کے معنی میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس بارے میں چند اقوال ہیں۔

اوّل: صلوٰۃ کے معنی رحمت ہیں۔ اسمٰعیل نے سند کے ساتھ ضحاک سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعاء۔

مبرد کا قول ہے کہ صلوٰۃ کی اصل رحمت ہے۔ وہ اللہ کی جانب سے رحمت ہے اور ملائکہ کی جانب سے رحمت اور بندوں کی جانب سے استدعائے رحمت۔ یہی قول اکثر متاخرین کے نزدیک معروف ہے۔

دوم: صلوٰۃ کے معنی مغفرت ہیں۔ اسمٰعیل نے ضحاک سے هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ مغفرت اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعاء ہے۔ یہ قول بھی پہلے قول سا ہے مگر یہ دونوں کئی وجوہ سے ضعیف ہیں۔

صلوٰۃ اور رحمت میں فرق: ① اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر صلوٰۃ اور رحمت میں فرق خود بتلایا ہے۔ فرمایا:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٞۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ

اَلْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۵۷)

"یہ وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اور یہی راہ پانے والے ہیں۔"

یہاں رحمت کو صلوٰۃ پر عطف کیا ہے' یہ دونوں کا غیر ہونا بتلاتا ہے' کیونکہ عطف کی اصلیت بھی یہی ہے۔ بعض لوگ جو عطف میں تغائر نہ ہونے کے ثبوت میں وَاَلْفَی قَوْلَھَا کَذِبًا وَ مَیْنًا پیش کیا کرتے ہیں۔ اول تو یہ شاذ و نادر ہے جس پر افصح الکلام کو حمل نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ مَیْنٌ کَذِبٌ سے خاص تر ہے۔

۲ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلوٰۃ انبیاء و رسل نیز مومن بندوں کے لیے مخصوص ہے۔ رہی رحمت وہ ہر چیز سے وسیع تر ہے' اس لیے صلوٰۃ رحمت کی مترادف نہیں ہو سکتی اگرچہ رحمت صلوٰۃ کے لوازم اور موجبات اور ثمرات میں سے ہے۔

جو شخص صلوٰۃ کی تفسیر رحمت کے ساتھ کرتا ہے گویا وہ اس کے بعض ثمرہ اور بعض مقصود سے تفسیر کرتا ہے۔ اور یہ حال قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی تفسیر میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک لفظ کی تفسیر اس کے لازم یا جزو سے کی جاتی ہے۔ جیسے رَیْبٌ کی تفسیر شک کے ساتھ (حالانکہ شک ریب کا ایک جزو ہے) اور رحمت کی تفسیر ارادۂ احسان کے ساتھ (حالانکہ ایسا ارادہ لازمۂ رحمت ہے) غرض اس کی مثالیں بہت ہیں جن کا ذکر اصول تفسیر میں کیا گیا ہے۔

۳ مؤمنین پر رحمت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں' مگر سلف و خلف کا اختلاف ہے کہ غیر انبیاء کے لیے صلوٰۃ بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں جو تین اقوال ہیں وہ تو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں ذکر کریں گے' مگر پہلے لفظ پر اتفاق اور دوسرے پر اختلاف نے ظاہر کر دیا کہ یہ دونوں لفظ مترادف نہیں۔

۴ اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت ہیں تو رحمت کو امتثال امر میں صلوٰۃ کا قائم مقام ہونا چاہیئے۔ اور جس کے مذہب میں صلوٰۃ واجب ہے۔ اس کے نزدیک اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَ آلَ مُحَمَّدٍ کہنے سے وجوب ساقط ہو جانا چاہیئے۔ حالانکہ

صورت یہ نہیں۔

⑤ جو شخص غیر کے لیے رحمت کرتا' اس کے لیے دل پگھلاتا' کھلاتا پلاتا' پہناتا ہے' تو اس موقعہ پر کوئی نہیں بولتا کہ اس نے اس پر صلوٰۃ کی بلکہ کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس پر رحمت کی۔

⑥ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے دشمن پر بھی رحم آجاتا ہے اور اس کا دل نرم ہو جاتا ہے' مگر یہ نہیں کہ وہ اس پر صلوٰۃ بھیجنے لگے۔

⑦ صلوٰۃ میں کچھ کلام ہونا ضروری ہے کیونکہ صلوٰۃ درود پڑھنے والے کی جانب سے ثناء و صفت ہے' اس شخص کی جس پر درود پڑھتا ہے۔ وہ گویا اس کی شان بلند دکھلاتا ہے' توصیف کرتا اور محاسن ظاہر کرتا ہے۔

صحیح بخاری میں معنی صلوٰۃ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ رسول پر اللہ کی صلوٰۃ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کرنا ہے' ملائکہ کے پاس۔ اسمٰعیل نے اپنی سند کے ساتھ ابو العالیہ سے اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ آپ پر ثناء کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنی صلوٰۃ اور ملائکہ کی صلوٰۃ میں تفریق فرمائی اور پھر اسے ایک فعل کے ساتھ جمع کر دیا۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ پس جائز نہیں کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت ہوں' بیشک صلوٰۃ تو ثناء ہے' اللہ کی جانب سے بھی اور ملائکہ کی جانب سے بھی۔

لفظ مشترک المعنی: واضح ہو کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ”صلوٰۃ لفظ مشترک المعنی ہے اور جائز ہے کہ وہ دو معانی کے لیے ایک ہی دفعہ استعمال کیا جائے۔“ کیونکہ اس قول میں چند محاذیر یا نقص ہیں۔

(الف) اشتراک خلاف اصل ہے اور ایسے لفظ کا ایک واضع سے واقع ہونا غیر معلوم ہے۔ چنانچہ ائمہ لغت مبرد وغیرہ نے اس پر نص کر دیا ہے' جو اشتراک بھی پایا

جاتا ہے، وہ عارضی و اتفاقی ہے جس کی ابتدائی وجہ واضعین کا تعدد ہے، پھر جب لغت آپس میں مل جل گئے تب لفظ میں اشتراک المعانی معلوم ہونے لگا۔

(ب) اکثر علماء لفظ مشترک دو معانی میں استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے نہ بطریق حقیقت اور نہ بطریق مجاز۔ جن لوگوں نے امام شافعی سے اس کے جواز کی روایت کی ہے وہ صحیح نہیں بلکہ یہ مسئلہ ان کے اس قول:

«إِذَا اَوْصٰی لِمَوَالِیْهِ وَلَهُ مَوَالٍ مِّنْ فَوْقٍ وَمِنْ اَسْفَلَ تَنَاوَلَ جَمِیْعَهُمْ»

''جب کوئی اپنے موالی کے لیے وصیت کر جائے اور اس کے موالی اوپر کے رشتہ والے بھی ہوں اور نیچے کے بھی تو وہ وصیت سب پر حاوی ہو گی۔''

سے نکالا گیا ہے۔ یعنی سمجھنے والے نے یہ سمجھ لیا کہ لفظ مولی دونوں معانی کے لیے مشترک ہے اور تجرد کے وقت بھی ان دونوں پر اسے حمل کر سکتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ لفظ مولی الفاظ متواطیہ میں سے ہے اور امام شافعی نیز ظاہر مذہب میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی قائل تھے کہ مولی کی ایک نوع اس لفظ میں داخل ہے، یہ ان کے نزدیک عام متواطی ہے مشترک نہیں۔ رہی تفسیر لَا مَسْتُمُ النِّسَاءَ کی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ ملامست سے مجامعت مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملامست کے حقیقی معنی تو ہاتھ سے چھونا ہے اور مجازاً جماع۔ تو یہ روایت ان سے صحیح نہیں۔ ان کا کلام ہی اس انداز کا نہیں ہوتا، یہ تو متاخرین میں سے کسی فقیہہ کا قول ہے۔ اور ہم نے ایک علیحدہ رسالہ میں لفظ مشترک کے استعمال کے ابطال میں تیرہ چودہ کے قریب دلائل بیان کیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب صلوٰۃ کے معنی رسول کی ثناء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف و فضل و حرمت کا اظہار اور آپ پر بذل عنایت و التفات کے ہیں تو آیت میں لفظ صلوٰۃ مشترک اور دو معانی پر محمول نہ ہوا بلکہ ایک معنی میں مستعمل ٹھہرا، جو الفاظ کی اصل ہے۔ ہم اس مسئلہ کی پوری توضیح اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ کی تفسیر میں کریں گے۔

⑨ اللہ سبحانہ نے آپ پر صلوٰۃ کا حکم تب دیا ہے جب پہلے یہ بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ اور معنی آیت یہ ہیں کہ جب اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو مومن بھی درود پڑھیں، بلکہ تم کو درود پڑھنا، سلام و تسلیم بھیجنا، زیادہ تر شایان ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات رسالت اور فیضان نبوت سے تم کو کیا کچھ شرف دنیوی اور خیر اخروی حاصل ہو چکے ہیں۔

دیکھو اگر آیت بالا میں صلوٰۃ کے معنی رحمت لیں تو چسپاں ہی نہیں ہوتے ہیں اور نظم کلام بھی درست نہیں رہتا اور لفظ و معنی میں تناقض بھی ہو جاتا ہے اور آیت کی تقدیر یوں ماننی پڑتی ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰئِكَتَهٗ تَرَحَّمُ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِنَبِيِّهٖ فَادْعُوْا اَنْتُمْ لَهٗ وَسَلِّمُوْا۔ لیکن آیت کی یہ مراد ہرگز نہیں بلکہ ہم کو بھی اس سے صلوٰۃ کے طلب کرنے کا حکم ہوا ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے ملائکہ کی جانب سے دی ہے۔ یعنی آپ کی ثناء اور اظہار فضل و شرف اور ارادۂ تکریم و تقریب ہے اور یہی خیر و طلب کے ضمن میں آتی ہے۔

رہی یہ بات کہ ہماری جانب سے اس سوال و دعاء کئے جانے کا نام بھی صلوٰۃ رکھا گیا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔

(الف) صلوٰۃ، درود خواں کی جانب سے تعریف و ثنا پر مشتمل ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شرف و فضل اور ارادۂ محبت کا اس میں اشارہ ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں ہے) پس اس سے خیر و طلب مشتمل ہے۔

(ب) صلوٰۃ اس لیے نام ہوا کہ بندے سوال کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ تو آپ کے رفع ذکر کا ارادہ و تقریب ہے۔ اور ہماری صلوٰۃ جیسا کہ ہم ارادہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ ایسا ہی فرمائیے۔

صلوٰۃ کی ضد اعداء اللہ اور دشمنان رسول کے لیے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلۡعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۱۵۹)

"یہ وہ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور وہ سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سے بھی مضاف کیا اور بندوں سے بھی، لعنت الٰہی تو بیزاری و دوری اور بغض پر مشتمل ہے اور بندوں کی لعنت اس سوال کے ضمن میں ہے کہ جو اہل لعنت ہیں، ان پر لعنت فرمائے۔ جب یہ معنی ثابت ہو گئے تو ایسی حالت میں اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت ہوتے تب طالب رحمت کو مصلی کہنا ٹھیک نہ ہوتا بلکہ مُسْتَرْحِمْ کہا جاتا۔ جیسا کہ طالب مغفرت کو مُسْتَغْفِرْ اور طالب عطف کو مُسْتَعْطِفٌ کہا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کسی شخص کے لیے مغفرت مانگے تو اس وجہ سے اس کو غَافِر نہیں کہا جاتا لیکن یہاں تو بندہ کو مصلی کہا جاتا ہے۔ اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوتے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صلوٰۃ پڑھنے والا اس کے لیے رَاحِم ہوتا ہے۔ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس پر رحم کیا۔ (اسی طرح کہنا جائز ہوتا) کہ جو کوئی نبی اکرم ﷺ پر ایک بار رحم کرے۔ اللہ اس پر دس بار رحم فرمائے گا۔ بیشک اس کا باطل ہونا معلوم ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نبی ﷺ پر بندہ کی صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ طلب رحمت ہیں تو یہ بھی بوجوہ باطل ہے۔

(الف) طلب رحمت تو ہر مسلمان کے لیے مشروع ہے اور طلب صلوٰۃ انبیاء و رسل کے لیے مخصوص، جیسا کہ مذہب جمہور آگے بیان کیا جائے گا۔

(ب) اگر طالب رحمت کا نام مصلیٰ ہو سکتا ہے تو طالب مغفرت کا نام غافر بھی ہونا چاہیئے اور طالب عفو کا نام عافی اور طالب صفح کا نام صافح بھی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اچھا تم بھی تو اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ (ثناء) کے طالب کو مصلی کہتے ہو، پھر اگر ہم نے اللہ سے طالب صلوٰۃ (رحمت) کو مصلی کہہ دیا تو کیا ہو گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو حقیقت صلوٰۃ کا وجود حاصل ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ کی حقیقت ثناء اور اکرام و تقریب و اعلیٰ منزلت کا ارادہ ہے۔ اور یہ بندہ کی صلوٰۃ (ثناء) میں بھی حاصل ہے۔ ہاں درود شریف میں بندہ ان امور کا اللہ تعالیٰ سے خواہاں ہے اور اللہ

تعالیٰ اپنی ذات پاک سے اپنے رسول کے ساتھ ایسا کرنا چاہتا ہے۔ رہا دوسرا پہلو کہ مصلی کو اللہ تعالیٰ سے طلب صلوٰۃ کی وجہ سے مصلی کہتے ہیں۔ وہ بھی یوں ہے کہ صلوٰۃ ایک نوع کلام طلبی و خبری و ارادہ سے ہے اور یہ امور مصلی سے بھی پائے گئے بخلاف رحمت و مغفرت کے، کیونکہ یہ ایسے افعال ہیں۔ جو طالب سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ مطلوب منہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے: ⑩ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ:

"جو شخص ایک دفعہ نبی ﷺ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ بھیجے گا۔"

یہ شریعت کے قاعدہ مستقرہ کے موافق ہے کہ عمل کی جزا اسی جنس سے ہوتی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ پڑھنے والے کی جزا بھی اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کو ہی بنایا۔ اور یہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ پر صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ ثناء ہیں اور التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کا ذکر بلند اور تعظیم زیادہ فرمائے۔ جزاء کے جنس عمل سے ہونے کا قاعدہ یہ بتاتا ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کی ثنا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ثناء فرمائے گا اور شرف و تکریم میں اس کو بڑھائے گا۔ اب جزا کا عمل کے ساتھ رابطہ بھی صحیح ہو گیا اور مشابہت و مناسبت بھی درست ہو گئی جیسا کہ دیگر احکام میں ہے۔ مثلاً جو شخص تنگی میں کسی کی مدد کرے اللہ تعالیٰ حساب میں اسے فراخی دے گا۔

جو مسلمان کو دنیا میں پہنائے اللہ اسے دنیا و آخرت میں پہنائے گا۔ جو کوئی مومن کی دنیا کی سختی دور کرے اللہ تعالیٰ آخرت کی سختی دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ جو کسی راہ پر طلب علم میں چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر راہ بہشت کو آسان بنا دیتا ہے۔ جس نے علم کی کوئی بات جسے وہ جانتا ہے پوچھنے پر نہ بتائی۔ اللہ تعالیٰ اسے آگ کی لگام قیامت کو پہنائے گا۔ علیٰ ہذا جو کوئی رسول اللہ ﷺ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا، وغیرہ وغیرہ۔

(۱۱) اگر کوئی شخص روایت حدیث کے وقت ﷺ کی بجائے عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ رَحِمَہُ اللّٰہُ یا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ رَحِمَہُ اللّٰہ۔ کہے۔ تب تمام امت اس پر انکار کرے گی اور اس کو بدعتی سمجھ کر جان لے گی کہ یہ نبی ﷺ کی عزت و توقیر نہیں کرتا آپ پر صلوٰۃ نہیں بھیجتا اور جس ثناء کے آپ مستحق ہیں اسے ادا نہیں کرتا، اب اس کا حق نہیں کہ دس صلوٰۃ اس کو ملیں۔ دیکھو اگر صلوٰۃ کے معنی اللہ کی رحمت ہیں تو رَحِمَہُ اللّٰہُ کہنا منع نہ ہوتا۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَّا تَجْعَلُوا۟ دُعَآءَ ٱلرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ ﴾

(النور ٢٤/ ٦٣)

"یعنی مسلمان نبی ﷺ کو اس طرح نہ پکاریں جس طرح باہم ایک دوسرے کو پکار لیتے ہیں۔"

مطلب یہ کہ نام لے کر نہ پکاریں بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر بلائیں، کیونکہ نام لے کر پکارنا تو کفار کی عادت تھی اور مسلمان ہمیشہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ پس جو حالت خطاب کا حکم ہے وہی غائبانہ کا یعنی یہ سزاوار نہیں کہ عام کی طرح آپ کے لیے دعا کی جائے، بلکہ نبی ﷺ کے لیے تو اشرف دعا یعنی صلوٰۃ چاہیے اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ رحمت ایسی عام شے ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے ساتھ دعا دی جاتی ہے۔ بلکہ حیوانات کو بھی۔ چنانچہ دعا استسقاء میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عِبَادَكَ وَبِلَادَكَ وَبَھَائِمَكَ»

(۱۳) لغت اصلیہ میں صلوٰۃ کے معنی رحمت ہرگز نہیں، بلکہ عرب کے نزدیک جو معنی اس کے مشہور و معروف ہیں وہ ثناء و تبریک ہیں اور صَلی عَلَیْہِ کے معنی رَحِمَہُ عرب کبھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے لفظ کے وہی معنی کرنے چاہئیں جو لغت میں متعارف ہیں۔

(۱۴) رحمت کی طلب ہر شخص کر سکتا ہے، بلکہ مستحب بھی ہے کہ اپنے لیے رحمت کا سوال کرے۔ چنانچہ دعا میں ہم کو

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِیْ»

"اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔" سکھلایا گیا ہے۔ لیکن یہ کسی کو شایان نہیں کہ یوں کہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیَّ»

"اے اللہ مجھ پر صلوٰۃ بھیج۔"

کہے، لیکن اگر کوئی کہے گا تو وہ دعا میں حد سے بڑھنے والا ہے جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔ برخلاف سوال رحمت کے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ بندہ اس سے مغفرت و رحمت کا سوال کرے۔ اس سے سمجھا گیا کہ صلوٰۃ اور رحمت کے معنی ایک نہیں۔

⑮ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں رحمت کا استعمال ہوا ہے اور اس جگہ صلوٰۃ کا استعمال ٹھیک نہیں، فرمایا:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۵٦)

"میری رحمت ہر ایک چیز سے وسیع ہے۔"

فرمایا:

«رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ عَلٰى غَضَبِيْ»

"میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔"

فرمایا:

﴿ إِنَّ رَحْمَتَ ٱللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ ٱلْمُحْسِنِينَ ۝٥٦ ﴾ (الأعراف ۷/ ٥٦)

"اللہ کی رحمت محسنین سے قریب ہے۔"

فرمایا:

﴿ وَكَانَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝٤٣ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ٤۳)

"مومنوں پر وہ رحیم ہے۔"

فرمایا:

﴿ إِنَّهُۥ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝١١٧ ﴾ (التوبة ۹/ ۱۱۷)

"وہ ان پر مہربان ہے، رحمت والا ہے۔"

حدیث میں ہے:

«إِنَّ اللهَ اَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنَ الْوَالِدَةِ بِوَلَدِهَا»

"اللہ اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہے بہ نسبت ماں کے اپنے بچے پر۔"

دوسری حدیث میں ہے:

«اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ»

"جو زمین پر ہے تم اس پر رحم کرو جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔"

فرمایا:

«مَنْ لاَّ يَرْحَمْ لاَ يُرْحَمْ»

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہ کیا جائے گا۔"

غرض رحمت کے استعمال کے بہت سے ایسے مقامات ہیں (خواہ اللہ کی جانب سے ہوں یا بندوں کی طرف سے) جہاں لفظ صلوٰۃ کا واقع ہو نازیبا اور موزوں نہیں۔ اس لیے صلوٰۃ کی تفسیر لفظ رحمت کے ساتھ ٹھیک نہیں (واللہ اعلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلاَئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيّ کی تفسیر میں يُبَارِكُوْنَ عَلَيْه کہا ہے لیکن برکت ثناء اور ارادۂ تکریم و تعظیم کے منافی نہیں۔ کیونکہ اللہ کی جانب سے تبریک ان امور بالا کے ضمن میں بھی ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صلوٰۃ کے ساتھ برکت کو بھی ملایا گیا ہے۔ (یعنی اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ) ملائکہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کہا ہے۔

«رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ»

"اے گھر والو! اللہ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر ہوں۔"

سیدنا مسیح علیہ السلام نے کہا ہے:

﴿ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۱)

"اور مجھے مبارک بنایا جہاں کہیں کہ میں ہوں۔"

سلف صالحین میں سے ایک سے زیادہ نے کہا ہے کہ مبارک سے مراد خیر کا معلم

ہے مگر یہ معنی کا ایک جزو ہے کیونکہ مبارک وہ اپنی ذات سے خیر کثیر والا شخص ہے جس کو تعلیم و انداز یا نصیحت و ارادہ و اجتہاد کے ذریعہ دوسرے سے خیر حاصل ہوئی ہو۔ اسی لیے بندہ کا نام مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام برکت دینے والا ہے' کیونکہ تمام برکت اسی کی جانب سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۱)

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ﴾ (الملک ٦٧/ ١)

(ا) برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان کو اپنے بندے پر نازل کیا۔

(۲) برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔

خیر ان معنی پر آگے چل کر بحث ہو گی۔

جہمیہ اور صفات باری تعالیٰ: بعض لوگوں نے صلوٰۃ بمعنی رحمت ہونے سے اس لیے انکار کیا ہے کہ رحمت کے معنی رقت طبع ہیں اور یہ اللہ سبحانہ کے حق میں محال ہے۔ جس شخص کا یہ قول ہے۔ اس کے دل سے زبان تک جہمیت کی نبض جاری ہے اور درحقیقت وہ رحمت الٰہیہ کا قطعاً انکار کرتا ہے۔ جہم بن صفوان بانی مذہب کی عادت تھی کہ جب جذامیوں پر اس کا گذر ہوتا تو انکار رحمت کے طور پر اس وقت ارحم الراحمین زبان سے کہا کرتا۔ غرض قول بالا کے قائل نے صلوٰۃ بمعنی رحمت نہ ہونے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ دراصل منکرین صفات الٰہیہ کا شبہ ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ ارادہ حرکت نفس کا نام ہے جو حصول نفع یا دفع ضرر کے لیے ہو اور پروردگار حرکت نفس سے برتر ہے اس لیے اس میں ارادہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غضب انتقام کے لیے خون دل کے جوش مارنے کا نام ہے اور پروردگار اس سے پاک ہے' اس لیے اس میں غضب نہیں۔ غرض اسی جھوٹے رستہ پر وہ اللہ تعالیٰ کی حیات و کلام اور دیگر صفات کے بارے میں چلے' حالانکہ یہ بہت ہی باطل طریق ہے۔ کیونکہ یہ شخص صفت کے مسمی میں صرف مخلوق کی خصوصیتوں کو لیتا ہے اور پھر ان کی وجہ سے صفت خالق کی نفی کرتا ہے۔ اس شخص کا یہ کام نہایت تلبیس و گمراہی ہے۔ کیونکہ صفت کی جس خاصیت کو یہ شخص لیتا ہے وہ صفت کے لیے ذاتی نہیں

بلکہ مخلوق ممکن کے اعتبار سے اضافی ہے اور روشن بات ہے کہ اگر کسی صفت سے ان خصوصیتوں کی نفی کر دی جائے جو مخلوق سے خاص ہیں تو اس سے اصل صفت کا نفی کر دینا یا اللہ تعالیٰ کا اس صفت سے موصوف نہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔

اور جب اصل صفت اللہ کے لیے ثابت کی جائے تو اس سے مخلوق کی خصوصیتیں اللہ تعالیٰ کے اندر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقص تشبیہہ نہ ہونے سے مخلوق کی صفات عیب و نقص سے پاک نہیں ہو سکتیں۔ غرض خالق اور مخلوق پر ایک صفت کے اطلاق (لفظی) سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے لیے جو کچھ وجوب اور قدوم و کمال ہے وہ مخلوق کے لیے بھی ثابت ہو جائے۔ یا بندہ میں جو نقص و عیب ہیں وہ اللہ کے لیے بھی ہوں' یہی مثال حیات اور علم کی ہے۔ کیونکہ بندہ کی حیات متضاد آفات اور خصوصیات سے عبارت ہے۔ نیند' مرض' موت اسے لگی ہوئی ہیں' علم انسانی کو نسیان بھی ہے' اور اس کی ضد جہل بھی لگی ہوئی ہے' لیکن ان خصائص کا اللہ تعالیٰ کی حیاۃ و علم میں ہونا محال ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کے حیات اور علم کی نفی مذکورہ بالا خصائص انسانی کی وجہ سے کرتا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے۔ پس یہی مثال ہے نفی رحمت الٰہی کی' جو صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ رحمت مخلوق میں رقت طبع کا ہونا ضروری ہے۔ اسے یہ وہم ہو گیا ہے کہ رحمت صرف اسی حالت میں (جو مخلوق کے اندر پائی جاتی ہے) پائی جا سکتی ہے اور اس نے سمجھا کہ علم و حیات و ارادہ بھی ان ہی خصوصیتوں کے ساتھ جو مخلوق کے علم و حیات و ارادہ سے لگی ہوئی ہیں' اللہ تعالیٰ میں پائی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ محض غلطی ہے اور منشاء غلطی یہ ہے کہ اس صفت کو پہلے تو مخلوق کی صفت سے جو اس پر پابند ہے قیاس کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے اندر جب اس صفت کا اثبات کیا تو اسی پابندی کے ساتھ۔ لیکن دونوں وہم باطل ہیں۔ کیونکہ جو صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے اور اس کی جانب منسوب ہے اس میں مخلوق کی خصائص میں سے کسی شے کے ہونے کا وہم نہیں کیا جا سکتا۔ نہ لفظی طور پر نہ معنوی طور پر۔ اب جو شخص اسی باطل خیال پر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی نفی کرتا ہے اس کے لیے

ضروری ہے کہ جملہ صفات کمال کی ہی نفی کرے، کیونکہ وہ تو ہر ایک صفت کو صفت مخلوق کا ہی نمونہ سمجھتا ہے۔ بلکہ اسے چاہیئے کہ ذات الٰہی کی بھی نفی کر دے کیونکہ وہ صرف مخلوق کی ذات کو ہی جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی کسی شے سے مشابہ نہیں۔

اس باطل طریق پر معطلہ فرقہ کے غالی لوگوں نے خود کو لازم کر رکھا ہے، اور جہاں تک وہ ایسی صفات کی نفی میں بڑھتے گئے تو ان کی اسی قدر نصوص سے مخالفت بھی بڑھتی گئی اور قابل رد ہوتی گئی۔ بیشک یہ باتیں عقل کی سچی کسوٹی پر درست نہیں رہتیں، عقل سلیم کے نزدیک بھی وہی درست ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ سُبْحَٰنَ ٱللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا عِبَادَ ٱللَّهِ ٱلْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٠﴾ ﴾
(الصافات ۳۷/ ۱۵۹-۱۶۰)

"اللہ پاک ہے ان باتوں سے جس سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں مگر اللہ کے مخلص بندے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ہر ایک وصف کنندہ کے وصف سے مبرا قرار دیا بجز مخلص بندوں کے جو انبیاء اور رسول ہیں یا ان کے پیرو۔ چنانچہ دوسری آیت میں ہے:

﴿ سُبْحَٰنَ رَبِّكَ رَبِّ ٱلْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلَٰمٌ عَلَى ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾ وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٨٢﴾ ﴾

"پاک ہے رب تیرا عزت کا مالک، ان باتوں سے جن سے یہ لوگ اس کا وصف کرتے ہیں اور سلامتی ہے مرسلین پر۔ اور حمد ہے واسطے اللہ کے جو رب العالمین ہے۔" (الصافات ۳۷/ ۱۸۰-۱۸۲)

اس میں بھی اپنی ذات کو وصف کنندوں کے وصف سے پاک بتلایا اور مرسلین پر سلامتی نازل فرمائی کیونکہ جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی توصیف کرتے ہیں اس میں ہر ایک نقص و عیب سے سلامت رہتے ہیں۔ پھر اپنی ذات پاک کے لیے حمد و ثنا فرمائی کیونکہ

وہی ذات پاک صفات کمال سے موصوف ہے اور اسی لیے حمد کی مستحق ہے۔ پھر اسے ہر ایک نقص سے جو کمال حمد کا منافی ہے مبرا بھی فرمایا۔

## تیسری فصل

# نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے معنی اور اس اسم کے اشتقاق کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور ترین اسماء میں سے جو نام ہے وہ حمد سے منقول ہے اور یہ دراصل حمد سے اسم مفعول ہے اور محمود کی ثناء و محبت اور اجلال و تعظیم کے ضمن میں ہے کیونکہ حمد کی حقیقت یہی ہے۔ یہ مُفَعَّلٌ کے وزن پر مبنی ہے، جیسے معظم و مبجل و مسود وغیرہ ہیں۔ یہ بناء تکثیر کے لیے موضوع ہے۔ جب اس سے اسم فاعل بناتے ہیں، تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فعل کا صدور مرۃ بعد مرۃ کثرت کے ساتھ اس شخص سے ہو، جیسے معلم و مفھم و مبین و مخلص و مفرج کے معنی سے واضح ہو گا اور جب اس سے اسم مفعول بناتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فعل کا وقوع مسلسل مرۃ بعد مرۃ اس پر ہوتا ہو۔ (استحقاقاً ہو یا وقوعاً) پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہے جس پر حمد کرنے والوں نے مرۃً بعد اخریٰ بکثرت حمد کی ہو اور وہ جو مسلسل حمد کیے جانے کا مستحق ہو۔ حمد سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بنایا گیا ہے۔ جیسے علم سے معلم۔

<u>اسم مبارک علَم بھی ہے اور صفت بھی:</u> یہ اسم مبارک علم بھی ہے اور صفت بھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دونوں امور مجتمع ہیں۔ گو بہت سے لوگوں کے لیے جن کا نام یہی نام (محمد) رکھا جائے، یہ اسم علم مختص ہو گا۔

یہی شان اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور کتب آسمانی کی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے جملہ اسماء مبارکہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اعلام بھی ہیں اور اپنے معانی پر بھی جو اعلام کے لیے اوصاف ہیں دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں علمیت وصف سے متضاد نہیں ہوتی' برخلاف دیگر مخلوق کے اسماء کے مثلاً اللہ' خالق' مصور' قہار جو اسماء ہیں یہ اپنے معانی پر جو اس کی صفات ہیں دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن' فرقان اور کتاب مبین۔ اسی طرح نبی ﷺ کے اسماء محمد' احمد' ماحی ﷺ چنانچہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

«إِنَّ لِيْ اسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا اَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يَمْحُو اللهُ بِهِ الْكُفْرَ»

"میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی (ﷺ) ہوں جس کی وجہ سے اللہ نے کفر کو محو کر دیا ہے۔"

دیکھو نبی اکرم ﷺ نے ان اسماء کا ذکر فرمایا' اور فضیلت کی جو خصوصیت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دی ہے اسے بیان کر کے معانی کی طرف بھی (یعنی کفر کو محو کر دینے کی وجہ سے نبی ﷺ کا نام ماحی ہے) ارشاد فرمایا۔ اگر یہ اسماء محض اعلام ہوتے جن کے کچھ معنی نہ تھے۔ تو وہ مدح کی ہرگز دلیل نہ ہوتے حسان بن ثابت مداح نبی رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے یہ شعر کہا ہے ؎

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيُجِلَّهُ
فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

نکالا نام اپنے سے دیکھو کرم بخشی
کہ صاحب عرش کا محمود ہے اور یہ محمد ہیں

اسماء حسنیٰ کا معانی سے تعلق: یہی حال اللہ تعالیٰ کے جملہ اسماء مدح کا ہے' کیونکہ اگر وہ مجرد الفاظ ہوتے جن کے معانی نہیں تو وہ مدح پر دلالت کرنے والے نہ ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾﴾ (الأعراف ۷/ ۱۸۰)

"اللہ کے پاک نام ہیں' انہی سے اللہ کو پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ اپنے عملوں کا بدلا جلد پالیں گے۔"

جن اسماء کی توصیف لفظ حسنیٰ کے ساتھ فرمائی' وہ مجرد لفظ ہونے کی وجہ سے حسنیٰ نہیں بلکہ اوصاف کمال پر دلالت رکھنے کی وجہ سے ہیں۔ مروی ہے کہ ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:

﴿ وَٱلسَّارِقُ وَٱلسَّارِقَةُ فَٱقْطَعُوٓا۟ أَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا ﴾

(المائدة۵/ ۳۸)

"چور مرد چور عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالو' یہ ان کے کیے کا بدلہ ہے۔"

اس سے آگے اس شخص نے غَفُوْرٌ رَّحِیم پڑھا' جس کے معنی ہیں' اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ قرآن میں دراصل عزیز حکیم تھا۔ "یعنی اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

ایک اعرابی نے سن کر کہا یہ تو کلام الٰہی نہیں۔ قاری نے کہا' کیا تو کلام اللہ کی تکذیب کرتا ہے؟ وہ بولا نہیں' مگر جو تو نے پڑھا ہے وہ کلام الٰہی نہیں۔ قاری نے اپنے حافظہ پر زور ڈالا تو غَفُوْرٌ رَّحِیم کی جگہ عَزِیْزٌ حَکِیم پڑھا۔ اعرابی بولا اب ٹھیک ہے' وہ غالب ہے اس لیے حکم دیا اور قطع ید فرمایا' اگر مغفرت و رحم کرتا تو قطع کا حکم نہ دیتا۔

یہی وجہ ہے کہ جب آیت رحمت اسم عذاب پر یا بالعکس ختم کی جائے تو تنافر کلام اور عدم انتظام ظاہر ہو جاتا ہے۔ سنن میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قراءت قرآن سات حرف پر ہے۔ اور ہر ایک کافی و شافی ہے۔ اگر سَمِیْعًا عَلِیْمًا کی جگہ عَزِیْزًا حَکِیْما پڑھ دیا جائے (تو کچھ ڈر نہیں) جب تک کہ آیت عذاب' رحمت پر اور آیت رحمت عذاب پر ختم نہ ہو۔

دیکھو اگر یہ اسماء محض اعلام ہوتے جن کے کچھ معانی نہیں تو کچھ فرق نہ ہونا چاہئے تھا کہ آیت اس اسم پر ختم ہو یا اس پر۔ اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ احکام اور افعال کو اپنے اسماء کی علت ٹھہراتا ہے۔ پس اگر اسماء کے لیے کچھ معانی نہ ہوں تو وہ تعلیل

بھی صحیح نہ ہوں۔ فرمایا:

﴿ اَسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ ﴾ (نوح ۷۱/ ۱۰)

"اپنے رب سے بخشش مانگو' بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے۔"

قرآن مجید کا طریق یہ بھی ہے کہ اسماء رجا اور اسماء خوف کو ساتھ ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ فرمایا:

﴿ اَعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ وَأَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾ ﴾

(المائدة ۵/ ۹۸)

"جان لو اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بخشنے والا اور رحم والا ہے۔"

اہل جنت کا قول ہے:

﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِىٓ أَذْهَبَ عَنَّا ٱلْحَزَنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ ﴾ (الفاطر ۳۵/ ۳۴)

"اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور فرمایا' بے شک ہمارا رب غفور و شکور ہے۔"

اس آیت میں گویا اس معنیٰ کا اظہار ہے کہ گناہ بھی ہمارے اسی نے بخشے اور نیکیوں کو مشکور بھی اس نے کیا تب ہم دار کرامت میں پہنچے۔ فرمایا:

﴿ مَّا يَفْعَلُ ٱللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَءَامَنتُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾ ﴾ (النساء ۴/ ۱۴۷)

"اللہ تم کو عذاب نہ دے اگر اللہ کے تم شکر گزار رہو اور ایمان لے آؤ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر تم پروردگار کا شکر کرو گے وہ تم کو مشکور کرے گا اور وہ تمہارے شکر کو جانتا بھی ہے۔ شکر گزار و نافرمان اس سے کچھ مخفی نہیں۔ غرض قرآن مجید اسی سے بھرا ہوا ہے اور ہمارا مقصود اس پر آگاہی بخش دینا ہے۔

پھر تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء سے توحید پر بھی اور نفیٔ شرک پر بھی استدلال فرماتا ہے۔ پس اگر اسماء کے معنی نہ ہوتے تو اس مدعا پر دلالت نہ کر سکتے مثلاً

حضرت ہارون علیہ السلام کا گوسالہ پرستوں سے کہنا:

﴿ يَٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِۦ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ ٱلرَّحْمَٰنُ ﴾ (طہ ۲۰/ ۹۰)

"اے قوم تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو' اور تمہارا رب تو رحمٰن ہی ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا:

﴿ إِنَّمَآ إِلَٰهُكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾ ﴾ (طہ ۲۰/ ۹۸)

"بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس نے ہر ایک چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔"

نیز یہ ارشاد:

﴿ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾ ﴾

(البقرة ۲/ ۱۶۳)

"تمہارا معبود وہی ایک ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہ رحمٰن رحیم ہے۔"

نیز سورۂ حشر کے آخر میں یہ ارشاد ہے:

﴿ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ۖ هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَٰمُ ٱلْمُؤْمِنُ ٱلْمُهَيْمِنُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْجَبَّارُ ٱلْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَٰنَ ٱللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ ﴾

(الحشر ۵۹/ ۲۲-۲۳)

"اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چھپی اور کھلی چیز کو جانتا ہے' وہ رحمٰن رحیم ہے' اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ملک' قدوس' سلام' مومن' مہیمن' عزیز' جبار' متکبر ہے۔ اللہ مشرکوں کی باتوں سے پاک ہے۔"

اس میں مشرکین کے شرک سے اپنی ذات پاک کی تسبیح و پاکی اور اسماء حسنیٰ کے ساتھ (جو توحید کے مقتضی ہیں اور اثبات شریک کو محال بتلاتے ہیں) اپنی مدح فرمائی ہے۔

غرض جو شخص قرآن مجید میں اس انداز سے تدبر کرے گا' وہ نور ہدایت پائے گا اور خیابان علم میں جا پہنچے گا (جسے اللہ تعالیٰ ہر شخص سے جو کتاب و ہدایت سے روگرداں ہو بچائے رکھے) یہ ایسا بیان ہے کہ اگر اس کتاب میں صرف یہی ایک فصل ہوتی' تب بھی ذوق و معرفت والے کے لیے یہی کافی تھی۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلصَّوَاب۔

اس کے علاوہ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کے ساتھ معمولات یعنی ظرف و جار و مجرور وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے' اگر اسماء حسنیٰ محض اعلام ہی ہوتے تب ایسا کرنا صحیح نہ ہوتا' مثلاً فرمایا: ﴿ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٧٦)

﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٤٣)

﴿ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٤)

﴿ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾ ﴾ (الشورى٤٢/ ٢٧)

غرض اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ علیٰ ہذا' اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کو منکرین صفات کمال کے لیے دلیل بھی بنایا ہے' فرمایا:

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (الملك٦٧/ ١٤)

واضح ہو کہ جن لوگوں نے اسماء حسنیٰ پر غور سے نظر ڈالی ہے' انہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ:

① کیا یہ اسماء متبائن ہیں؟ جیسا کہ ان معانی سے نظر آتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم ایک جدا معنی پر دلالت کرتا ہے جس پر دوسرا اسم نہیں کرتا۔

② کیا یہ مترادف ہیں؟ کیونکہ ذات واحد پر ہی دلالت کرتے ہیں اور ان کا مدلول ایک ہے متعدد نہیں۔ اور یہی تعریف مترادف کی ہے۔ لیکن یہ اختلاف صرف لفظی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ذات کے اعتبار سے یہ مترادف ہیں اور صفات پر نظر ڈالنے سے متبائن اور ہر ایک اسم ہی ایسا ہے جو اپنی صفت سے موصوف ذات پر تو بالمطابقت اور بالتضمن دلالت کرتا ہے اور دوسری صفت پر بالتزام۔

وجہ تسمیہ محمد ﷺ: جب تم مذکورہ بالا بیان سمجھ گئے تو نبی ﷺ کے نام (محمد ﷺ) وجہ تسمیہ پر غور کرو جو حمد سے بنایا گیا ہے۔ بے شک نبی ﷺ محمود ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود ہیں، ملائکہ کے نزدیک محمود ہیں۔ اپنے اخوان مرسلین کے نزدیک محمود ہیں، کل باشندگان زمین کے نزدیک محمود ہیں، گو ان میں سے کوئی آپ کا انکار کرے۔ کیونکہ جو صفات کمال آپ میں ہیں وہ صفات ہر ایک عاقل کے نزدیک ضرور محمود ہیں۔ اب اگر کوئی شخص جہالت اور عداوت کی وجہ سے انکار کرتا ہے تو صرف اس امر کا کہ نبی ﷺ ان اوصاف سے متصف نہیں لیکن جب اسے نبی ﷺ کا متصف بہ اوصاف کمال ہونا واضح ہو جائے گا تو ضرور آپ کی حمد کرے گا۔ کیونکہ وہ حالت انکار میں بھی ایک ایسے وجود مبارک کی تعریف کر رہا ہے جو یقیناً لائق حمد ہیں۔ گو نبی ﷺ کی ذات اشرف کو اس نے بھلا دیا ہے۔ پس یہ شخص فی الحقیقت نبی ﷺ کا حامد ہے۔

نبی ﷺ کو مسمی حمد کے ساتھ جو خصوصیت حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کا اسم مبارک محمد و احمد ہے۔ (ﷺ)

نبی ﷺ کی امت حماد ہے جو تنگی و فراخی میں اللہ کی حمد کرتی ہے۔ نبی ﷺ اور امت کی نماز اور خطبے اور قرآن مجید بھی حمد سے ہی شروع ہوتا ہے اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ پر بھی اسی طرح مرقوم ہے۔ نبی کے خلفاء و صحابہ بھی خطوط کو حمد سے ہی شروع کیا کرتے تھے اور قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) بھی نبی ﷺ کے ہی دست مبارک میں ہو گا اور جب نبی ﷺ شفاعت کے لیے سجدہ فرمائیں گے اور اذن عطا ہو گا تو اس وقت نبی ﷺ حمد ربانی ہی فرمائیں گے۔ ایسے محامد کے ساتھ جو اسی وقت نبی ﷺ پر کھولے جائیں گے، نبی ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں جس کے لیے اولین و آخرین کی آرزو رہی اور ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِۦ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿٧٩﴾ ﴾ (الأسراء١٧/ ٧٩)

"رات کو نیند سے اٹھ کر نماز پڑھا کیجئے۔ یہ آپ کے لیے کثرت (خیر) کا

باعث ہے۔ قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر کھڑا فرمائے۔"

اگر کوئی شخص مقام محمود کے معنی جاننے کا شوق رکھتا ہے تو اسے وہ معنی دیکھنے چاہئیں جو سلف امت صحابہ و تابعین سے مروی ہیں اور ابن ابی حاتم، ابن جریر اور عبد بن حمید وغیرہ سلف کی تفاسیر میں منقول ہیں۔ الغرض جب روز قیامت میدان حشر میں نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو اس وقت وہاں موجود تمام انسان کیا مسلمان، کیا کافر، اوّلین و آخرین نبی ﷺ کی حمد کریں گے۔

بے شک نبی ﷺ محمود ہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے زمین کو ہدایت و ایمان اور علم نافع و عمل صالح سے بھر دیا ہے اور اپنی تعلیمات سے دلوں کو کھول دیا ہے اور ظلمت کو اہل زمین سے دور کر دیا، شیاطین کی قید سے دنیا کو چھڑا دیا، اللہ کے ساتھ شرک، کفر اور جہالت سے نجات دلا دی، حتیٰ کہ نبی ﷺ کا اتباع کرنے والے دارین کے شرف کو پہنچ گئے۔ بے شک اہل زمین پر جو آفت تھی اسے دور کرنے کے لیے نبی ﷺ کی رسالت کی بہت زیادہ حاجت تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بت پرست، صلیب پرست، آتش پرست اور ستارہ پرست تھے۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا تھا اور انہوں نے یہی کچھ کمایا تھا۔ نیز وہ حیران تھے، وہ کسی معبود کو نہ جانتے تھے جس کی عبادت کریں۔ نہیں جانتے تھے کہ کیونکر عبادت کریں۔ آدمی ایک دوسرے کا دشمن تھا جس کو جو اچھا لگا، لوگوں کو ادھر ہی بلا لیا اور جس نے خلاف کیا اس سے جنگ شروع کر دی۔ غرض روئے زمین پر ایک قدم بھی ایسی جگہ نہ تھی جو نور رسالت سے منور ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو دیکھا اور عرب و عجم سے بیزاری فرمائی، بجز ان کے جو دین صحیح کے آثار پر بچے کھچے رہ گئے تھے۔ جب ایسی حالت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے بلاد و عباد کی فریاد کو سنا، گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اٹھا دیا اور موت کے بعد زمین کو حیات تازہ عطا فرمائی۔ ضلالت سے نکال کر ہدایت فرمائی۔ جہالت سے نکال کر علم سکھلایا۔ قلت کے بعد کثرت اور ذلت کے بعد عزت دی۔ تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائی۔ کور بصیرتوں کی آنکھوں کو کھول دیا اور بہروں کو کان دیئے دلوں کے پردے

اٹھا دیئے' اب لوگوں نے اپنے رب و معبود کو جان لیا اور جہاں تک ان کے قویٰ مضبوط تھے انہوں نے معرفت حاصل کر لی۔

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات افعال و احکام کے ذکر کو کہیں اختصار اور کہیں طوالت سے بیان کیا' بتلایا' دہرایا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت مومن بندوں کے دل میں روشن ہو گئی اور شک و شبہات کی بدلیاں ان کے دلوں سے اس طرح دور ہو گئیں جیسے صاف چاندنی چٹکی رات میں چاند پر سے بادل دور ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ نے اس بارے میں ایسی تعلیم دی کہ لوگوں کو نہ کسی پہلی تعلیم کا محتاج چھوڑا نہ پچھلی کا۔ بلکہ ہر شخص سے جو اس بارے میں بات کر سکتا ہے' اپنی امت کو غنی و بے پروا بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ ﴾

(العنکبوت۲۹/ ۵۱)

"کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے' بے شک اس میں مومنوں کے لیے رحمت اور یاد دلانا ہے۔"

ابوداؤد نے نبی ﷺ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ آپ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں تورات کا ایک قطعہ دیکھا' فرمایا:

«كَفٰى بِقَوْمٍ ضَلَالَةٍ أَنْ يَتَّبِعُوْا كِتَابًا غَيْرَ كِتَابِهِمْ أُنْزِلَ غَيْرَ نَبِيِّهِمْ»

"کسی قوم کے لیے یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ اپنی کتاب کو چھوڑ کر دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب کی تابعداری کرنے لگیں۔"

اللہ عزوجل نے اس کی تصدیق میں آیت بالا نازل فرمائی۔ دیکھو یہ حالت تو اس شخص کی ہے جو دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب سے دین اخذ کرتا ہے' اس پر اندازہ کرو' اس شخص کا جو زید و بکر کی عقل سے دین لیتا ہے اور اسے اللہ و رسول ﷺ کے فرمان پر مقدم رکھتا ہے۔

غرض نبی ﷺ نے دنیا کو وہ طریق بتلایا جو ان کو پروردگار سے ملا دیتا اور رضوان و دار کرامت تک پہنچا دیتا ہے۔ کوئی ایسا نیک کام نہیں جس کا حکم نہ فرمایا ہو، کوئی ایسا برا فعل نہیں جس سے روکا نہ ہو۔ چنانچہ نبی ﷺ نے خود فرمایا:

«مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَي الْجَنَّةِ إِلاَّ وَقَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلاَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَي النَّارِ وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ»

"جو چیز تم کو جنت سے نزدیک کر سکتی ہے، میں نے اس کا حکم تم کو دے دیا اور جو تم کو دوزخ سے نزدیک کر سکتی ہے میں نے اس سے تم کو ہٹا دیا ہے۔ بیان کر دینے میں کوئی بات باقی نہیں رکھی۔"

ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور کوئی پرند نہیں جو فضا میں اپنا بازو کھولتا ہے، مگر ہم کو اس کا علم سکھلایا۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے وہ تمام حالات بھی بتلائے جو پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے پر واقع ہوں گے اور ان کا بیان نہایت واضح اور صاف انداز سے فرمایا۔ غرض علم نافع کا کوئی ایسا دروازہ جو بندوں کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہو بند نہ چھوڑا اور کسی مشکل کو باقی نہ رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کی گمراہی سے نجات دی اور بیماری سے صحت عطا فرمائی اور مخلوق کی فریاد رسی کی، ایسی حالت میں بتلاؤ کہ نبی ﷺ سے بڑھ کر کون شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو امت کی جانب سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾: واضح ہو کہ ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ آیت اپنے عموم (عام ہے) پر ہے اور قدرتی طور پر اس کی دو وجوہ ہیں۔

اوّل: نبی ﷺ کی رسالت کا نفع عام طور پر جملہ اہل عالم کو پہنچا ہے۔ اتباع کرنے والوں کو تو یہ کہ وہ دنیا و آخرت کی بھلائی کو پہنچ گئے اور جنگ جو دشمنوں کو یہ کہ موت و قتل نے ان کو جلد لے لیا، کیونکہ بدبختی ان کے لیے لکھی جا چکی تھی، اب

زندگی ان کے لیے عذاب کی شدت اور کثرت کا سبب تھی۔ اس لیے موت کا جلد آ جانا ان کے حق میں طول عمری سے بہتر رہا۔ رہے اہل ذمہ جو نبی ﷺ کے ساتھ ہم عہد ہو کر رہے، وہ دنیا میں نبی ﷺ کی ذمہ داری و عہد کے زیر سایہ آباد اور آسائش پذیر رہے اور اسی وجہ سے ان میں اور فرقوں کی نسبت شر بھی کم ہو گیا۔ رہے منافق سو اظہار ایمان سے ان کے جان و مال، اہل و عیال محفوظ و محترم ہو گئے اور توارث وغیرہ میں مسلمانوں کے احکام ان پر جاری ہو گئے۔ رہے وہ ملک اور قومیں جو دور دراز فاصلہ پر تھیں، سو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی رسالت کی وجہ سے اہل زمین سے عام عذاب کو اٹھا لیا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی رسالت اہل عالم کے لیے عام رحمت تھی اور دنیا کے تمام باشندوں کو رسالت محمدی کا نفع پہنچا ہے۔

دوم: نبی ﷺ کا وجود مبارک تو ہر ایک کے لیے رحمت ضرور ہے، مومنین نے اس رحمت کو قبول کر لیا اور دنیا و آخرت کا نفع اٹھایا۔ تو کفار نے اس رحمت کو قبول نہ کیا اور لوٹا دیا۔ لیکن اس سے نبی ﷺ کے سراپا رحمت ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا، مثلاً کوئی دوا کسی مرض کے لیے مجرب ہے، اب اگر کوئی اس کا استعمال نہ کرے گا تو اس مرض کے لیے اس دوا کے مجرب ہونے میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

**اخلاق و عادات نبوی ﷺ:** واضح ہو کہ نبی ﷺ کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ ان مکارم اخلاق اور بہترین عادات و خصائل کی وجہ سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو پیدا کیا ہے۔ بے شک جو شخص نبی ﷺ کے اخلاق و عادات پر نظر ڈالے گا وہ ضرور اعتراف کرے گا کہ یہی بہترین اخلاق ہیں۔ بے شک نبی ﷺ تمام مخلوق سے علم میں وسیع تر، امانت میں عظیم تر، گفتگو میں نہایت سچے اور موزوں کلام، کمال سخی، بہت زیادہ بردبار اور عفو و مغفرت میں بزرگ تر تھے۔ کوئی شخص کیسی ہی بڑھ کر جہالت سے پیش آتا، نبی ﷺ اس کو برداشت فرماتے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے یوں روایت کی ہے کہ تورات میں نبی ﷺ کی صفت اس طرح سے ہے:

"محمد میرا بندہ و رسول ہے۔ میں نے اس کا نام متوکل رکھا ہے وہ بد زبان، درشت طبع، بازاروں میں آواز لگانے والا نہیں۔ وہ بدی کا بدلہ نہیں لیتا، بلکہ وہ معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ میں اسے وفات نہ دوں گا جب تک بگڑی ہوئی ملت کو اس سے درست نہ بنوا دوں گا۔ میں اس سے کور بصیرتوں کی آنکھوں کو روشن کراؤں گا اور بہروں کو سماعت۔ وہ دلوں کے پردے اٹھا دے گا، یہاں تک کہ لوگ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہنے لگیں۔"

نبی ﷺ مخلوق میں سب سے بڑھ کر رؤف رحیم اور دینی و دنیوی منفعت بخشنے میں سب سے زیادہ عظیم، جوامع الکلم تھے اور بڑی بڑی عبارات کا مفہوم مختصر انداز میں بیان کر دینے میں تمام خلقت سے زیادہ فصیح و خوش گفتار تھے صبر کے موقع پر کمال درجہ صابر اور مقامات لقا میں نہایت ہی با صدق۔ عہد و حمایت میں نہایت کامل اور انعام و عطا بخشی میں سب سے بڑھ کر۔ تواضع میں کمال درجہ بڑھے ہوئے اور جود و سخاوت میں سب سے آگے نکلے ہوئے۔ اوامر میں نہایت محکم و مضبوط۔ نواہی میں بہت ہی تارک و نافر۔ محبت و پیار، اعزا پروری، اقرباء نوازی میں دنیا بھر سے زیادہ اور اس شعر کے پورے پورے مصداق تھے؎

| | |
|---|---|
| بَرْدٌ عَلَي الاَدْنٰی وَمَرْحَمَةٌ | عاجز ان رابر دو مرحمت آن نور حق |
| وَعَلَی الاَعَادِي مَازِنٌ جَلِدُ | شورہ زار دشمناں رانیز باران کرم |

نعت نبوی از جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: اسد اللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُهُمْ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً وَمَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً اَحَبَّهُ يَقُوْلُ نَاعِتُهُ لَمْ اَرَ قَبْلَهُ وَلاَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ»

"سب سے زیادہ سخی اور دریا دل، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ نرم خو اور سب سے بڑھ کر شریف ساتھی، آپ کو جو اچانک دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو شخص جان پہچان کر میل جول کرتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا

الغرض آپ کا حلیہ بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ جیسا حسین و جمیل نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی آپ جیسا دکھائی دیا۔"

واضح ہو کہ اجود الناس صدراً سے مراد یہ ہے کہ سینۂ مبارک میں خیر و بر کثرت سے بھرا تھا اور سینہ مطہر سے نیکی اس طرح جوش کھا کر نکلتی تھی جیسے چشمہ سے پانی ابلتا ہے۔ ہر ایک خلق جمیل اور جملہ خیر کثیر پر آپ حاوی تھے۔ اہل علم کا قول ہے کہ تمام عالم میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں سینۂ محمدی سے بڑھ کر خیر موجود ہو۔ بے شک نیکی کی جمیع اقسام و انواع کو جمع کیا گیا اور پھر سینۂ مبارک رسول اللہ ﷺ میں اسے ودیعت رکھ دیا گیا۔

اَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً کی شرح یہ ہے کہ نبی ﷺ کی راست گفتاری کا اقرار ان دشمنوں نے بھی کیا ہے جو میدان میں نبی ﷺ کے ساتھ برابر جنگ کرتے رہے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دشمن سے دشمن نے بھی ایک جھوٹ کو نبی ﷺ سے لگایا ہو۔ اس بارے میں دوستداروں کی شہادت سے مکمل طور پر قطع نظر کر کے پھر دیکھو کہ دنیا بھر کے مخالفین کیا اہل کتاب اور کیا مشرکین سب نے طرح طرح کی مخالفت اور جنگیں نبی ﷺ سے کیں، ایک دن بھی کبھی کسی نے ایک بات میں بھی چھوٹی ہو یا بڑی، جھوٹ بولنے کا طعن نبی ﷺ کو نہیں دیا۔ مسور بن مخرمہ کہتے ہیں، میں نے ابو جہل سے جو میرا ماموں تھا کہا کہ ماموں! کیا تم محمد (ﷺ) پر اس دعویٰ سے پہلے بھی جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے۔ بولا، بھانجے! اللہ کی قسم نہیں، محمد ابھی جوان تھے کہ قوم ان کو امین کہہ کر پکارتی تھی، جب ادھیڑ ہوئے تب بھی انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں نے پوچھا کہ پھر تم اب کیوں اس کی پیروی نہیں کرتے۔ کہا بھانجے! ہم میں اور بنو ہاشم میں شرف و بزرگی کا تنازعہ آپڑا، انہوں نے لنگر جاری کیا، ہم نے بھی کیا۔ انہوں نے پیاؤ لگائے ہم نے بھی لگائے۔ انہوں نے نیزہ بازی کی، ہم نے بھی کی۔ جب ہم اپنی سواریوں پر زانو بہ زانو ہو کر بیٹھے اور ہم ایسے تھے جیسے گھوڑ دوڑ کے گھوڑے، تب انہوں نے کہہ دیا کہ ہم میں نبی ہے، اب ہم نبی کہاں

سے لائیں؟

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور اعداء دین کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُۥ لَيَحْزُنُكَ ٱلَّذِى يَقُولُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٣٣)

''ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کو رنج ہوتا ہے مگر یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول اَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ سہل و نرم، لوگوں سے قریب تر تھے۔ جو آپ کو بلاتا اس کی درخواست منظور فرماتے جو کوئی مدد مانگتا اس کی حاجت پوری کر دیتے--- دل شکستگی کھو دیتے، سائل کو محروم نہ رکھتے اور مایوس واپس نہ فرماتے۔ جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی کام میں نبی ﷺ کی شرکت چاہتے تو ان کا ساتھ دیتے اور جب خود کسی امر کا عزم فرماتے تو سب سے مشورہ کئے بغیر اس میں ابتداء نہ فرماتے۔ نیکی کرنے والے کو پسند فرماتے اور بدی کرنے والے کو معاف کر دیتے۔

اَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ کبھی کسی کے ساتھ نہ بیٹھتے مگر اس کے ساتھ عمدہ بہتر اور پسندیدہ برتاؤ فرمایا کرتے۔ نہ کبھی چہرہ مبارک پر شکن پڑتی اور نہ گفتگو میں کبھی تندی آتی۔ نہ رخ اس سے پھراتے اور نہ چپ ہو کر ہی بیٹھے رہتے۔ اگر ہم نشین سے کوئی درشتی وغیرہ ہو جاتی تو اس کا مؤاخذہ نہ کرتے بلکہ نہایت درجہ اس پر احسان فرماتے اور کمال برداشت کیا کرتے۔ غرض نبی ﷺ کا برتاؤ تھا کہ سب کی سختی درشتی کو برداشت کر لیتے اور کبھی نہ کسی پر عتاب و ملامت فرماتے اور نہ ناپسندیدگی کا اظہار مناسب سمجھتے۔

مَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً کی شرح یہ ہے کہ نبی ﷺ لوگوں کو سب سے بڑھ کر محبوب اس لیے ہو جاتے تھے کہ وہ آپ کے الطاف کو دیکھتے تھے اور خیال کیا کرتے تھے کہ کس طرح نبی ﷺ قریب بٹھلاتے، توجہ کرتے ان کے لیے اہتمام فرماتے، نصیحت و

راہنمائی کرتے ہیں، کیونکر احسان لگاتے اور سختی کو برداشت کیا کرتے ہیں۔ اب تم دیکھو اس برتاؤ سے بہتر کون سا برتاؤ ہے کہ یا ہو سکتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ ہم نشینوں کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کیا تھی۔ کہا، خندہ رو، ملنسار، نرم طبع۔ آپ بد زبان و درشت طبع نہ تھے، نہ آوازہ لگاتے نہ فحش کہتے، نہ کسی کا عیب ظاہر کرتے، نہ تعریفیں کیا کرتے، جس چیز کی حاجت و ضرورت نہ ہوتی اس کے متعلق دریافت ہی نہ کرتے اور ادھر توجہ ہی نہ فرماتے۔ تین باتیں تو بالکل ہی متروک تھیں۔

(ا) کسی کی مذمت و عیب نہ کیا کرتے، کسی کا راز تلاش نہ فرماتے، جب تک بولنے پر ثواب کی امید نہ ہوتی، اس وقت تک گفتگو نہ کیا کرتے، جب گفتگو شروع فرماتے تو سب لوگ سرنگوں ہو جاتے گویا سروں پر پرندے ہیں۔ جب آپ خاموش ہو جاتے۔ تب دوسرے لوگ بولتے وہ بھی آپ کے سامنے گفتگو میں بحث و نزاع نہ کرتے تھے، بلکہ جب ایک بولتا تو سب چپ کر رہتے۔ سب کی گفتگو درجہ وار ہوتی۔ جس بات پر اور ہنستے، آپ بھی ہنسا کرتے جس پر اور متعجب ہوتے، خود بھی تعجب فرمایا کرتے۔ اجنبی شخص کے کلام و سوال میں اگر تندی و درشتی ہوتی تو اس کو برداشت کیا کرتے۔ صحابہ اگر اسے روکنا بھی چاہتے تو فرما دیتے کہ جب کوئی حاجت مند اپنی حاجت طلب کرے تو اس کو مدد دو۔ عادت شریف یہ تھی کہ اپنی تعریف کفایت سے بڑھ کر قبول نہ فرماتے اور کسی کی بات کو بیچ میں قطع نہ کرتے جب تک ایسا کرنا جائز نہ ہوتا، ایسی صورت میں یا تو وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے یا بولنے والے کو منع کر دیتے۔

واضح ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول مَنْ رَاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَ مَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ میں دو صفتوں کے ساتھ توصیف کی گئی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل صدق و اخلاص میں یہ خصوصیت دے رکھی ہے کہ ان میں اجلال اور محبت دونوں ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ کو ہیبت اور محبت دی گئی تھی جو یکایک آپ کو دیکھتا وہ ہیبت و رعب میں آجاتا' اس کا دل تعظیم و جلال سے بھر جاتا خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوتا' پھر جب کوئی آپ کے پاس آبیٹھتا' تب تمام مخلوق سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ ہی اس کے محبوب ہوتے۔

کمال محبت کی تعریف: الغرض رسول اللہ ﷺ معظم و مکرم بھی ہیں اور محبوب و مکرم بھی اور کمال محبت کی انتہا بھی یہی ہے کہ وہ تعظیم و ہیبت کے ساتھ ملی ہوئی ہو' کیونکہ جس محبت کے ساتھ تعظیم و ہیبت نہ ہو وہ ناقص ہے اور جس ہیبت و تعظیم کے ساتھ محبت نہ ہو جیسا کہ ظالم حاکموں کا حال ہے' وہ بھی ناقص ہے۔ کمال یہی ہے کہ مؤدت و محبت اور اجلال و تعظیم مجتمع ہوں۔ لیکن یہ بات تب ہی حاصل ہوتی ہے جب محبوب میں وہ سب صفات کمال ہوں جن کی وجہ سے وہ تعظیم کا بھی مستحق ہو اور محبت کا بھی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ صفات کمال سے متصف ہونے کی وجہ سے زیادہ تر مستحق ہے' اس لیے اسی کا استحقاق ہے کہ تعظیم و تکبیر اسی کے لیے ہو' اس سے ہیبت کھائی جائے۔

حقیقت شرک: اور دل کے تمام اجزاء کے ساتھ محبت و مؤدت اس سے کی جائے اور کسی کو بھی اس میں اللہ پاک کا شریک نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ وہی شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائے گا کہ اس محبت و تعظیم میں اللہ تعالیٰ اور غیر کو برابر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ ﴾ (البقرة ۲/ ۱۶۵)

"لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا اوروں کو شریک بناتے ہیں' ان کے ساتھ ویسی محبت رکھتے ہیں جو اللہ کے ساتھ چاہیئے' مگر مومن اللہ کی محبت میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔"

اس میں ظاہر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے ساتھ اللہ جیسی محبت کرتا ہے، وہ اللہ کے ساتھ ند (شریک) بناتا ہے۔ دوزخی اپنے معبودوں کو خطاب کر کے کہیں گے:

﴿ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾

(الشعراء ٢٦/ ٩٧-٩٨)

"اللہ کی قسم! ہم صریح گمراہی میں تھے، جب کہ تم کو رب العالمین کے برابر سمجھا کرتے تھے۔"

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ آسمان و زمین کی پیدائش میں یا اپنے اور آباؤ اجداد کی پیدائش میں اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ ان کو رب العالمین کے ساتھ محبت میں برابر رکھتے تھے اور یہی حقیقت عبادت کی ہے کہ اس میں محبت اور ذلت ملی ہوئی ہو۔ اور یہی ہے جلال و اکرام جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مبارک کی توصیف فرمائی ہے۔

**﴿ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ کی شرح:** فرمایا: ﴿ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ جلال تو تعظیم ہے اور اکرام محبت ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر میں بھی یہی راز ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلِظُّوْا بِيَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ»

"یعنی یا ذوالجلال والاکرام کو لازم پکڑو۔"

اور اسے ورد زبان بنالو۔ ابو یعلیٰ موصلی کی سند میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ انہوں نے اسم اعظم کا معلوم کرلینا چاہا۔ تو انہوں نے خواب میں آسمان کے اندر ستاروں سے لکھا ہوا دیکھا:

«يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰات وَالْاَرْضِ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ»

## نبی ﷺ کی محبت و تعظیم وہی کرے گا جو اللہ کی محبت و تعظیم کرتا ہے

واضح ہو کہ بشر کی جس قدر محبت و تعظیم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم کی اتباع (پیروی) میں ہونی چاہیئے' مثلاً رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم۔ یہ بھی درحقیقت اللہ پاک کی (جو نبی ﷺ کو بھیجنے والا ہے) محبت و تعظیم کی وجہ سے ہے۔ بے شک جو مومن رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کی وجہ سے ہے اور جو آپ کی تعظیم و اجلال کرتے ہیں اس کا باعث تعظیم و اجلال الٰہی ہے۔ اہل ایمان و اہل علم و صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت و تعظیم کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نبی ﷺ کی محبت و تعظیم کے تابع ہیں۔ المختصر۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنی محبت و مہابت (ڈر' خوف) کا حصہ بکثرت عطا فرمایا ہے اور ہر ایک مخلص و مومن کو بھی کم و بیش اس میں سے ایک حد تک لطف و سرور عطا کیا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن کو حلاوت و مہابت دی جاتی ہے' جس کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جاتی ہے اور اس کی ہیبت و جلال بھی دلوں پر پڑتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مومن کو خلعت ایمان پہنا دیتا ہے اور وہ ہیبت و محبت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بشر' ہیبت و جلال اور محبت و تعظیم کے لائق نہ تھا۔

**نبی ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت:** عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو کر کہا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی دشمن نہ تھا لیکن اسلام کے بعد آپ سے زیادہ پیارا اور بزرگ میری آنکھوں میں کوئی بھی نہیں۔ کہا اگر مجھ سے کہا جائے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی توصیف تم سے کروں تو میں اپنی طاقت نہیں دیکھتا'

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا اس قدر جلال تھا کہ میں آنکھ بھر کر چہرۂ مبارک پر نظر نہ ڈال سکتا تھا۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قریش سے کہا لوگو! اللہ کی قسم! میں کسریٰ (شاہ ایران) اور قیصر (شاہ روم) اور دیگر بادشاہوں کو دیکھ چکا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کو نہ دیکھا کہ اس کے مصاحبین اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جو نبی ﷺ کے اصحاب آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ لوگ از راہ تعظیم چہرہ کی جانب نظر بھی نہیں اٹھاتے اور آپ اگر تھوکتے بھی ہیں تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا' کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہی گرتا ہے اور وہ اسے اپنے چہرہ و سینہ پر مل لیتا ہے' پھر جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو استعمال شدہ پانی پر تو گویا لڑائی ہونے والی ہو جاتی ہے۔

پس جب رسول اللہ ﷺ ایسے ایسے اوصاف سے متصف ہیں جن کا تقاضا ہی یہی ہے کہ آپ پر کثرت سے حمد کی جائے اس لیے حضور کا اسم مبارک محمد (ﷺ) ہوا۔ یہ اسم مسمی کے مطابق ہے اور یہ لفظ معنی سے بھرپور موافقت رکھتا ہے۔

**محمد و احمد ﷺ میں فرق** محمد اور احمد ﷺ میں فرق دو وجہ سے ہے۔

اوّل: محمد کے معنی تو محمود ہیں' یعنی وہ شخص جس کی حمد کے بعد حمد کی جائے۔ پس یہ اسم تو حامدین کی کثرت حمد پر دلالت کرتا ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ وجود باوجود میں حمد کا جواز اور اسباب حمد بکثرت ہوں۔

اور احمد' حمد سے افعل التفضیل (زیادہ فضیلت والا) ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جس حمد کے مستحق رسول اللہ ﷺ ہیں' اس کا درجہ اس حمد سے افضل و برتر ہے جس کا مستحق کوئی اور ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ تو حمد کی کثرت بلحاظ کمیت میں ہے اور احمد حمد کی کثرت بلحاظ کیفیت میں اور رسول اللہ ﷺ محامد بشری میں اکثر اور افضل کے لائق و مصداق ہیں۔

دوم: محمد کے معنی تو وہی ہیں جو بیان ہو چکے ہیں اور احمد وہ ہے جو اپنے پروردگار کی حمد زیادہ تر کرتا ہو۔ پس اسم محمد سے تو یہ ثابت ہوا کہ نبی ﷺ محمود ہیں اور اسم احمد

سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں۔

یہ معنی قیاس نحوی پر مبنی ہیں، کیونکہ بصریین کے نزدیک افعل التفضیل اور تعجب فعل فاعل پر مبنی ہوتے ہیں نہ فعل مفعول پر، اس خیال سے کہ یہ فعل لازم سے بنتے ہیں نہ متعدی سے، اسی لیے فَعَل و فعل سے فعل کی بنا پر نقل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر دلیل یہ ہے کہ فعل کو مفعول کی طرف متعدی ہمزہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس ہمزہ اس میں تعدیہ کے لیے ہوتی ہے۔ مثلاً مَا اَظْرَفَ زَیْدًا وَ اَکْرَمَ عَمْرًوا کیونکہ اصل میں یہ ظرف و کرم ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ متعجب منہ دراصل فاعل ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کا فعل متعدی نہ ہو۔ یہ کہتے ہیں کہ مَا اَضْرَبَ زَیْدًا لِعَمْرٍو جو پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا فعل فی الاصل متعدی ہے۔ سو یہ تو ضرب سے وزن فعل لازم پر نقل کر کے پھر ہمزہ تعدیہ کے ساتھ اس کو متعدی بنایا گیا ہے اور اس کی دلیل لام کا لانا ہے۔ چنانچہ مَا اَضْرَبَ زَیْدًا لِعَمْرٍو بولتے ہیں، اگر یہ تعدیہ پر باقی ہوتا تو لام کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ایک کی طرف بنفسہٖ متعدی تھا اور دوسرے کی طرف ہمزہ تعدیہ سے، لیکن جب اسے مفعول کی طرف ہمزہ تعدیہ سے اور دوسرے کی جانب لام سے متعدی بنایا گیا ہے تو اس سے فعل کا لازم ہونا سمجھا گیا۔ غرض یہ وجہ ہے جس نے بصریوں کو ضروری ٹھہرا دیا ہے کہ فعل فاعل سے ہی اس کو بنایا جائے اور جو فعل مفعول پر واقع ہو اس سے نہیں۔

دوسرا گروہ اس بارے میں اختلاف رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فعل تعجب و تفضیل کی بناء جائز ہے کہ فعل فاعل سے ہو اور جائز ہے کہ واقع بر مفعول سے۔ عرب بولتے ہیں: مَا اَشْغَلَهٗ بِالشَّیْئِ دیکھو یہ شُغِلَ بِهٖ سے بنایا گیا ہے اور تعجب مَشْغُوْلٌ بِالشَّیْئِ پر ہے نہ شاغل پر۔ اسی طرح مَا اَوْلَعَهٗ بِكَذَا بولتے ہیں۔ یہ بھی مفعول پر مبنی ہے۔ عرب نے التزام کر لیا ہے کہ اس فعل کی بناء پر مفعول پر نہ ہو نہ فاعل پر۔ اسی طرح مَا اَعْجَبَ بِكَذَا بولتے ہیں یہ اَعْجَبَ بِالشَّیْئِ سے ہے مَا اَحَبَّهٗ اِلَیَّ بولا کرتے ہیں۔ یہ فعل مفعول سے تعجب ہے۔ علیٰ ہذا مَا اَبْغَضَهٗ اِلَیَّ وَاَمْقَتَهٗ اِلَیَّ

اس جگہ ایک مشہور مسئلہ قابل ذکر ہے جو سیبویہ نے بیان کیا ہے، یعنی مَا اَبْغَضَنِیْ لَهُ، مَا اَحَبَّنِیْ لَهُ، مَا اَمْقَتَنِیْ لَهُ تو اس وقت بولتے ہیں جب تم مبغض و محب و ماقت ہو، یعنی تعجب فعل فاعل سے ہے اور مَا اَبْغَضَنِیْ الیہ، ما احبنی الیہ، ما امقتنی الیہ تب بولتے ہیں جب تم مبغوض، محبوب، ممقوت ہو، یہاں تعجب فعل واقع بر مفعول سے ہے۔ پس جو لام کے ساتھ استعمال ہوا وہ فاعل کے لیے ہے اور جو الی سے ہوا وہ مفعول کے لیے۔ علیٰ ہذا ما احبہ الی، ما ابغضہ الی بولا کرتے ہیں جب وہ محبوب و مبغوض ہو۔ اکثر نحاۃ اس علت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

اسی کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام فی المعنی فاعل کے لیے ہے، جب پوچھو گے لِمَنْ ھَذا الفِعْل تو جواب میں کہیں گے لِزَیْدٍ دیکھو لام کے ساتھ جواب ملا اور الی فی المعنی مفعول کے لیے ہے، جب تم پوچھو گے اِلٰی مَنْ یَصِلُ ھٰذا تو جواب میں کہیں گے اِلٰی زَیْدٍ نکتہ اس میں یہ ہے کہ لام دراصل ملک یا اختصاص یا استحقاق کے لیے ہے اور ملک و استحقاق کا مستحق وہی فاعل ہوتا ہے جو مالک و مستحق ہے۔ اور الیٰ انتہائے غایت کے لیے ہے (اور غایت اقتضائے فعل پر منتہی ہوا کرتی ہے) اس لیے الی کا مفعول کے لیے ہونا زیادہ موزوں تھا کیونکہ مفعول پر مقتضائے فعل تمام ہو جاتا ہے۔

فعل مفعول سے تعجب کی مثال کعب بن زہیر کا قول لغت نبوی میں ہے فَلَھُوَ أَخْوفُ عِنْدِی اِذًا کلمہ اس جگہ اخوف خیف سے بنایا گیا ہے نہ خاف سے۔ یہ نظیر احمد کی ہے جو حُمِدَ بروزن سُئِلَ سے ہے نہ کہ حمد بروزن علم سے بولا کرتے ہیں۔ "ما اجنہ من جن فھو مجنون"

بصریین کہتے ہیں کہ یہ سب شاذ ہیں جس پر قاعدہ کو معول نہیں کر سکتے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ تو کلام عرب میں بکثرت موجود ہے اور اسے شذوذ میں سمجھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ شاذ کی تعریف یہ ہے کہ وہ استعمال اور مطرد کلام کے خلاف ہو، سو ایسی حالت نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ لزوم فعل اور اس کو بناو فعل مضموم کی طرف نقل کرنے میں جو تقدیر ظاہر کی گئی ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں اور ہمزہ کے ساتھ متعدی

بنانے کو جو تم نے اپنا تمسک بنایا ہے سو اس کی حالت بھی ایسی نہیں، ہمزہ یہاں متعدی بنانے کے لیے نہیں بلکہ معنی تعجب و تفضیل پر دلالت کرنے کے لیے ہے، جیسے فاعل کا الف اور مفعول کا میم و واوَ اور افتعال کی تا وغیرہ وغیرہ۔ تمام حروف جو فعل ثلاثی سے ملحق ہوتے ہیں تاکہ مجرد مدلول پر جو اضافہ ہو گیا ہے اسے بیان کرتے رہیں پس یہی سبب ہے جس سے ہمزہ یہاں لایا گیا نہ کہ صرف فعل--- کا متعدی بنانا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جو فعل ہمزہ سے متعدی کیا جاتا ہے اس کا متعدی کرنا حرف جر یا تضعیف سے بھی جائز ہے، کہا کرتے ہیں:

«اجلست زيدا وجلسته وجلست واقمته وقومته واقمت به وانمته وقومته وانمته وآنمته»

وغیرہ وغیرہ بہت نظائر ہیں۔ لیکن جن نظائر میں ہمزہ کا استعمال ہوا ہے۔ وہاں اور کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس لیے یہ دعویٰ باطل ٹھہرا کہ ہمزہ متعدی بنانے کے لیے ہے۔

(۲) حرف تعدیہ اور ہمزہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، مثلاً: اَحْسَنَ بِهِ اور مَا اَكْرَمَ بِهِ بولا کرتے ہیں اور اس کے معنی مَا اَكْرَمَهُ اور مَا اَحْسَنَهُ ہوتے ہیں اور ظاہر ہے فعل میں تعدیہ کرنے والی دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

(۳) عرب بولا کرتے ہیں مَا اَعْطٰى زَيْدًا لِلدَّرَاهِمِ اور مَا اَكْسَاهُ لِلثِّيَابِ یہ اعطی اور کسی صیغہ متعدی سے ہے (اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اعطی اس جگہ عطو سے (جس کے معنی ہاتھ سے لینا ہیں) بنایا گیا ہے، اور اس پر ہمزہ متعدی بنانے کے لیے داخل کر دی گئی ہے۔ گو بعض نے یہی تاویل کی ہے، مگر معنی میں اس سے جو فساد آتا ہے وہ غیر صحیح ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ تعجب تو اعطاء (دہش) پر ہے نہ عطو (گرفت عطیہ) پر اور ہمزہ اس میں تعجب و تفضیل کے لیے ہے اور جو ہمزہ فعل کی تھی وہ حذف کر دی گئی اس لیے اس ہمزہ کو تعدیہ کے لیے نہیں کہہ سکتے۔ رہا بصریین کا یہ قول کہ لام کے ساتھ اسے متعدی بنایا گیا ہے جیسے مَا اَضْرَبَهُ لِزَيْدٍ سے ظاہر ہوتا ہے اور اگر فعل لازم نہ ہوتا تو لام کے ساتھ متعدی نہ بنایا جاتا، سو اس جگہ لزوم فعل کی

بھی وہ حالت نہیں بلکہ وہ تو اس جگہ تقویت فعل کے لیے ہے۔ کیونکہ جب وہ تصرف سے روک دینے اور ایک ہی طریق کے لازم پکڑنے سے کمزور ہو گیا اور سنن افعال سے نکل گیا اور اپنے مقتضی سے کمزور ہو گیا تو لام کے ساتھ اس کو قوت دی گئی ہے اور جس طرح یہاں لام سے تقویت دی گئی اسی طرح جب معمول فعل اس پر مقدم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّؤیَا تَعْبُرُوْن ﴾ علیٰ ہذا اسم فاعل کی حالت میں بھی قوت دی جایا کرتی ہے۔ مثلاً: اَنَا مُحِب لَكَ وَ مُکرِم لزَیْدٍ بولا کرتے ہیں اور یہی مذہب راجح ہے، جیسا کہ تم خود دیکھ سکتے ہو۔

اب ہم مقصود کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نام محمد اور احمد ہے، کیونکہ جس قدر غیر کی حمد کی گئی رسول اللہ ﷺ اس سے کثیر تر اور افضل تر کے مستحق ہیں، پس یہ دونوں اسم مفعول پر واقع ہیں۔ یہی نحوئیین کا مذہب مختار ہے اور یہی مدح میں وسیع اور معنی میں مکمل ہے۔ اگر اس سے معنی فاعل کا ارادہ ہوتا تب حماد نام ہونا چاہیئے تھا، جس کے معنی کثیر الحمد ہیں، مگر نام مبارک تو محمد ﷺ ہے، جس کے معنی محمود کثیر ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ نبی ﷺ سب مخلوق سے بڑھ کر پروردگار کی حمد کرنے والے تھے، مگر اس اعتبار سے اسم مبارک کا حماد ہونا ضروری تھا، لیکن یہ تو نبی ﷺ کی امت کا نام ہے جسے حمادون کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں اسماء کا اشتقاق نبی ﷺ کے اخلاق حسنہ و خصائل محمودہ سے کیا گیا ہے اور ان اخلاق و شمائل سجایا و خصائل کی وجہ سے ہی نبی ﷺ مستحق ہیں کہ اسم مبارک محمد و احمد رکھا جائے۔ نبی ﷺ ہی وہ ہیں جن کی حمد اہل دنیا و آخرت اور اہل زمین و آسمان کرتے ہیں اور جب اس قدر خصائل محمودہ آپ میں پائے گئے ہیں، جن کے شمار سے محاسبین کے اعداد بھی عاجز ہیں تو ان دونوں اسماء کے ساتھ، جو قدر و صفت تفضیل و اضافے کے مقتضی ہیں، رسول اللہ ﷺ موسوم کیے گئے۔

**رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک، محمد پہلے رکھا گیا یا احمد ﷺ:**

ایک گروہ کا قول ہے، انہی میں ابوالقاسم سہیلی وغیرہ ہیں کہ نبی ﷺ کا نام

مبارک احمد پہلے رکھا گیا اور محمد بعد میں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی لیے بشارت میں احمد فرمایا ہے اور اسی لیے ایک لمبی حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! میں اس شان کی ایک امت دیکھ رہا ہوں' تو اسے میری امت بنا دے۔ فرمایا' اے موسیٰ! یہ تو امت احمد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

«اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ أُمَّۃِ اَحْمَدَ»

"الٰہی مجھے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں ہی بنا دے۔"

یہ گروہ کہتا ہے کہ اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاص قرآن مجید میں ہی ﴿ وَ اٰمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﴾ اور ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﴾ آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ احمد تو تفضیل فعل فاعل ہے جس کے معنی اپنے پروردگار کے حامدین میں سے احمد ہیں اور محمد بمعنی محمود ہے یعنی جس کی حمد خلائق کرے۔ پس یہ بات وجود اور ظہور نبوی کے بعد ہی ہو سکتی ہے' اہل سما و ارض کا حمد کرنا بھی وجود و ظہور ہی کے بعد ہے اور اہل موقف کا قیامت کو حمد کرنا بھی ظہور اور خیرات ظہور پر مترتب ہے۔ غرض یہ وجہ ہے کہ اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسم مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متاخر کیا گیا۔ یہ وجہ ایسی ہے جس کا اقرار ہر ایک عالم اہل کتاب بھی جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان ارزانی عطا فرمایا ہے' کرے گا۔

اب ہم اس نص کا ذکر کرتے ہیں جو اہل کتاب کے نزدیک تورات میں ہے اور اس کی تفسیر میں جو اختلاف ہے وہ چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

**تورات میں اسم مبارک کا ہونا:** (ا) جیسا کہ انجیل میں اسم مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے' ایسا ہی انجیل سے پہلے اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا پایا جاتا ہے۔ توراۃ عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ:

"اسمٰعیل کے بارے میں میں نے تیری سنی اور میں نے اس کو برکت و امن بماد ماد سے دی۔ (پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر کے بعد ہے) اس کے بارہ سردار ہوں گے۔ عظیم وہ ہو گا جس کا نام ماد ماد ہے۔"

علماء مومنین اہل کتاب کے نزدیک یہ صریح اسم مبارک محمد نبی ﷺ کا ہے۔
توراۃ کی ایک شرح میں اس متن کے نیچے شارح کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ ان دونوں مقامات پر ہمارے سید و مولیٰ نبی ﷺ کا اسم مبارک محمد درج ہے۔ کیونکہ جب تم ان دونوں کلمات پر غور کرو گے تو ان میں اسم محمد کے حروف پاؤ گے۔ محمد کے دونوں میم اور دال تو بماد ماد' مادماد کے دونوں میم اور ایک دال کے مقابلہ میں ہیں۔ اسم محمد سے ح رہ گئی وہ ان دونوں اسموں کے بقیہ حروف میں پوری ہو جاتی ہے' وہ بقیہ حروف ب اور دونوں الف اور دوسری دال ہیں۔ کیونکہ ح کے عدد آٹھ ہیں اور ب' ا' ا' د کے مجموعی اعداد بھی آٹھ ہیں' تو تورات کے دونوں اسماء میں اسم مبارک محمد کا ۳/۴ یعنی تین چوتھائی حصہ تو بعینہ موجود ہے۔ رہا ۱/۴ یعنی ایک چوتھائی حصہ تو اس پر تورات کے کلمات کے بقیہ حروف صورت کتابت پر دلالت کر رہے ہیں۔
اگر کوئی پوچھے کہ اس تاویل میں تمہارا مستند کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ علماء یہود کا تورات کے حروف مشکلہ کی تاویل میں جو مستند ہے وہی ہمارا بھی ہے' مثلاً تورات میں ہے کہ:

"اے موسیٰ! بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ ہر ایک شخص اپنے کپڑے کے گوشہ پر ایک نیلا ڈورا لگائے جس کے آٹھ سرے ہوں اور ان میں پانچ گرہیں ہوں اور اس کا نام صَیصِیت رکھا جائے۔"

علماء یہود کہتے ہیں کہ اس کی تاویل و حکمت یہ ہے کہ اس کے دیکھنے اور نام لینے سے اللہ تعالیٰ کے فرائض یاد آ جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو (۶۱۳) احکام دیئے تھے۔ اب دیکھو کہ صیصیت کے اعداد (۶۰۰) ہیں (ص:۹۰' ی:۱۰' ص:۹۰' ی:۱۰' ت:۴۰۰) اور نیلے ڈورہ کے ۸ سرے اور ۵ گرہیں ۱۳ ہوتے ہیں۔ گویا یہ کپڑا اپنی صورت اور نام سے بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کو یاد رکھ۔ یہی شارح کہتا ہے کہ بعض مفسرین نے جو کہا ہے کہ:

"ان دو حرفوں سے مراد جداً جداً ہے کیونکہ تورات میں لفظ مآد مفرد طور پر بھی بمعنی جداً آیا ہے۔"

یہ صحیح نہیں، جس کو بماد ماد کی باء متصلہ غلط بتا رہی ہے انا اکرمک بجداً میں حرف ب کلام مستقیم میں سے نہیں، مگر بماد ماد تو ایسا لفظ ہے کہ جب الواح جواہر کی تورات ازلیہ کو جو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام پر اتری تھیں، خط یونی میں نقل کیا گیا تو یہ لفظ صرف ب سے موصل تھا، جس سے ثابت ہوا کہ نہ تو یہ ماد ہے اور نہ اس کے معنی جداً ہیں۔ اس کی دلیل دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اس سے بارہ سردار نکلیں گے اور ان میں سے ایک کی اولاد میں سے بمادماد ہو گا۔"

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ دونوں حرف ایک معین سردار کا اسم علم ہے، جو نبی اسمٰعیل ہو گا۔ اب جو شخص حرف ب کو بمعنی مصدر (تاکید کے لیے) کہتا ہے، اس کا قول باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس میں اسم شخص ہونے کی تصریح اس شخص کے دعویٰ کو توڑتی ہے جو اسے کسی معنی کا نام بتلاتا ہے۔

اس شخص کے سوا اوروں نے کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے تورات میں ہونے کا ثبوت دینے کے لیے اس بے جا تکلف کی ضرورت بھی کیا ہے، تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک تو اور بھی زیادہ صراحت سے ہے۔ کیونکہ تورات زبان عبریہ (عبرانی) میں ہے جو لغت عربیہ سے قریب اور دیگر لغات کی نسبت عربیت سے قریب تر ہے اور تم دیکھو گے کہ ان دونوں زبانوں میں اکثر اختلاف تو صرف ادائے حروف اور تکلم کا ہے۔ تفخیم یا ترقیق سے، ضم یا فتح سے۔ چنانچہ ہر دو لغات کے مفردات پر نظر غور ڈالنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

| عربی | عبری | | عربی | عبری |
|---|---|---|---|---|
| لا | لو | عربی میں لام پر ضمہ ہے اور آواز الف واؤ کے درمیان درمیان | | |
| | | | عالم | عولام |
| قدس | قدسی | | کیس | کیس |
| انت | انا | | یاکل | یوکل |

| عربی | عبری | | عربی | عبری |
|---|---|---|---|---|
| | | | تین | تئین |
| یأتی | یُؤتی | عبری میں یاء اول پر ضمہ اور | | |
| قدسک | قدسحا | الف وواؤ کے درمیانی آواز | اله | اولوه |
| منه | ممنو | | الهنا | اولوهینو |
| یهوذا | میهوذا | | ابانا | ابوتینا |
| سمعتک | شمعنیخاً | | یاصبع اللّٰه | یاصباء الوهیم |
| من | می | | ابن | ابنو |
| یمینه | مینو | | حلیب | حالوب |
| له | لو | واؤ الف کی درمیانی آواز | لا تاکلوا | لو توکلوا |
| أمة | امو | | کتب المثنی | کتب المشی |
| ارض | أیرض | | لا تاکل الجدی | لو توکل لذابا |
| واحد | إیحاد | | فی حلیب امه | حالوب امو |

ہر دو لغات کی تقارب (قریب قریب ہونے) کے بارے میں بحث طویل ہے اور اسی کے اندر وہ راز بھی مخفی ہے جو دونوں شریعتوں کے تقارب میں ہے اور جس وجہ سے قرآن مجید کے چند مقامات پر قرآن اور تورات کا ایک ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے' چنانچہ فرمایا کہ:

﴿ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا۟ بِمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۖ قَالُوا۟ سِحْرَانِ تَظَٰهَرَا وَقَالُوٓا۟ إِنَّا بِكُلٍّ كَٰفِرُونَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَأْتُوا۟ بِكِتَٰبٍ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَآ أَتَّبِعْهُ ﴾ (القصص ۲۸/ ۴۸-۴۹)

"کیا اس سے پہلے جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا تھا اس کا کفر نہیں کر چکے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں جادوگر ہیں' ایک دوسرے کی مدد پر انہوں نے کہا ہم دونوں کو نہیں مانتے۔ کہہ (یحییٰ) کہ کوئی کتاب الٰہی ایسی لے آؤ جو ان دونوں (تورات و قرآن) سے زیادہ ہدایت نما ہو' میں اس پر چلوں گا۔"

اور سورۂ انعام میں وحی کے رد میں فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ أَنزَلَ ٱلْكِتَٰبَ ٱلَّذِى جَآءَ بِهِۦ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ﴾

(الأنعام٦/ ٩١)

"دریافت کرو جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے جو لوگوں کے لیے نور و ہدایت تھی وہ کس نے اتاری تھی۔"

اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَهَٰذَا كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ ٱلَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ٩٢)

"یہ کتاب جسے ہم نے اتارا' مبارک ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا ٹھہراتی ہے۔"

اسی سورت کے آخر میں فرمایا:

﴿ ثُمَّ ءَاتَيْنَا مُوسَى ٱلْكِتَٰبَ تَمَامًا عَلَى ٱلَّذِىٓ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾ وَهَٰذَا كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ مُبَارَكٌ فَٱتَّبِعُوهُ وَٱتَّقُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٥٥﴾ ﴾

(الأنعام٦/ ١٥٤-١٥٥)

"پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو خوبیوں میں کامل اور ہر ایک تفصیل پر مشتمل اور ہدایت اور رحمت تھی' تاکہ وہ لقاء ربانی پر ایمان لائیں اور اس کتاب کو ہم نے اتارا ہے' برکتوں والی ہے' اس پر چلو اور تقویٰ رکھو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

آل عمران کے شروع میں ہے:

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ ﴿٣﴾ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ (آل عمران٣/ ٣-٤)

"آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری جو اپنے سے پہلی کی تصدیق کرتی ہے اور قبل ازیں لوگوں کی ہدایت کے لیے تورات اور انجیل اتاری۔"

پھر فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَـٰرُونَ ٱلْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِٱلْغَيْبِ وَهُم مِّنَ ٱلسَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَهَـٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَـٰهُ أَفَأَنتُمْ لَهُۥ مُنكِرُونَ ﴿٥٠﴾ ﴾

(الأنبياء٢١/ ٤٨-٥٠)

"پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان و ضیاء اور متقین کے لیے ذکر دیا' جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے اور قیامت سے خوف رکھتے ہیں۔ یہ ذکر مبارک ہے جس کو ہم نے اتارا ہے کیا تم اس کا انکار کرو گے۔"

بے شک یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اسے بار بار دہرایا ہے اور اس پیرایہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی ہے' چنانچہ جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف و ایذا دی تو فرمایا:

«وَلَقَدْ أُوْذِيَ مُوْسٰى بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ»

"تحقیق موسیٰ اس سے زیادہ ستائے گئے اور انہوں نے صبر کیا۔"

بے شک یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ میری امت میں وہی کچھ ہو گزرے گا جو کچھ بنی اسرائیل میں ہوا' حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا ہوا ہے جو علانیہ ماں پر چڑھ بیٹھتا ہو تو اس امت میں بھی ایسا شخص پایا جائے گا۔

اب تم اس تناسب میں جو دونوں کتابوں اور دونوں شریعتوں (مراد وہ شریعت صحیحہ ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوا) اور دونوں امتوں اور دونوں زبانوں میں ہے تامل کرو اور اس تامل کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ماد ماد کے حروف پر نظر ڈالو۔ ماد ماد کو ماذ ماذ بھی لکھا گیا ہے۔ میم تو محمد اور ماد ماد میں برابر ہیں' الف و ح کا مخرج ایک ہے (محمد و ماد ماد ایک ہو گئے) اگر ماذ ماذ بھی کہیں تب بھی دال کی جگہ ذال بہت سے مقامات میں بولی جاتی ہے۔ مثلاً ایحاذ واحد کو اور قوذس قدح کو' وجہ یہ ہے کہ د' ذ دونوں متقارب (قریب قریب) ہیں اور دونوں زبانوں پر غور کرنے سے کچھ شک نہیں رہ جاتا کہ یہ دونوں اسم ایک ہی ہیں۔ ہمارے مدعا کے لیے اور بھی نظائر ہیں' مثلاً موسیٰ عبرانی میں موشی ہے اور موشی مرکب ہے' مو پانی اور شی درخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

پانی اور درخت کے پاس سے نکالا گیا تھا اس لیے یہ نام رکھا گیا۔ غرض محمد اور ماذ ماذ میں وہی فرق ہے جو موسیٰ اور موشی میں ہے۔ علیٰ ہذا اسمٰعیل کو عبرانی میں یشماعیل اور عیص (برادر یعقوب علیہ السلام) کو عیصے کہتے ہیں غرض مختلف علوم میں ایسی نظائر بہت ہیں اور اشتقاقات میں بھی۔ چنانچہ یسمعون کو بشماعون، اقیم کو آقیم، لھم کو لاھیم، من قارب کو می قارب، اخوتھم کو آخیھم بولتے ہیں اور یہ ایسے قواعد ہیں جن کا اعتراف علماء اہل کتاب میں سے ہر ایک مومن عالم کرے گا۔

اس تمام بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمد، تورات میں بھی محمد ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں محمدؐ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اب رہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر اسم مبارک احمد کے ساتھ کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اسم مبارک احمد اسم مبارک محمد سے جو تورات میں ہے بعد میں واقع ہوا ہے گو قرآن مجید میں اسم مبارک محمد سے متقدم ہے اور دونوں (توراۃ و قرآن) کے درمیان مذکور ہے۔

## تورات میں اسم محمد کیوں ہے اور انجیل میں احمد کیوں؟ اور قرآن مجید میں دونوں کیوں جمع ہوئے

ان دونوں اسماء محمد اور احمد میں جو وصفیت ظاہر کرتے ہیں، علمیت کے لحاظ سے فی الحقیقت اس میں کچھ تضاد نہیں بلکہ دونوں کے معانی مقصود ہیں۔ رہی یہ بات کہ تورات میں محمد کیوں ہے اور مسیح علیہ السلام نے احمد کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس امت کے نزدیک جو وصف زیادہ تر معروف تھا اسی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر فرمایا گیا۔ اس کی شرح یہ ہے کہ محمد حمد سے مفعل کے وزن پر ہے اور یہ اس کثیر الاوصاف شخص کو کہتے ہیں جس کے خصال حمیدہ اور صفات ستودہ پر مسلسل اور مکرر حمد کے بعد حمد کی جائے۔ اس اسم کے معنی کی معرفت تب ہو سکتی ہے جب خصال خیر

اور انواع علوم و معارف اور اخلاق و اوصاف و افعال سے، جن پر حمد کا تکرار ضروری ہے، معرفت حاصل ہو اور اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل علم اول کے صاحب تھے اور ان کو وہ کتاب ملی تھی جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

﴿ وَكَتَبْنَا لَهُۥ فِى ٱلْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱٤٥)

"اس کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت تختیوں پر لکھ کر دے دی۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت حضرت مسیح علیہ السلام کی امت سے علم و معرفت میں زیادہ تر وسیع تھی اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح کی شریعت تورات اور احکام کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ تم حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی کرامت کو دیکھو کہ وہ احکام میں دار و مدار تورات پر ہی رکھتے ہیں اور انجیل تورات اور اس کے محاسن کی تکمیل کرتی ہے۔ اور قرآن مجید دونوں کتابوں کے محاسن کا جامع ہے۔ غرض اس امت (یہود) کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت اسم محمد کے ساتھ کرائی گئی جو خصال خیر کا جامع ہے، جن کی وجہ سے آپ بار بار حمد کے مستحق ہیں اور امت مسیح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت اسم احمد کے ساتھ کرائی گئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمام وہ محامد جن کا مستحق کوئی شخص ہو سکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل طور پر اس کے مستحق ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کی امت کو ریاضات و اخلاق و عبادات میں جو درجہ حاصل ہے وہ امت موسوی کو نہیں۔ ان کی کتاب کو دیکھو، اس کا بڑا حصہ مواعظ و زہد و اخلاق ہے اور نہ کوئی حلم و عفو کی تعلیم۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ شریعتیں تین ہیں۔

① شریعت عدل، جو تورات ہے۔ اس میں حکم اور قصاص ہے۔

② شریعت فضل، جو انجیل ہے۔ اس میں عفو اور مکارم اخلاق اور درگذر و احسان کی تعلیم ہے۔ مثلاً اس میں درج ہے کہ جو شخص تیری چادر چھینے تو اسے پیرہن بھی دے دے، جو تیرے دائیں رخسار پر طمانچہ لگائے اس کی

جانب بایاں رخسار بھی کر دے' جو تجھے ایک میل بیگار لے چلے تو اس کے ساتھ دو میل چل وغیرہ وغیرہ۔

③ شریعت عدل و فضل کی جامع ہے جو قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کو دیکھو کہ وہ عدل کا بیان ہے اور اسے فرض قرار دیتا ہے۔ پھر فضل کا بیان کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی جانب بلاتا ہے فرمایا:

﴿ وَجَزَٰٓؤُاْ سَيِّئَةٖ سَيِّئَةٞ مِّثۡلُهَاۖ فَمَنۡ عَفَا وَأَصۡلَحَ فَأَجۡرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٠﴾ ﴾ (الشوریٰ ٤٢/ ٤٠)

"بدی کا بدلہ بد ہے اتنا ہی' پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کو اللہ پاک سے اجر ملے گا' اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی شریعت شریعت فضل نیز شریعت موسوی کی تکمیل ہے اسی طرح اس امت کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اسم مبارک لیا گیا جو افضل التفضیل ہے اور فضل و کمال پر دال۔ اب رہی وہ کتاب جو کتب سابقہ کے محاسن کی جامع ہے۔ اس میں دونوں اسماء مبارک ہیں۔ اس فصل پر خوب تدبر کرو اور اسماء کے ساتھ معانی کو جو ارتباط و مناسبت ہے اسے اچھی طرح ذہن میں کر لو (الحمد للہ)

رہا قول ابو القاسم کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک محمد ظہور وجود کے بعد ہے کیونکہ خلائق کا حمد کے بعد حمد کرنا اسی وقت مترتب ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اسم مبارک احمد میں بھی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ رہا ان کا یہ قول کہ اسم مبارک احمد اسم مبارک محمد سے متقدم ہے' اس دلیل کے ساتھ کہ احمدؐ کے معنی ہیں' پروردگار کی حمد کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر حمد کرنے والا اور یہ مقدم ہے اس امر پر کہ خلائق اس شخص کی حمد کرے۔ سو واضح ہو کہ ہم اس قول کو اس بناء پر تو صحیح مان سکتے ہیں جب کہ لفظ احمد فعل فاعل سے تفضیل سمجھا جائے' لیکن دوسرے قول صحیح کی صورت میں کہ فعل مفعول سے تفضیل سمجھا جائے' تب یہ قول ٹھیک نہیں جس کی مفصل تقریر پہلے لکھی جا چکی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

## چوتھی فصل

# لفظ آل کے معنی اور اشتقاق و احکام کا بیان

آل کے معنی: واضح ہو کہ لفظ آل کی تحقیق میں دو قول ہیں:

**قول اوّل** آل دراصل اہل ہے (ھ) ہمزہ سے بدل کر آل ہو گیا۔ پھر اور الفاظ پر قیاس کر کے سہولت کے لیے آل بنا لیا اور جب اس کی تصغیر بنانے لگے۔ تب اپنی اصلیت پر آگیا۔ کیونکہ آل کی تصغیر اُہیل ہے۔

علماء کہتے ہیں چونکہ یہ ایک فرع کی فرع تھا--- اس لیے جن اسماء کی طرف اس کی اضافت ہو سکتی ہے' اسے بھی مخصوص کر دیا گیا ہے' مثلاً یہ کہ اسے اسماء زمان و مکان کی جانب مضاف نہیں کرتے اور نہ اعلام کے سوا اور کسی جانب' مثلاً آل رجل اور آل امراۃ نہیں بولتے بلکہ بجز عظیم القدر شخص کے اور کسی جانب اس کو مضاف نہیں کرتے۔ واضح ہو کہ یہ قول چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے کہ:

① اس پر کوئی دلیل نہیں کہ آل دراصل اہل ہے۔

② اس سے کسی سبب کے بغیر اور باوجود مخالفت اصل کے قلب شاذ کا جائز ہونا لازم آتا ہے۔

③ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ اہل عاقل وغیرہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور لفظ آل نہیں ہوتا۔

④ لفظ اہل علم اور نکرہ دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے برخلاف آل کے' جو ایسے معظم شخص کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے جس کی شان یہ ہو کہ اس کی جانب دوسرے کو رجوع کرنا پڑے۔

⑤ اہل ظاہر و مضمر دونوں کی جانب مضاف ہوتا ہے اور آل کو مضمر کی جانب

مضاف کرنے میں علماء نحو کا اختلاف ہے۔ جو اسے جائز کہتے ہیں وہ شاذ و قلیل ہیں۔

⑥ جب کوئی شخص آل کی جانب مضاف ہوتا ہے تو وہ خود بھی اس میں داخل ہوتا ہے، چنانچہ اَدۡخِلُوۡا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ اور اِلَّاۤ اٰلِ لُوۡطٍ نَجَّیۡنٰا ھُمۡ بِسَحَرٍ وغیرہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیۡ اَوۡفٰی قاعدہ مذکورہ تو اس صورت میں ہے جب صاحب اضافت کا جداگانہ ذکر نہ ہو، لیکن جب اس کا جدا ذکر ہو اور آل کا جدا تب بعض تو کہتے ہیں کہ اس کا ذکر گویا دو دفعہ ہو گیا' ایک تو لفظ آل کے اندر اور دوسرے مفرد طور پر اور بعض کہتے ہیں کہ جب جداگانہ اس کا ذکر موجود ہے تو پھر اس کو بھی آل میں داخل کرنا کیا ضروری ہے۔ اب دیکھو اہل اس کے برخلاف ہے' کیونکہ جب تم کہو گے جَاءَ اَھۡلُ زَیۡدٍ تب خود زید اس کے اندر شامل نہ ہو گا۔

**دوسرا قول** یہ ہے کہ آل کی اصل اوّل ہے' چنانچہ صاحب صحاح نے اس کا ذکر اَوَل کے باب میں کیا ہے اور آل الرجل کے معنی اس کے اہل و عیال و اتباع لکھے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ لفظ آل یؤول سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع ہیں اور آل الرجل سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور مضاف ہوتے ہیں اور سیاست وغیرہ میں ان کا مآل کار وہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایالت کے معنی سیاست بھی اسی لیے آئے ہیں اور چونکہ انسان کے لیے خود اپنے نفس پر سیاست زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے لفظ آل میں وہ بھی داخل ہوتا ہے۔ غرض یہ مادہ اصل اور حقیقت شے کے لیے موضوع ہے اور اسی لیے حقیقت شے کا نام تاویل ہے کیونکہ حقیقت وہی ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان معنی میں فرمایا ہے:

﴿ هَلۡ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأۡوِيلَهُۥۚ يَوۡمَ يَأۡتِي تَأۡوِيلُهُۥ يَقُولُ ٱلَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِٱلۡحَقِّ﴾ (الأعراف ۷/ ۵۳)

"وہ حقیقت حال کے ہی منتظر ہیں، مگر جب حقیقت کھلے گی تو جو اس سے

پیشتر اسے بھولے رہے تھے' وہ کہیں گے کہ ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے۔"

دیکھو یہاں جو کچھ رسولوں نے بتایا تھا' اس کی حقیقت کے کھلنے اور کھلم کھلا دیکھنے کا نام تاویل فرمایا' انہی معنی میں ہے تاویل رؤیا جس کے معنی وہ حقیقت خارجہ ہے جو عالم مثال میں خواب دیکھنے والے کے لیے بتلائی گئی ہے:

﴿ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٥٩ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"یہی ہے بہتر اور اچھا انجام۔"

میں لفظ تاویل بمعنی عاقبت ہے' وجہ یہ ہے کہ عواقب امور وہ حقائق ہیں جس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ تاویل کے معنی تفسیر بھی اسی لیے ہیں کہ تفسیر کلام سے اس معنی و حقیقت کا جو مرادِ قائل ہو بیان ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس معنی کے اعتبار سے لفظ اول بنا ہے۔ کیونکہ اعداد کی اصل اور بنیاد جس پر فرع نکلتی ہے' پہلا عدد ہوتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے آل کے معنی نفس شخص ہیں۔

اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ اہل عرب لفظ آل کو اضافت کے ساتھ بالالتزام استعمال کرتے ہیں۔ بجز شاذ و نادر اور یہ بھی التزام ہے کہ اسے ظاہر کی طرف مضاف کرتے ہیں اور مضمر کی طرف (بجز قلیل) نہیں' گو ابن مالک وغیرہ بعض نحویوں نے مضمر کی طرف اضافت کا ہونا جائز بتلایا ہے۔

بعض نحویوں کا یہ بھی خیال ہے جیسا کہ اکثر اقوال سے واضح ہے کہ یہ لفظ ذوی العقول کی طرف ہی مضاف کیا جاتا ہے۔ مگر ایک شاعر کے کلام میں آل اعوجا بھی واقع ہوا ہے۔ اعوج گھوڑے کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے احکام میں سے یہ ہے کہ اس کی اضافت ہمیشہ جلیل القدر صاحب شان شخص کی جانب ہوتی ہے' یعنی اٰل حائک' اٰل الحجَام یا اٰل رَجل کوئی نہیں بولتا۔ حَائِک بمعنی جولاہا۔ حَجام پچھنا یا سنگی لگانے والا۔

<u>آل کے معنی:</u> اب ہم اس کے معنی لکھتے ہیں' آل الرجل کے معنی ہیں خود اس کی ذات اور جو اس کا اتباع کرے اور اس کے اہل و اقارب ہوں۔ پہلے معنی کے اعتبار

سے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ابو اوفیٰ کے حق میں جب وہ صدقہ لے کر آئے تھے۔ اَللّٰھم صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِی اَوْفٰی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یَاسِیْن [1] اور رسول خدا ﷺ کا ارشاد کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰل ابراھیم ہے۔ آل ابراہیم سے مراد خود حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر جو درود مطلوب ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سا ہے' رہی ان کی آل وہ ان کی تبعیت میں ہے۔

ایک گروہ ان کے برخلاف ہے' وہ کہتے ہیں کہ آل کے معنی صرف اتباع و اقارب ہیں جو اور دلائل تم نے بیان کئے ہیں ان میں سے بھی اتباع اور اقارب ہی مراد ہیں۔ چنانچہ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ سے مقصود یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر اس قدر درود بھیجا جائے جس قدر حضرت خلیل کے گھرانے کے کل انبیاء پر بھیجا جاتا ہے' نہ یہ کہ حضرت ابراہیم اکیلوں کے برابر۔ چنانچہ اس کی تصریح کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ سے جو دوسری روایت میں ہے بخوبی ہوتی ہے۔

**الیاسین کی تحقیق:** رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْن اس میں دو قراء تیں ہیں' ایک الیاسین اسمٰعیل کے وزن پر اور اس کی دو صورتیں ہیں:

① الیاس اور الیاسین دونوں نام ہیں' جیسے میکال و میکائیل۔

② الیاسین جمع ہے الیاس کی۔ دراصل الیاسین عبرانی میں دو یا کے ساتھ تھا تخفیف کر کے الیاسین بنایا گیا اور اس سے مراد اتباع ہے۔ سیبوبہ کا یہی قول ہے کہ اس کی مثل اعجمون میں ہے۔ یا یوں کہو کہ الیاس کی جمع محذوف الیاء ہے۔

**قرأت دوم:** سَلَامٌ عَلٰی اٰلِ یَاسِیْن ہے اور اس کی چند وجوہ ہیں:

① یاسین ان کے باپ کا نام ہے' اس کی طرف منسوب کئے گئے جیسے آل ابراہیم۔

② آل یاسین سے مراد خود الیاس ہیں۔ لفظ آل یہاں یاسین کی طرف اس طرح مضاف ہے جس کی بابت اوپر اقوال درج ہو چکے ہیں۔

---

[1] اس میں دو قراء تیں ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ آل یاسین' ایک قراءت ہے۔

③ یاء نسبت اس میں حذف ہے، اصل میں آل یاسینین تھا، آل سے مراد اتباع و دیندار ہیں۔

④ یاسین قرآن ہے اور آل یاسین اہل قرآن ہیں۔

⑤ یاسین نبی اکرم ﷺ ہیں اور آپ کی آل و اقارب و اتباع ہیں۔

یہ سب اقوال جیسا کہ آگے چل کر ذکر ہو گا ضعیف ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ لوگوں کو لفظ آل کی اضافت میں مشکلیں پڑیں، جو قرآن مجید میں فصل کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور جسے بعض قاریوں نے آل یاسین پڑھا تھا، ان کا تو نام ہی الیاس اور الیاسین ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام یٰسین، یاسین، الیاسین تھا۔ بعض کا قول ہے کہ یٰسین یا کسی اور کا نام ہے۔ پھر اختلاف ہے کہ وہ کون ہیں۔ کلبی تو کہتے ہیں کہ یٰسین نبی اکرم ﷺ کا نام ہے اور بعض نے کہا قرآن مجید ہے۔ مگر یہ سب پیچید گیاں ہیں جن کی کچھ ضرورت نہیں۔ میرے نزدیک تو اصل میں آل الیاسین آل ابراہیم کے قیاس پر تھا۔ تو الف و لام کو اول سے اس لیے حذف کر دیا کہ امثال (یعنی الیاسین کے لفظ میں الف و لام کا ہونا) موجود تھے اور خود اسم موضع حذف پر دلالت کرتا تھا۔ اس کی نظائر کلام عرب میں بہت ملتی ہیں، مثلاً جب ایک جیسے ہی حروف اکٹھے ہو جاتے ہیں تو سب حروف کو نہیں بولا کرتے۔ غرض جس کے حذف میں کچھ ڈر نہیں سمجھتے اسے حذف کر دیا کرتے ہیں۔ گو اسی لفظ میں ایسے مقام پر جہاں امثال جمع نہ ہوں حذف کو ترک بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً اِنِّیْ، اَنِّیْ، کاَنِّیْ، لٰکِنِّیْ کا نون حذف کر دیتے ہیں اور لیتنی کا نہیں اور لَعَلَّ میں چونکہ ن، ل کا مشابہ تھا اس لیے اس کے ساتھ ن کو حذف کر دیا۔ عرب کی یہ عادت عجمی ناموں کے استعمال اور ان میں تغیر کرنے کے وقت تو خصوصاً پائی جاتی ہے، بس وہ کبھی تو الیاس، کبھی الیاسین اور کبھی یاسین کبھی یاس کہا کرتے ہیں۔ دونوں قراءتوں میں سے ایک قراءت میں تو سلام صرف ان پر واقع ہو گا اور دوسری قراءت میں ان پر اور ان کی آل پر۔

ہر دو اقوال کے قائلین میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ جب مفرد لفظ آل استعمال کیا جائے تو مضاف الیہ اسی میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی نظائر اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ

الْعَذَابِ اور صِلِّ عَلٰی آلِ اَبِی اَوْفٰی اور کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْم کہ آل فرعون اور آل ابی اوفیٰ میں ابو اوفیٰ رضی اللہ عنہ اور آل ابراہیم میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اب لفظ کے مفرد و مقرون مستعمل ہونے کا فرق معلوم ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ ایک ہی لفظ کی دلالت مجرد اور مقرون استعمال سے مختلف ہو جاتی ہے' مثلاً فقیر و مسکین جب دونوں ایک جگہ ہوں۔ تب دو قسمیں سمجھی جائیں گی اور جب جدا جدا ہوں تب ایک' یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ میں دونوں قسمیں مراد اور کفارات میں ایک۔ ایمان و اسلام' برو تقویٰ' فحش و منکر' فسوق و عصیان وغیرہ وغیرہ بھی ایسے ہی الفاظ ہیں اور ایسی نظائر خصوصاً قرآن مجید میں بہت ہیں۔

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل کے بارے میں اختلاف ہے اور اس میں چار اقوال ہیں۔

**قول اوّل** آل محمد وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(الف) یہ بنو ہاشم و بنو مطلب ہیں۔ یہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(ب) یہ خصوصاً بنی ہاشم ہیں۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ایک روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور اسی کو ابن القاسم صاحب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

(ج) یہ بنی ہاشم ہیں اور ان سے اوپر نسل والے غالب تک' پس اس میں بنو مطلب بنی امیہ بنی نوفل وغیرہ' غرض بنی غالب تک سب داخل ہیں۔ یہ مذہب اشہب جو کہ امام مالک کے اصحاب میں سے ہیں کا ہے جیسا کہ صاحب جواہر نے بیان کیا ہے اور لخمی نے تبصرہ میں اس کو اصبغ کا مذہب بیان کیا ہے۔ اشہب سے روایت نہیں کیا۔

رہے آل کے مذکورہ بالا معنی کہ یہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ یہ امام احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہما اور اکثر علماء سے تحقیق کئے گئے اور ثابت ہیں اور جمہور اصحاب احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔

**قول دوم** نبی اکرم ﷺ کی آل خصوصیت سے حضور کی ذریت و ازواج ہیں۔ اس کو ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید میں بیان کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نعیم مجمر وغیرہ کی حدیث میں تو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ آیا ہے اور ابو حمید ساعدی کی حدیث میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّیَاتِهٖ وارد ہوا ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ آل محمد سے مراد ازواج و ذریت ہیں، ان کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج و ذریت میں سے ہر ایک کو روبرو تو صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ اور پس پشت ذکر آنے پر صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ کہنا جائز ہے لیکن ان کے سوا اور کو نہیں، ان کا قول ہے کہ آل و اہل برابر ہیں اور اس حدیث سے ان کا تعین ہو چکا کہ ازواج و ذریت ہیں۔

**قول سوم** نبی اکرم ﷺ کی آل آپ کے اتباع ہیں، قیامت تک۔ اس قول کو ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم سے بیان کیا ہے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول بتلایا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان ہی سے روایت کیا ہے اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی۔

اسی کو امام شافعی کے بعض اصحاب نے اختیار اور طبری نے تعلیق میں بیان کیا اور اسی کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ترجیح دی اور ازہری نے اس کو پسند کیا ہے۔

**قول چہارم** نبی اکرم ﷺ کی امت محمدیہ کے متقی لوگ ہیں۔ اس کو قاضی حسین اور راغب، نیز ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

اب ہم ان اقوال کے حجج و دلائل بیان کرتے اور صحیح و ضعیف دکھلاتے ہیں۔

**قول اوّل** کہ آل وہ ہے جن پر صدقہ حرام ہے (گو تعین اشخاص میں اختلاف ہے) اس کی حجت کی چند وجوہات ہیں:

① حدیث ابو ہریرہ جسے صحیح میں امام بخاری نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کی کھجوروں کے آنے، حسین کا ان کے ساتھ کھیلنے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک کھجور کا منہ میں ڈالنے، نبی ﷺ کی نظر ان پر جا پڑنے اور منہ میں

انگلی ڈال کر نکال دینے کا ذکر ہے۔ جس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا عَلِمْتَ اَنَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ لاَ يَأْكُلُوْنَ الصَّدَقَةَ»

"کیا تجھے خبر نہیں کہ آل محمد صدقہ نہیں کھاتی۔"

مسلم کی روایت میں ہے:

«اِنَّا لاَ تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ»

"یعنی ہم کو صدقہ حلال نہیں۔"

② صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ خطبہ کہنے کو خم کے پانی پر جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے کھڑے ہوئے' آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور ذکر و وعظ فرمایا اور پھر کہا' لوگو! میں ایک بشر ہوں' قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد (ملک الموت) میرے پاس آ پہنچے' میں تمہارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑتا ہوں' اوّل اللہ عز و جل کی کتاب ہے جس میں نور و ہدایت ہے۔ کتاب اللہ کو پکڑ لو اور اسی پر چنگل مارے رہو" (غرض قرآن مجید کی طرف خوب رغبت و آمادگی دلائی) پھر فرمایا "اور میری اہل بیت' میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے بارے میں" حصین بن سبرہ نے (راوی حدیث صحابی سے) پوچھا اے زید! نبی ﷺ کے اہل بیت کون ہیں' کیا ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت نہیں؟ کہا' ہاں' ازواج کیوں نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ کہا وہ آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پوچھا' کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ کہا' ہاں۔

③ صحیحین میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے فیٔ میں سے میراث لینے کے لیے بھیجا۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ اِنَّمَا يَأْكُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ يَعْنِيْ مَالِ اللهِ لَيْسَ لَهُمْ اَنْ يَّزِيْدُوْا عَلَى الْمَاْكَلِ»

"ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہمارا سب ترکہ صدقہ ہے۔ آل محمد اس مال

یعنی اللہ کے دیئے ہوئے مال فئی میں سے کھاتے ہیں۔ ان کا خوراک سے زیادہ اس میں حق نہیں۔"

اس سے ثابت ہوا کہ آل محمد ﷺ کے چند خواص ہیں۔

- صدقہ سے محرومی۔
- ورثہ نہ ملنا۔
- خمس الخمس کا استحقاق۔
- درود میں اختصاص۔

اور ظاہر ہے کہ خصوصیات بالا نبی ﷺ کے چند اقارب میں ہی پائی جاتی ہیں۔ پس درود بر آل کا بھی یہی حال ہو گا۔

④ صحیح مسلم میں ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس کی درخواست برائے عامل (تحصیل داری آمدنی زکوۃ) کے جواب میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لاَ تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلاَ لآلِ مُحَمَّدٍ»

"کہ یہ صدقات تو لوگوں کی میل کچیل ہے اور یہ نہ محمد ﷺ پر حلال ہیں نہ آل محمد پر (ﷺ)"

⑤ صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دنبہ کو ذبح کرتے وقت فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ»

"یا اللہ! اسے میری اور میری آل اور میری امت کی جانب سے قبول فرما۔"

چونکہ عطف مغائرت کو ظاہر کرتا ہے اور امت بہ نسبت آل کے عام تر ہے' اس لیے ہمارا مدعا نکل آیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے آل کی جو تفسیر خود فرما دی ہے۔ وہ اولیٰ تر ہے۔

**قول دوم** کہ آل محمد ﷺ خصوصیت سے آپکی ذریت و ازواج ہیں، اسکی ایک دلیل تو وہی ہے جو ابن عبدالبر نے تحریر کی ہے کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ اور دیگر احادیث میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ہے۔ گویا ایک کی تفسیر دوسرے میں ہے۔

② صحیحین کی یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے:

«اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا»

"الٰہی! آل محمد کو صرف بقدر خوراک روزی دے۔"

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی یہ دعائے مستجاب تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب پر صادق نہیں آ سکی کیونکہ ان میں اس وقت بھی اغنیاء اور صاحب وسعت تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر ازواج و ذریت پر یہ دعا درست آ سکتی ہے کیونکہ عہد نبوی میں ان کا رزق بقدر قوت تھا اور بعد وفات بھی ازواج کا یہ حال تھا کہ اگر مال آ جاتا تو بقدر قوت رکھ کر صدقہ کر دیتیں۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بہت سا مال آیا اور انہوں نے وہیں بیٹھے ہوئے تقسیم کر دیا۔ لونڈی بولی، اگر آپ اس میں سے ایک درہم رکھ لیتیں تو ہم اس کا گوشت ہی خرید کر لیتے۔ فرمایا، تو یاد دلا دیتی تو میں رکھ لیتی۔

③ صحیحین میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

«مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُوْمٍ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ حَتّٰی لَحِقَ بِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ»

"کبھی تین دن برابر آل محمد نے گندم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کو جا ملے۔"

یہ لوگ کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ آل عباس و بنو مطلب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لفظ اور ارادہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

④ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ازواج عموماً آل میں داخل ہوتے ہیں اور ازواج نبی اکرم ﷺ تو خصوصیت سے ضرور ہے کیونکہ ان کو نسب میں بھی مشابہت ہے۔ یعنی

جو اتصال ان کو نبی اکرم ﷺ سے حاصل ہے وہ ٹوٹنے والا نہیں' بے شک وہ دنیا و آخرت میں آپ کی ازواج اور آپ کی حیات و ممات میں سب پر حرام ہیں۔ غرض جو علاقہ ان کو نبی ﷺ کے ساتھ ہے۔ وہ نسب کا قائم مقام ہے دیکھو ازواج پر درود کی نص نبی ﷺ نے خود فرما دی ہے اسی لیے صحیح قول (جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا منصوص ہے) یہ ہے کہ صدقہ ان پر حرام ہے کیونکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس درگاہ عالی جاہ کو نیز آپ کی آل کو سب میل کچیل سے پاک صاف رکھا ہے۔

جو شخص اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا میں ازواج کو داخل مانتا ہے اور قربانی کی دعا، عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ میں ان کو شامل سمجھتا ہے اور قول عائشہ رضی اللہ عنہا مَاشَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ الخ کا مصداق بھی ازواج کو جانتا ہے اور صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلُ مُحَمَّدٍ میں بھی ان کو داخل سمجھتا ہے' اس پر نہایت ہی تعجب ہے کہ وہ لاَ تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلاَ اٰلِ مُحَمَّدٍ میں ازواج کو شامل نہیں سمجھتا' حالانکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور ازواج کا اس سے محفوظ و دور ہونا زیادہ ضروری ہے۔

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر صدقہ ازواج پر حرام سمجھا جائے۔ تب ان کی لونڈی' غلام پر بھی حرام ہو گا جیسا کہ بنو ہاشم پر حرام ہونے سے ان کی لونڈی غلام پر بھی حرام ہے' مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی بریرہ کو صدقہ کا گوشت ملا اور اس نے کھالیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے حرام نہیں بتلایا۔

جواب یہ ہے کہ یہ قصہ شبہ میں ڈالنے والا ہے اس شخص کے لیے جو ازواج مطہرات کے واسطے صدقہ حلال سمجھتا ہے اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ازواج پر اصلیت کے لحاظ سے تو صدقہ حرام نہیں بلکہ ان کے لیے کہ نبی اکرم ﷺ سے متصل ہونے سے پیشتر ان پر حرام نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس تحریم میں ازواج مطہرات بمنزلہ فرع ہیں اور لونڈی غلام کی تحریم بھی آقا کی تحریم کی فرع ہے' چونکہ بنی ہاشم پر دراصل صدقہ حرام تھا اس لیے ان کے لونڈی غلام پر بھی حرام ہوا جو ان کی تبعیت میں تھے' رہی ازواج' خود ان کی حرمت تبعیت میں تھی اس لیے ان کے

لونڈی غلاموں پر جو فرع کے آگے فرع تھے حرمت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَٰعَفْ لَهَا ٱلْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ ۞ وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتَعْمَلْ صَٰلِحًا نُّؤْتِهَآ أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ۚ إِنِ ٱتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِٱلْقَوْلِ فَيَطْمَعَ ٱلَّذِى فِى قَلْبِهِۦ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ وَقَرْنَ فِى بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتِينَ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ ٱلرِّجْسَ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ وَٱذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِى بُيُوتِكُنَّ مِنْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱلْحِكْمَةِ ۚ ﴾

(الأحزاب ۳۳/ ۳۰-۳٤)

"اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کسی صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی اسے دہرا عذاب دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کے لیے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو' تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو وہ دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے' بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں"۔

دیکھو اس تمام خطاب میں جو انہی کے ذکر میں ہے' ان کو اہل البیت میں داخل

کیا، اب احکام اہل بیت میں سے کسی بات میں بھی ان کو خارج نہیں کر سکتے۔

**قول سوم** کہ نبی اکرم ﷺ کی آل آپ ﷺ کے اتباع و امت تا قیامت ہے۔ اس پر حجت یہ ہے کہ معظم، متبوع شخص کی آل وہ کہلاتی ہے جو اس کے طریق و دین پر ہو۔ قریب ہو یا بعید۔ ان کا قول ہے کہ اس لفظ کا اشتقاق اس معنی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ آل یؤول سے ہے جس کے معنی رجوع ہیں اور ظاہر ہے کہ اتباع کو اپنے متبوع کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ امام و موئل ہے۔ چنانچہ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ نَجَّيْنَا هُمْ بِسَحَرٍ میں یہی معنی مراد ہیں۔ اسی قول کی دلیل حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ہے۔ جسے بیہقی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسنین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور اپنی رانوں پر بٹھالیا پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کو اپنی گود سے قریب کیا اور ان پر کپڑا ڈال کر فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ هٰؤُلاَءِ اَهْلِيْ»

"الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

واثلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں بھی آپ کا اہل بیت ہوں۔ فرمایا:

«وَأَنْتَ مِنْ اَهْلِيْ»

"ہاں تو بھی تو میری اہل بیت میں سے ہے۔"

یہ کہتے ہیں کہ واثلہ رضی اللہ عنہ نسب میں تو بنی لیث میں سے تھے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ اتباع نبوی میں سے تھے۔

**قول چہارم** آل محمد آپ کی امت کے متقی اور پرہیز گار لوگ ہیں۔ اس کی حجت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آل محمد کون ہیں۔ فرمایا:

«كُلُّ تَقِيٍّ»

"یعنی ہر ایک متقی۔"

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُتَّقُونَ ﴾ (الأنفال٨/ ٣٤)

"اس کے جائز متولی تو اہل تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں۔"

طبرانی کہتے ہیں کہ یحییٰ سے صرف نوح روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے میں نعیم اکیلا ہے۔ بیہقی نے اس کو نافع ابو ہرمز سے روایت کیا ہے مگر اس نافع اور نوح سے کسی اہل علم نے حجت نہیں پکڑی بلکہ کذب سے منسوب کیا ہے۔

قول بالا کی دلیل میں اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کو بھی پیش کیا گیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی وجہ سے فرزند نوح علیہ السلام کو اہل نوح سے خارج کر دیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل آپ کے اتباع و فرمانبردار ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب خوب دیا ہے کہ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ سے مراد یہ ہے کہ جس اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم اور نجات دینے کا وعدہ ہوا ہے۔ یہ اس میں سے نہیں۔ چنانچہ آیت بالا سے پہلے یوں ہے: اِحْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ اس سے معلوم ہوا کہ جن کی نجات کا ذمہ لیا گیا تھا یہ ان میں سے نہ تھا (نہ یہ کہ اہل میں سے ہی نہ تھا)

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی صحت پر آیت کا سیاق بھی دلالت کرتا ہے' کیونکہ مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ کے ساتھ ہی وَ مَنْ اٰمَنَ بھی ہے۔ گویا مومنین اور حضرت نوح کی اہل کو جدا جدا کر دیا ہے۔ مؤمنین اور اہل اور کل زوجین یہ سب حمل کے مفعول ہیں۔

**قول چہارم** کی حجت حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ واثلہ کی تخصیص ان کو تعمیم امت کی بہ نسبت قریب تر ثابت کر رہی ہے اور ان کا اہل کے اندر ہونا بتلا رہا ہے کہ جو شخص اس اسم کا مستحق ہو سکتا ہے وہی اہل بیت بھی ہے۔ چاروں اقوال کے دلائل یہی ہیں جو بیان ہو چکے۔

ان میں صحیح قول تو پہلا ہے اور پھر اس کے قریب قریب دوسرا۔ یہ تیسرا اور چوتھا قول ضعیف ہیں۔ کیونکہ اس شبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں کہ صدقہ محمد اور آل محمد پر حلال نہیں اور آل محمد مال فئی میں سے خوراک لیتی رہے اور "الٰہی آل محمد کو رزق بقدر خوراک عطا فرما" سے اٹھا دیا ہے۔ ان احادیث کے

مضمون کو ملحوظ رکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ آل محمد سے مراد عموم امت کو سمجھنا قطعاً جائز نہیں' اس لیے بہتر یہی ہے کہ درود میں بھی آل سے مراد وہی ہوں جو نبی اکرم ﷺ کے دیگر ارشادات میں اس لفظ سے مراد ہیں' ان سے انکار کرنا جائز نہیں۔ رہا یہ امر کہ ازواج و ذریت کی تنصیص ہو چکی ہے' اس سے ازواج و ذریت کی خصوصیت آل ہونے کی ثابت نہیں ہوتی' بلکہ عدم تخصیص ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ»

''یااللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین (رضی اللہ عنہن) اور ان کی اولاد اور اہل بیت پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی۔''

دیکھو اس روایت میں ازواج و ذریت اور اہل بیت ایک جگہ جمع کئے گئے ہیں اور اس تعین سے تنصیص فرما دی ہے کہ یہ سب آل میں داخل ہونے کے حق دار ہیں اس سے خارج نہیں۔ بلکہ اس لفظ کے اندر داخل ہونے والوں میں مستحق تر ہیں' اس حدیث میں گویا خاص کا عطف عام پر ہے۔ جیسا کہ خاص کا عام پر یا عام کا خاص پر عطف ہوا کرتا ہے اور اس سے غرض شرف خاص کو جتلا دینا اور نوع کے اندر جو خصوصیت اسے حاصل ہے اسے ظاہر کر دینا ہوتا ہے' اس لیے کہ افراد نوع میں سے اس کا مستحق تر ہونا واضح ہو جائے۔ واضح ہو کہ خاص و عام کے لیے لوگوں کے دو طریق ہیں۔

① خاص کا ذکر عام سے پہلے یا پیچھے ہونا ایک قرینہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ عام سے مراد ماسوائے خاص ہیں۔

② خاص کا ذکر عام کے ساتھ ہونا بتلا رہا ہے کہ خاص کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے' ایک دفعہ خصوصیت سے اس کا اور دوسری دفعہ عام کی شمولیت میں تاکہ خاص کے مزید شرف پر آگاہی ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مِيثَٰقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۷)

"اور (اے نبی) یاد رکھو اس عہدوپیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے، تم سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے بھی۔"

اس میں فرما کر پھر اولوالعزم رسول شمار کر دیئے۔ فرمایا:

﴿ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَىٰلَ فَإِنَّ ٱللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَٰفِرِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۹۸)

"اگر جبریل سے ان کی عداوت کا یہی سبب ہے، تو کہہ دو) جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں، اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔"

اس میں ملائکہ کہہ کر پھر جبریل و میکائیل کا نام لے دیا۔

واضح ہو کہ درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آل نبی کا ایک حق ہے جو امت میں سے اور کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب ہے (گو آل کی تعیین میں اختلاف ہو) اور جس کے نزدیک واجب نہیں وہ مستحب کہتا ہے۔ بہرحال دیگر مومنین کے لیے درود کا پڑھنا یا تو یہ شخص مکروہ سمجھتا یا مستحب نہ جانتا یا جائز نہ سمجھتا ہو گا۔ لیکن جو شخص آل نبی کو درود کے بارے میں تمام امت کی مثال سمجھتا ہے وہ نہایت ہی بعید فاصلہ پر ہٹا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد (آخر) میں سلام اور صلوٰۃ مشروع کئے ہیں۔ نماز پڑھنے والا تو پہلے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، پھر اپنے نفس پر، پھر تمام صالح بندوں کو جو زمین و آسمان میں ہیں سلام کر چکا۔ رہا درود وہ مشروع ہے خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آل کے لیے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و اقارب ہی ہیں۔

اب یہ خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو درود کا حکم دیا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے حقوق اور خصوصیات کے ذکر کے بعد دیا ہے مثلاً جو عورت اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے ہبہ کر دے اس کا حلال ہونا' ازواج مطہرات کا امت کے لیے حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق و تعظیم اور توقیر و تبجیل کا بیان فرما کر اور ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احکام دے کر پھر اس حق خاص کا بیان فرمایا ہے جو حقوق مصطفوی میں سب سے زیادہ مؤکد و محکم ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا بھیجنا۔ پھر اس حق و ذکر کو شروع بھی کیا تو اس طرح پر کہ خود اللہ تعالیٰ اور فرشتگان نورانی درود خوانی کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب دریافت کیا کہ اس حق کو ہم کیونکر ادا کر سکتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ الخ پڑھنے" سے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آل پر صلوٰۃ کا بھیجنا صلوٰۃ کا کمال نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ کے تابع ہے۔ کیونکہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور شرف و علو مزید ہوتا ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

جو لوگ متقین امت کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ متقی لوگ تو اولیاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو متقی ہو گا وہ اولیاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہو گا نہ کہ آل میں سے ہو سکتا ہے کہ:

① ایک شخص اولیاء نبی میں سے بھی ہو اور آل میں سے بھی۔ جیسے اہل بیت آل مصطفیٰ اور خاندان نبوت کے مومنین ہیں۔

② وہ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے ہو نہ اولیاء میں سے۔

③ آل میں سے نہ ہو اور اولیاء میں سے ہو۔ جیسا کہ علم نبوت کے وارث سُنّت کی طرف بلانے والے' اسلام اور رسول پاک سے اعتراضات اٹھا دینے والے' دین کی نصرت و تائید کرنے والے ہیں۔

چنانچہ صحیح میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اٰلَ أَبِيْ فُلَانَ لَيْسُوْا لِيْ بِاَوْلِيَاءِ إِنَّ اَوْلِيَائِيَ الْمُتَّقُوْنَ اَيْنَ كَانُوْا وَمَنْ كَانُوْا»

"میرے دوست فلاں شخص کی آل نہیں۔ میرے دوست تو متقی لوگ ہیں

خواہ وہ کہیں ہوں اور کوئی ہوں۔" (۱)

مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ نبی ﷺ کے اولیاء ہیں۔ اولیاء آپ کو آل سے زیادہ محبوب ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِن تَظَٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ مَوْلَىٰهُ وَجِبْرِيلُ وَصَٰلِحُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ﴿٤﴾ ﴾ (التحريم ٦٦/ ٤)

"اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر تم نے نبی کے مقابلے میں جتھہ بندی کی تو جان لو کہ اللہ اسکا مولیٰ ہے اور اسکے بعد جبرئیل، تمام صالح اہل ایمان، سب ملائکہ اسکے ساتھی اور مددگار ہیں"

---

(۱) واضح ہو کہ بعض راویوں نے اس حدیث میں غلطی کھائی ہے اور آل ابی بیاض روایت کیا ہے۔ دھوکہ یوں لگا کہ صحیح میں اس طرح پر تھا۔ ان آل ابی--- لیسوالی باولیاء یعنی درمیان میں سفید جگہ تھی، کسی کاتب نے یہ جتلانے کے لیے کہ اس جگہ سفیدی ہے لفظ بیاض لکھ دیا۔ دوسرے صاحب خوش فہم سمجھے کہ بیاض یہاں مضاف الیہ ہے اس کو بنی بیاض بنا لیا۔ حالانکہ عرب میں بنو بیاض کے نام سے کوئی قبیلہ معروف نہیں اور نہ نبی ﷺ نے زبان مبارک سے یہ فرمایا بلکہ نبی ﷺ نے تو اس مقام پر قبائل قریش کے بہت سے قبیلوں کے نام لیے تھے۔ ایسی کتاب کے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ وہ بیاضٌ پڑھے اور اس کے معنی ثُمَّ بِیاضٌ یا هُنا بیاضٌ سمجھے۔ اس کی نظیر کتاب مسلم میں لمبی حدیث بجلی میں ہے یہاں وَ نَحْنُ القیامة ای فوق کذا انظر واقع ہوا ہے اور مطلب یہ کہ ہم اپنے سروں پر ایسا ایسا کچھ دیکھتے تھے۔ غرض ان الفاظ کے کچھ معنی نہیں ہوتے اور یہ صرف کاتبوں کی قلم رانی ہے۔ چنانچہ یہی حدیث اسی سند اور سیاق کے ساتھ مسند امام احمد میں ہے وَ نَحْنُ یَوْمَ الْقِیامَةِ علٰی کُوْمٍ اَوْتَلٍ فَوْقَ النّاسِ۔ کاتب کو تل یا کوم پر آ کر شبہ ہو گیا اور وہ مراد نہ سمجھا حاشیے میں انظر کا لفظ بڑھا دیا اور اسی نے یا کسی اور نے کذا لکھ دیا۔ پھر کسی اور نے ان لفظوں کو جمع کر کے متن میں داخل کر دیا۔ یہ بیان شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ (مصنف)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سے محبوب تر آپ کو کون ہے۔ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کی گئی مردوں میں سے۔ فرمایا پدر عائشہ رضی اللہ عنہا (متفق علیہ)

مطلب اس سے یہ ہے کہ متقین اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۶۲-۶۳)

"سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔"

یہ ظاہر ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں وہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء ہیں۔

جس شخص کا یہ گمان ہے کہ آل اتباع کو ہی کہتے ہیں۔ اس سے عرض کیا جائے گا کہ ہاں، اتباع پر لفظ آل کا اطلاق بعض مواضع میں ہوا ہے مگر قرینہ کے ساتھ۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں کہیں لفظ آل وارد ہوا ہے اس سے مراد اتباع ہی ہے۔ جیسا کہ نصوص بالا سے ثابت کیا گیا ہے۔

## لفظ زوج کی تحقیق

ازواج، زوج کی جمع ہے، جسے زوجہ بھی کہتے ہیں۔ مگر زوج فصیح ہے اور اسی کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے:

﴿ ٱسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ ٱلْجَنَّةَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۳۵)

"تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔"

قصہ زکریا علیہ السلام میں ہے:

﴿ وَأَصْلَحْنَا لَهُۥ زَوْجَهُۥٓ ﴾ (الأنبیاء۲۱/ ۹۰)

"ہم نے اس کی بیوی کو اس کے لیے ٹھیک کر دیا۔"

زوجہ کی مثال ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

«إِنَّهَا زَوْجَةُ نَبِيِّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ»

زوجہ کی جمع زوجات اور زوج کی جمع ازواج آتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَأَزْوَٰجُهُمْ فِى ظِلَٰلٍ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔونَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (یس۳۶/ ۵۶)

"وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں ہیں مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَٰجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ ﴾ (الزخرف۴۳/ ۷۰)

"داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تمہیں خوش کر دیا جائے گا۔"

قرآن لفظ زوج کن معنی میں استعمال کرتا ہے: واضح ہو کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اہل ایمان کا ذکر ہے۔ مفرد یا جمع۔ وہاں تو لفظ زوج استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ ﴾ فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ ﴾ اور جہاں اہل شرک کا ذکر کیا ہے وہاں لفظ اِمْرَاَۃٌ بولا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿ وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ ﴾ فرمایا: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ﴾ چونکہ یہ دونوں مشرکہ تھیں۔ اس لیے اِمْرَاَۃٌ کہا۔ مثلاً فرمایا: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ﴾ فرعون مشرک، بیوی مومنہ اس لیے بیوی کو اس کا زوج قرار نہ دیا۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فرمایا ﴿ اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: ﴿ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ ﴾ مومنین کو فرمایا: ﴿ وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ ﴾ ایک گروہ کا قول ہے (سہیلی بھی ان میں ہی ہے) کہ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام اور فرعون کی بیویوں کو زوج اس لیے نہیں کہا کہ یہ آخرت میں اپنے شوہروں کے ساتھ رہنے والی نہ ہوں گی۔ نیز اس لیے کہ تزویج ایک زیور شرعیہ اور امردین میں سے ہے اس لیے کافرہ کو زیور سے برہنہ رکھا۔ جیسا کہ لوط و نوح علیہما السلام بیویوں کو۔ سہیلی نے اس قول پر خود ہی اعتراض کیا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے قول میں وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا اور قصۂ ابراہیم علیہ السلام میں فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ بھی تو فرمایا ہے۔ پھر یہ جواب دیا ہے کہ ان دونوں مقامات میں لفظ امراۃ لانا ہی زیادہ تر موزوں تھا۔ کیونکہ یہاں حمل اور ولادت کا ذکر ہے اور

لفظ امراۃ ہی صفت انوثت کے لیے جو حمل و ولادت کی مقتضی ہے بہ نسبت زوج کے اولیٰ ہے۔

زوجین کے معنی: میں کہتا ہوں کہ مومنین اور ان کی بیویوں کا ذکر لفظ ازواج کے ساتھ کرنے کا راز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ہم شکل ہونے، ہم جنس ہونے اور قریب ہونے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اور زوجین وہ دو چیزیں ہیں جو متشابہ، متشاکل اور متساوی ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ۞ اَحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۲۲)

"گھیر لاؤ سب ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو۔"

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ازواج سے مراد ان کی نظائر شبیہہ ہیں۔ انہی معنی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ ﴾ (التکویر ۸۱/ ۷)

"یعنی قسم قسم کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔"

اور نعمتیں و عذاب کی اقسام ہوں گی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ صالح، صالح کے ساتھ بہشت میں اور فاجر، فاجر کے ساتھ آگ میں۔ حسن، قتادہ رحمۃ اللہ علیہما اور اکثر مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومنین حور عین کے ساتھ اور کافر شیاطین کے ساتھ اکٹھے کئے جاویں گے۔ یہ معنی بھی قول اول کی طرف راجع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ فرمایا اور پھر اس کی تفصیل مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ فرمائی ہے۔ غرض یہ کہ زوجین کو نوع واحد کے دو فرد قرار دیا ہے اور انہی معنی میں زَوْجَا خُفٍّ اور زَوْجَا حَمَامٍ (جوڑا جراب اور کبوتر کا جوڑا) ہے۔ ہاں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار اور مومنین کے درمیان مشابہت اور مشاکلت کو قطع فرمایا ہے اور لَا يَسْتَوِیْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ارشاد فرمایا ہے۔ پھر دوسری جگہ اہل کتاب میں سے جو مومن ہوئے ان کو کفار سے جدا کر دیا ہے اور لَيْسُوْا سَوَاءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فرما کر احکام دنیا میں بھی مقارنت کو قطع کر دیا اور باہمی وراثت و نکاح اور ولایت کو اٹھا دیا ہے۔ حتیٰ کہ زن و شوہر کی تولیت کو۔

تاکہ جس طرح فی المعنی مواصلت منقطع ہو چکی ہے اسی طرح اسمی طور پر بھی قطع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیوی نہ ہونے کی صورت میں اس کو لفظ اِمْرَأَةٌ سے جو انوثیت پر دلالت کرتا ہے شوہر کی طرف مضاف کیا گیا۔ نہ لفظ زوج سے جو مشاکلت اور مشابہت کا اظہار کرتا ہے۔ تم اس معنی پر غور کرو' اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی سے اسے کس قدر زیادہ مشابہت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کی مسلمان عورت کو اِمْرَأَةُ الْكَافِرِ اور مومن کی کافرہ عورت کو اِمْرَأَة الْمُؤْمِن کہا ہے۔ یعنی لفظ امراۃ نہ کہ لفظ زوجہ۔

یہ توجیہہ اس قول سے بہتر ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ ابولہب کی عورت کو زوجہ اسلئے نہیں کہا گیا کہ کفار کی شادیاں صحیح نہیں جیسے مومن کے نکاح صحیح ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب اِمْرَاَةَ نُوْح اور اِمْرَاَة لُوْط بھی آیا ہے اور اس نکاح کی صحت میں کچھ شک وشبہ نہیں ہو سکتا تو ظاہر ہے کہ یہ توجیہہ بالکل ہی باطل ہے۔ تم ہمارے بیان کردہ معنی کو آیت مواریث میں دیکھو کہ وہاں بھی وراثت کو لفظ زوجہ کے ساتھ متعلق فرمایا ہے نہ کہ لفظ امراۃ کے ساتھ فرمایا وَلَكُمْ نِصْفُ مَاتَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ تاکہ معلوم ہو جائے کہ توارث جو زوجہ کے ساتھ ہے وہ باہمی تشاکل و تناسب کی وجہ سے ہے اور چونکہ مومن و کافر میں تناسب و تشاکل نہیں ہوتا اسلئے ان میں توارث بھی نہیں۔

اللہ اکبر قرآن مجید کے مفردہ و مرکبہ الفاظ کے اسرار کتنے ہیں کہ اہل دنیا کی عقول کی وہاں تک رسائی نہیں۔

## ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

جہاں تک ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایسا موقع ہے جہاں ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

### ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

پہلی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

پچیس سال کی عمر میں ان کے ساتھ نکاح ہوا۔ یہ زندہ ہی تھیں کہ رب کریم نے نبی ﷺ کو رسالت سے سرفراز فرمایا۔ یہ ایمان لے آئیں اور نبی ﷺ کی نصرت و تائید میں سچی اور پوری وزیر بنی رہیں، ہجرت سے تین سال پہلے انتقال کیا۔ بعض نے چار بعض نے پانچ سال بھی لکھے ہیں۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات ہیں:

- ان کی موجودگی میں نبی ﷺ نے شادی نہیں کی۔
- اولاد نبی انہی کے بطن پاک سے ہے۔ بجز ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو ماریہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔
- یہ بہترین امت کی بہترین خاتون ہیں۔

**مسئلہ فضیلت خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما**

واضح ہو کہ ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دینے میں اختلاف ہے اور تین اقوال ہیں جن میں سے تیسرا وقف ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں میں جداگانہ خصوصیات ہیں۔

حضرت خدیجہ کا اثر تو اول اسلام میں تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے باعث تسلی و تسکین و ثبات تھیں۔ انہوں نے اپنا مال نبی ﷺ پر نثار کیا۔ ان کو آغاز اسلام کا زمانہ ملا اور اللہ پاک اور رسول اللہ ﷺ کے لیے انہوں نے رنج و تکلیف برداشت کی۔ جو نصرت انہوں نے رسول مقبول ﷺ کی کی وہ بڑے جوکھم (مشکل) وقت کی تھی۔ اس لیے نصرت و تائید اور صرف زر و مال میں جو درجہ ان کا ہے وہ دوسری کا نہیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اثر آخر اسلام میں تھا۔ اس لیے جو تفقہ ان کو دین میں ہے اور جو تبلیغ انہوں نے امت کو فرمائی ہے اور علم نبوت کو شائع کر کے جو فائدہ انہوں نے پہنچایا ہے۔ وہ ایسا درجہ ہے جو دوسری کو حاصل نہیں۔

- اللہ تعالیٰ نے اور جبریل علیہ السلام نے ان کو سلام کہا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ جبریل آئے اور نبی ﷺ سے کہا کہ یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن سالن یا طعام یا پانی کا ہے یہ آپ کے سامنے لے کر حاضر

ہوں گی۔ آپ ان کو پروردگار کی جانب سے نیز میری طرف سے سلام پہنچا دیجئے کہ بہشت میں ان کے لئے قصب [1] کا محل ہے۔ جس میں صخب [2] و نصب [3] نہیں۔ اللہ کریم کی طرف سے یہ ایسا خاصہ ہے جو ان کے سوا دوسری کو حاصل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر صرف جبریل علیہ السلام کا سلام کرنا ثابت ہے۔

امام بخاری نے ابو سلمہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ جبریل ہیں، تم کو سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ آپ جو کچھ دیکھتے ہیں میں نہیں دیکھتی۔

- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے نہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوء مزاجی کی، نہ کبھی آپ کو خفا ہونے دیا اور نہ ہی کبھی آپ نے ان سے ایلا کیا، نہ ان پر عتاب فرمایا اور نہ کبھی ان سے جدائی اختیار کی اور یہ سب اوصاف ان کی منقبت و فضیلت کے لیے کافی ہیں۔
- امت محمدیہ میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی عورت ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔

**دوسری بیوی**

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی ہیں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بڑی عمر پائی اور اپنا یوم نوبت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ یہ امر ان کی خصوصیات میں سے ہے کہ اپنے نفس پر محبوبۂ رسول کو محبت اور تقرب رسول پر ترجیح دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی بود و باش کو خود سے اولیت دی۔

---

[1] قصب: زبرجد آبدار تازہ جو یاقوت سے مرصع ہو۔

[2] صخب: شور و غوغا۔

[3] نصب: رنج و بیماری۔

**تیسری بیوی** صدیقہ بنت صدیق یعنی عائشہ بنت ابو بکر (رضی اللہ عنہا) ہیں۔ ان کا نکاح چھ سال کی عمر میں اور مواصلت نو سال کی عمر میں ہوئی۔ انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ ۵۸ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ حسب وصیت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں:

- یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب ازواج سے زیادہ پیاری تھیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ پیارا آپ کو کون ہے۔ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کیا گیا کہ مردوں میں سے؟ فرمایا پدر عائشہ رضی اللہ عنہا۔
- ان کے سوا اور کسی کنواری عورت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح نہیں کیا۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لحاف میں ہوتے اور وحی ربانی کا نزول ہو جاتا۔ یہ بات کسی اور بیوی کو حاصل نہ تھی۔
- جب اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کرنے میں ابتدا ان سے ہی فرمائی۔ ان کو اختیار دے کر فرمایا کہ اس کا جواب جلد دینا ضروری نہیں، جب تک تو اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ کر لے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں اس بارے میں بھی والدہ سے مشورہ کروں گی؟ نہیں میں تو اللہ اور رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دے کر باقی تمام ازواج کے لیے سُنّت قائم کر دی اور انہوں نے بھی وہی کہا جو صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا۔

- بڑی خصوصیت ان کی یہ ہے کہ جب اہل افک نے ان پر تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بے قصوری ظاہر کی اور ان کی بے گناہی اور نصرت میں وحی نازل کی جو قیامت تک نمازوں میں اور محرابوں میں پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ وہ طیبات میں سے ہیں، پھر ان کے ساتھ مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ پھر یہ بھی بتلایا کہ اہل افک کے تہمت لگانے سے نہ ان کا کچھ بگڑا نہ ان کی شان میں فرق آیا۔ بلکہ ان کے لیے بہتر ہو گیا کہ اسی قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو برتری دی اور عالی جاہ و عظیم الشان بنایا اور تمام زمین و

آسمان کے اندر ان کی بے قصوری و پاکی کا ذکر پھیل گیا۔ اللہ اکبر یہ کیسی منقبت جلیل ہے۔

اب تم یہ بھی سمجھ لو کہ یہ تشریف و اکرام نتیجہ تھا ان کی حد درجہ کی تواضع کا۔ نیز اس امر کا کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ناچیز سمجھتی رہیں۔ چنانچہ خود صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ میرے نزدیک میرا یہ درجہ نہ تھا کہ میرے لیے وحی متلو نازل ہوتی۔ ہاں مجھے صرف یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری برأت ظاہر فرمائے گا۔ اللہ اکبر یہ حال تھا امت کی صدیقہ ام المومنین اور محبوبہ رسول رب العالمین کا کہ اپنے آپ کو بے قصور اور مظلوم بھی جانتی ہیں اور ظالم افتراء پردازوں کو جھوٹا بھی سمجھ رہی ہیں اور یہ بھی جانتی ہیں کہ ظالموں کی ایذا دہی کا اثر نہ صرف انہی تک بلکہ ان کے والدین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچا ہے۔ تاہم وہ اپنے نفس کو حقیر سمجھتی اور اپنا درجہ چھوٹا بتلاتی رہیں۔ اس کے مقابلہ میں خیال کرو تم ان لوگوں کا جنھوں نے ایک دو دن یا ایک دو مہینے روزے رکھ لیے اور رات دو رات عبادت کر لی اور پھر ان پر کوئی حالت ظاہر ہو گئی۔ تو وہ اپنے آپ کو کرامات و مکاشفات و مخاطبات و منازلات و اجابت دعوات کا پورا پورا مستحق سمجھنے لگتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ ہم وہ ہیں جن کے دیدار سے برکت ملتی' اور جن کی دعا بسا غنیمت سمجھی جاتی ہے۔ ہمارا احترام و تعظیم اور قدر و توقیر لوگوں پر واجب ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے کپڑوں کو حصول برکت کے لیے چھوا اور ہماری خاک در کو چوما جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ ایسا ہے کہ اگر کوئی ان کے درجہ میں کمی کرے تو فی الحال اس کا انتقام بھی لیا جائے گا اور وہ شخص بلا تاخیر اس بے ادبی کا مزہ چکھے گا۔ گویا ان کی گستاخی کا کفارہ ان کی رضا مندی کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن یہ سب حماقت اور رعونت کی باتیں جہل صمیم اور عقل غیر مستقیم کا نتیجہ ہیں اور جو جاہل اپنے نفس پر غرور کھانے والا ہے' اسی سے صادر ہو سکتی ہیں۔ جو اپنے جرم و گناہ سے غافل ہو اور اللہ پاک کی گرفت سے اس کی مہلت پر بھولا ہوا ہو اور اپنے غرور اور تکبر کو فراموش کر بیٹھتا ہو اور خود ہی خیال کر لیا ہو کہ اللہ پاک کے ہاں بھی میں اچھا ہوں۔

نَسْأَلُ اللّٰہ تعالیٰ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ - بندہ کو سزاوار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے' اس امر سے کہ وہ اپنے دل میں تو بڑا بنا ہوا ہو اور اللہ کے ہاں حقیر ہو۔

- ایک خصوصیت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ ہے کہ اکابر صحابہ کو جب کوئی مشکل دینی مسئلہ پیش آجاتا تو ان سے دریافت کیا کرتے تھے اور اس کا علم ان کے پاس ضرور ہوتا۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ان کے گھر میں ان کے یوم نوبت میں ان کی گود میں ہوا۔ اور ان کے گھر میں ہی آپ مدفون ہوئے۔
- شادی نکاح سے پہلے فرشتہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تصویر پارۂ حریر پر ملاحظہ کرائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو معاملہ یوں ہی رہے گا۔
- لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل کرنے کے لیے آپ کو ہدیہ و تحائف صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یوم نوبت میں دیا کرتے تھے۔ تاکہ پسندیدہ تحفہ آپ کو محبوب ترین ازواج کے گھر میں ملے۔

ان کی کنیت ام عبداللہ ہے اور کہتے ہیں کہ ان کو حمل ہو کر اسقاط ہو گیا تھا۔ مگر یہ ثابت نہیں ہوا۔

**چوتھی بیوی:** حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سے' جو اہل بدر میں سے ہیں' ہوا تھا۔ ان کا انتقال ۲۷ھ یا ۲۸ھ کو ہوا۔

ان کی خصوصیات سے یہ ہے۔ جسے حافظ ابو محمد مقدسی نے اپنی مختصر سیرت میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا' اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ آپ رجوع کر لیں کیونکہ حفصہ رضی اللہ عنہا بہت روزہ رکھنے والی اور بہت نوافل پڑھنے والی ہے۔ نیز وہ جنت میں آپ کی زوج ہیں۔

طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو سر پر خاک ڈالنے لگے۔ کہا اب اللہ کو بھی ابن خطاب

کی کچھ پروا نہیں رہی۔ جبریل اترے اور کہا، اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ آپ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کر لیں۔ یہ حکم عمر رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمانے کی وجہ سے ہے۔

## پانچویں بیوی

ام حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام رملہ بنت صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبدالمناف ہے۔ انہوں نے اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی، وہاں جا کر عبداللہ نصرانی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اسلام کامل رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جب کہ یہ حبشہ میں ہی تھیں نکاح کر لیا۔ متولی نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یا بقول بعض خالد بن سعید بن عاص تھے۔ نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو اشرفی مہر ادا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لانے کو عمرو بن امیۃ الضمری کو روانہ کیا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مسلمان نہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی جانب دیکھا کرتے اور نہ اسے پاس بٹھلایا کرتے تھے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تین باتیں ہیں وہ مجھے عطا فرمائیے۔ فرمایا: اچھا۔ کہا میرے پاس عرب بھر میں سب سے زیادہ حسین و جمیل لڑکی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہے۔ میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ فرمایا، اچھا۔ کہا، معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیجئے۔ فرمایا، اچھا۔ کہا، مجھے اجازت ہو کہ میں کفار سے جہاد کروں، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ میں نے جنگیں کی ہیں۔ فرمایا اچھا۔ ابو زمیل کا قول ہے کہ اگر وہ ان باتوں کا سوال نہ کرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے کبھی یہ شرف عطا نہ فرماتے۔ مگر عادت شریف یہ تھی کہ جب کوئی سوال کرتا تو آپ "ہاں" فرما دیتے۔

واضح ہو کہ اس حدیث کے معنی میں لوگوں کو بہت ہی مشکل پڑی ہے۔ کیونکہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح (ابو سفیان کے اسلام لانے سے پیشتر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا تھا اور نجاشی نے پڑھایا تھا اور اپنے باپ کے اسلام سے پیشتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچ گئی تھیں۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ابو سفیان کہے کہ "میں ام حبیبہ کا نکاح آپ سے کرتا ہوں۔" ایک گروہ علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث کذب ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔ ابن حزم کا قول ہے، عکرمہ بن

عمار نے ہی یہ جھوٹ بنایا ہے۔ دوسرا گروہ اس بات کو بہت ناگوار سمجھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں موضوع حدیث نہیں ہو سکتی ہے۔ معنی حدیث یہ ہیں کہ ابوسفیان کی درخواست یہ تھی کہ اس کی لڑکی کے نکاح کی تجدید کی جائے تاکہ مسلمانوں میں اس کی آبرو بنی رہے مگر یہ توجیہہ ضعیف ہے۔ کیونکہ حدیث سے پایا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے وعدہ فرمالیا اور یہ کسی روایت میں کسی نے روایت نہیں کی کہ صادق الوعد نبی نے ام حبیبہ کے نکاح کی تجدید کی ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو ضرور نقل کیا جاتا۔ جب کسی نے بھی نقل نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا ہوا نہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے اشکال پر کچھ لمبی گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"صحیح مسلم کی حدیث میں ایسا ہونا اہل خبر کے نزدیک بہت ہی غریب ہے۔ حالانکہ وہ حدیث جس میں ابوسفیان کا تجدید صلح کے لیے مدینہ میں آنا اور ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ذکر ہوا ہے بہت مشہور ہے۔"

ایک گروہ کا قول ہے کہ حدیث باطل نہیں ہے ابوسفیان کا سوال یہ تھا کہ اپنی دوسری بیٹی غرہ کا نکاح جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی نبی ﷺ کے ساتھ کر دے دو بہنوں کے نکاح میں جمع نہ ہو سکنے کا مسئلہ اگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نو مسلم ہونے کی وجہ سے معلوم نہ ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی مسئلہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھی معلوم نہ تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے نبی ﷺ سے درخواست بھی کی کہ میری بہن سے نکاح کر لیجئے۔ فرمایا: نہیں وہ میرے لیے حلال نہیں۔ غرض یہ کہ ابوسفیان کا ارادہ تو دوسری دختر کے ازدواج سے تھا۔ راوی کو اشتباہ ہو گیا اور اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام وہم سے رکھ لیا۔ پس یہاں نام رکھنے میں کسی نہ کسی راوی کی غلطی ہے نہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی درخواست کی۔ مگر اس توجیہہ پر رسول اللہ ﷺ کا فرمانا وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ابوسفیان کا یہی ارادہ تھا' دوسری بیٹی کا نکاح کر دے تو ضروری تھا کہ نبی ﷺ فرماتے کہ وہ میرے لیے حلال نہیں جیسا کہ آپ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیا تھا۔ اگر اس توجیہہ پر یہ اعتراض نہ ہوتا تو کچھ شک نہیں کہ اس حدیث میں یہ تاویل بہترین تاویلات سے تھی۔

1 اس قول کی صداقت میں کوئی اثر صحیح یا حسن معروف نہیں اور نہ اسے کسی ایسے شخص نے نقل کیا ہے۔ جس کی نقل پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔

2 ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا قصہ کہ وہ حبش میں تھیں اور نکاح ہو گیا تواتر کے برابر پہنچا ہے۔ جیسے اور ازواج مطہرات کے نکاح کے دیگر واقعات مثلاً یہ کہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح مکہ میں ہوا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مکہ میں اور مواصلت مدینہ میں ہوئی اور صفیہ کا عام خیبر کو اور میمونہ رضی اللہ عنہا کا عمرۃ القضیہ میں۔ ایسے واقعات کا شہرت کے ساتھ اہل علم میں ہونا قطعی طور پر اس کے صحیح سمجھے جانے کا سبب ہوتا ہے اب اگر کوئی سند ایسی ہے جو بظاہر صحیح ہو۔ مگر شہرت کے خلاف ہو تو اسے غلط ہی سمجھتے ہیں اور ادھر التفات نہیں کیا کرتے اور ان کو اس پر اطمینان ہوا کرتا ہے۔

3 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و احوال و وقائع کے جاننے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ام حبیبہ کا نکاح فتح مکہ تک تاخیر میں نہیں رہا۔ اسلئے اس میں کسی کا وہم نہیں چل سکتا۔

4 ابن اسحاق وغیرہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مدینہ میں تجدید صلح کے لیے آنے کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینہ میں آیا تو اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا بیٹی! میں نہیں سمجھا کہ تو بستر کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہے۔ یا مجھے بستر سے ہٹانا۔ فرمایا یہ بستر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تو مشرک اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے کہا واللہ بیٹی تو ہم سے جدا ہو کر بگڑ گئی۔ یہ قصہ اہل مغازی و سیر کے نزدیک مشہور ہے۔

5 ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مہاجرات حبشہ میں سے ہیں جو اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ گئی تھیں وہ نصرانی ہو کر حبشہ میں مر گیا۔ ام حبیبہ حبشہ سے چلی آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ مندرجہ بالا بیان پر کسی اہل نقل کو شک نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ ابوسفیان عام فتح کو ہی ایمان لایا تھا۔ تو اس وقت وہ کس طرح کہہ سکتا تھا کہ میرے پاس عرب کی حسین ترین لڑکی ہے۔ کیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہجرت اور اسلام کے بعد کبھی بھی اپنے باپ کے پاس تھی؟ اگر کوئی کہے کہ قول ابوسفیان اس کے

اسلام سے پہلے کا ہے تو یہ بھی محال ہے کیونکہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس نہ تھی اور نہ ابوسفیان کو زمانہ کفر میں مسلمان لڑکی کی ولایت حاصل تھی اور اگر کوئی کہے کہ یہ قول اس کے اسلام سے بعد کا ہے۔ تب بھی محال ہے کیونکہ ان کا نکاح فتح مکہ سے کہیں پہلے کا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بعد فتح ہی متعین کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مسلم کی حدیث صحیح ہے اور اسناد میں ثقہ اور حفاظ ہیں اور حبشہ میں نکاح ہونے کی حدیث محمد بن اسحاق کی روایت سے بطور ارسال ہے۔ لوگوں کو تو محمد بن اسحاق کی مسانید میں بھی اختلاف ہے، مراسیل کا تو ذکر کیا؟ خصوصاً جب کہ وہ مسانید صحیحہ کے بھی مخالف ہو۔

یہ طریق وہ ہے جو بعض متاخرین نے اس حدیث کو تصحیح میں اختیار کیا ہے۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

1 مذکورہ بالا اصول تو جب جاری ہوتا ہے کہ دونوں نقلیں مساوی ہوں اور ان میں سے ایک کو ترجیح دی جائے۔ لیکن جب ایک نقل کا بطلان یقینی اور حقیقی ہو تب اس پر التفات نہ کیا جائے گا۔ دیکھو سیر و مغازی اور احوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح فتح مکہ تک تاخیر میں نہیں رہا اور کسی نے بھی اس کو روایت نہیں کیا۔ لیکن اگر کوئی کہتا بھی تو سب لوگ اس کے قول کو باطل جانتے اور بطلان میں کچھ شک نہ سمجھتے۔

2 اس بات کا جواب کہ ابن اسحاق کی مراسیل، صحیح مسند کا معارضہ نہیں کر سکتیں اور برابر نہیں ہو سکتیں، یہ ہے کہ اس بارے میں تنہا ابن اسحاق کی روایت ہی پر (خواہ وہ متصلہ ہے یا مرسلہ) بھروسہ نہیں کیا گیا بلکہ اعتماد تو اہل سیر و مغازی کے نقل پر کیا گیا۔ جنہوں نے لکھا ہے کہ:

"ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پہلے شوہر کے ساتھ ہجرت حبشہ کی، شوہر نصرانی ہو کر وہیں مر گیا۔ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی تزویج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی اور اپنے پاس سے مہر ادا کیا۔"

غرض یہ قصہ کتب مغازی و سیر میں مرقوم ہے اور ائمہ علم کے پاس اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ اسی قصہ میں وکالت نکاح کے جواز پر حجت پکڑی گئی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَكَحَ الْوَلِيَّانِ فَالْاَوَّلُ اَحَقُّ کی شرح میں کہا ہے کہ اس حدیث سے نکاح میں وکالت کا جائز ہونا نکلتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ الضمری کو اپنا وکیل بنایا تھا، جس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تزویج کی۔ کتاب کبیر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کافر مسلمان عورت کا ولی نہیں ہوتا گو اس کا باپ ہو۔ اسی لیے ابن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تھا۔ گو ابو سفیان زندہ تھا۔ وجہ یہ کہ ام حبیبہ مسلمان تھی اور ابن سعید رضی اللہ عنہ بھی مسلمان تھے اور ان سے زیادہ قرابت میں نزدیک تر میرے علم میں اور کوئی نہ تھا۔ غرض ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو حق ولایت حاصل نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمین و مشرکین میں مواریث و عقد کو قطع فرما دیا ہے۔ مگر عروہ و زہری رحمہما اللہ نے ذکر کیا ہے کہ متولی نکاح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہوئے تھے۔ یہ دونوں ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی ہیں۔ کیونکہ عثمان اور ابن سعید دونوں عاص کے پوتے ہیں۔ عاص رضی اللہ عنہ امیہ کا بیٹا ہے اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ امیہ کا پوتا۔ مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ائمہ فقہ و سیر نے یہ ذکر کیا ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حبشہ میں ہوا تھا اور یہ بیان اس شخص کے وہم کو جو عکرمہ بن عمار کی روایت سے دھوکہ کھا کر سمجھ بیٹھا تھا کہ ان کا نکاح فتح مکہ کے بعد ہوا ہے بخوبی زائل کرتا ہے۔ عکرمہ بن عمار جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا راوی ہے اسے اکثر ائمہ حدیث نے (جن میں یحییٰ بن سعید انصاری بھی ہیں) ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن عمار کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی احادیث ضعیف ہیں۔ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابن عمار یوں تو صدوق ہے مگر کبھی اسے وہم ہو جاتا ہے اور کبھی تدلیس کرتا ہے اور جب اس کا یہ حال ہے تو ممکن ہے کہ اس حدیث کو غیر حافظ یا غیر ثقہ سے لے کر تدلیس کرتا ہو۔ کیونکہ امام مسلم نے اس حدیث کو سب راویوں سے معنعن روایت کیا ہے اور مگر طبرانی نے معجم

میں ان ہی راویوں سے تحدیثا روایت کی۔ ابوالفرج بن جوزی نے اس حدیث میں کہا ہے کہ یہ بعض راویوں کی طرف سے وہم ہے۔ کیونکہ اہل تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عبیداللہ بن جحش کے گھر تھی۔ اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی اور ہجرت حبشہ کے وقت یہ دونوں مسلمان تھے۔ عبیداللہ وہاں جا کر نصرانی ہو گیا' ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دین حق پر قائم رہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس آدمی بھیجا کہ اسے آپ کے لیے طلب کرے۔ نجاشی نے نکاح پڑھوایا اور مہر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے چار ہزار درہم ادا کر دیئے۔ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ مصالحت کے زمانہ میں مدینہ آیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ملنے گیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو لپیٹ دیا تاکہ اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیٹھ نہ جائے اور اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ ابوسفیان اور معاویہ رضی اللہ عنہما ۸ھ میں فتح مکہ پر اسلام لائے تھے اور یہ معروف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو کبھی امیر جہاد بنایا ہو۔ ابو محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

"یہ حدیث موضوع ہے اس کے وضع میں کچھ شک نہیں اور آفت اس میں عکرمہ بن عمار کی جانب سے ہے۔ بے شک اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تزویج میں فتح مکہ سے کہیں پہلے آ چکی تھیں' جب ان کا باپ کافر تھا۔"

اگر کوئی کہے کہ عکرمہ اس روایت میں منفرد نہیں' اس میں بھی تبعیت کی گئی ہے چنانچہ طبرانی نے جس سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اس میں ابوزمیل سے اسمٰعیل بن مرسال روایت کرتا ہے جیسا کہ عکرمہ نے ابوزمیل سے روایت کی ہے۔ اس سے عکرمہ ذمہ داری' تفرد سے بری ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متابعت عکرمہ کو کچھ فائدہ و قوت نہیں دے سکتی۔ کیونکہ ابوزمیل سے نیچے جتنے راوی طبرانی کے ہیں سب کے سب مجہول ہیں۔ جن کی روایات معروف نہیں اور جن سے حجت بھی نہیں لی جاتی۔ پھر ان کی روایت کو مستفیض نقل پر جو خاص و عام اہل نقل و علم میں معروف ہو تقدم کیونکر ہو سکتا تھا۔ پس یہ متابعت نہ اس کے لیے ضعف زیادہ کر سکتی ہے اور نہ قوت۔

ایک گروہ کا جس میں سے بیہقی و منذری رحمۃ اللہ علیہما بھی ہیں قول ہے:

"یہ ہو سکتا ہے کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجہ بنائے اس وقت کی ہو جب اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کا گزر جانا سنا تھا اور وہ کسی کام کو کفر کی حالت میں ہی مدینہ آیا تھا۔ رہی دوسری اور تیسری درخواست یہ اسلام لانے کے بعد کی ہوں اور راوی نے ان کو جمع کر دیا ہو۔"

لیکن یہ بھی بہت ضعیف ہے کیونکہ جب ابو سفیان رضی اللہ عنہ زمانۂ مصالحت میں (ہجرت کے بعد اور فتح مکہ سے پیشتر) مدینہ گیا ہے۔ اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں داخل تھیں۔ اس سے پہلے ابو سفیان کبھی مدینہ میں نہیں پہنچا۔ غزوۂ خندق پر گیا تھا تو وہ بھی لشکر کشی کی صورت میں تھا۔ اس ایک دفعہ بھی اگر صلح و معاہدہ کا وقت نہ ہوتا تو وہ مدینہ میں نہ آ سکتا تھا۔ پھر کب وہ مدینہ گیا اور کب ام حبیبہ کے لیے اس نے درخواست تزویج کی' یہ تو صریح غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ کفر کی حالت میں اس کی جانب سے تزویج صحیح کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پر ولایت حاصل نہیں تھی اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے تک اٹکا نہیں۔ غرض دونوں پہلو سے یہ کہنا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دوں۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب رہا مختلف اوقات میں ان درخواستوں کے پیش ہونے کا وہم' سو حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ تینوں درخواستیں ایک ہی وقت کی ہیں۔ کیونکہ امر جہاد اور منصب کتابت معاویہ اسلام کے بعد ہی ہو سکتے ہیں تو پھر یہ کہنا کس طرح آسان ہے کہ ایک درخواست حالت کفر کی ہے اور باقی اسلام کی۔ اس بات چیت کا حوالہ تو اسے رد کرتا ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ:

"حدیث کے معنی محمل صحیح پر وارد ہو سکتے ہیں۔ جس سے حدیث کو موضوع کہنے سے بچ سکتے ہیں اور ان حالات میں یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ صحیح مسلم میں کوئی موضوع حدیث ہے۔ یعنی نکاح کر دیتا ہوں کی توجیہہ یہ کی جائے کہ اس کے نکاح پر میں راضی ہوں۔ مطلب یہ کہ جو نکاح ہو چکا ہے گو وہ صحیح ہے لیکن اس وقت

میرے منشاء کے خلاف اور اختیار کے بغیر تھا۔ اب اظہار رضا مندی نکاح کو تالیف قلوب کی غرض سے اور زیادہ عمدہ و دل پسند بنا دے گی۔ نبی ﷺ کا ہاں فرما دینا بھی اسے مانوس کرنے کی غرض سے ہے۔ اس کے بعد صحت عقد کی اطلاع دے دی گئی ہو گی کہ اس میں تیری رضا مندی شرط نہ تھی اور انعقاد و عقد کے وقت زوجین کے دین سے تیرے اختلاف نے تجھ کو حق ولایت سے محروم کر دیا تھا۔"

لیکن یہ جواب بھی شک نہیں مٹا سکتا اور نہ جواب کچھ قوی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تاویل جس قدر الفاظ سے بعید ہے وہ بھی مخفی نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ الفاظ سے بھی یہ تاویل سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ لفظ تو یہ ہیں کہ میرے پاس تمام عرب میں حسین و جمیل لڑکی ہے جس کا آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس کے یہ معنی کیونکر ہوئے کہ جو لڑکی آپ ﷺ کے نکاح میں ہے' میں اس کے نکاح میں رضا مند ہوں۔ پھر یہ معنی نبی ﷺ کے ارشاد "ہاں" سے ذرا چسپاں نہیں۔ کیونکہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے تو ایسی بات کا سوال کیا تھا جس کی منظوری نبی ﷺ کی جانب سے ضروری تھی۔ تو ایسی حالت میں یہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح پر رضا مندی کیونکر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک حاصل شدہ امر تھا جو نبی ﷺ کے دل میں قائم تھا۔ پھر اس کے طلب کے بھی کیا معنی۔ ہاں اگر کوئی یوں کہہ دے کہ درخواست ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا یہ مضمون تھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں رہنے دیں اور اسی کا نام اس نے نکاح رکھا تھا تو گو یہ بھی فاسد ہے مگر توجیہہ بالا کی نسبت الفاظ سے تو قریب تر ہے۔

الغرض یہ سب تاویلات ایسی ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ان میں باعتبار لفظ اور کیا باعتبارِ مقصودِ کلام بہت ہی تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ:

"ابو سفیان رضی اللہ عنہ مدینہ کی جانب اکثر جایا کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ مدینہ میں بحالت کفر آیا ہو یا اسلام کے بعد جب آپ نے ازواج سے ایلاء کیا تھا۔-- اس وقت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ایلاء کو طلاق سمجھ گیا ہو (جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا) اور سمجھ گیا ہو کہ اب جدائی ہو جائے گی۔ اس لیے اس نے نبی ﷺ سے از راہ پیش بندی و

شفقت پدری یہ عرض کر دیا ہو تاکہ آپ ﷺ اس کی بیٹی سے رجوع فرمالیں۔ رہا نبی ﷺ کا ہاں فرمانا وہ ان معنی میں ہے کہ اگر ایلاء لمبا ہو جاتا تو طلاق واقع ہو جاتی، لیکن نہیں ہونے پایا۔ یہ جواب بھی ویسا ہی ضعیف ہے کیونکہ الفاظ:

"میرے پاس تمام عرب سے حسین تر و جمیل تر لڑکی ہے میں اس کا نکاح آنحضرت ﷺ سے کرنا چاہتا ہوں۔"

سے ایلاء یا وقوع فرقت سمجھ میں نہیں آسکتا اور نبی ﷺ کا ہاں فرمانا بھی ٹھیک چسپاں نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایلاء کے وقت بالکل حاضر نہ تھا۔ نبی ﷺ نے ایک بالاخانہ میں قیام فرماکر قسم کھائی کہ ازواج کے پاس ایک مہینہ نہ جائیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اندر آئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ تیسری دفعہ کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے فرمایا: نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ نبی ﷺ نے طلاق نہیں دی۔ اب بتاؤ کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ یہاں کہاں تھا؟ میں نے شیخ محب الدین طبری کی اس حدیث پر بحث دیکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ احتمال ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی یہ سب درخواستیں تاریخ نکاح سے ایک مدت پہلے کی ہوں۔ گویا ان درخواستوں کو اپنے اسلام کے لیے شرائط بنایا ہو اور معنی یہ ہوں کہ اگر میں اسلام لے آؤں، تب یہ تین اعزاز آپ مجھ کو عطا کریں۔"

مگر یہ توجیہہ بھی چند وجوہات کی بنا پر غلط ہے۔ کیونکہ شروع حدیث میں یوں ہے کہ مسلمان ابوسفیان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور اسے پاس نہ بٹھایا کرتے۔ اس نے عرض کیا، یا نبی اللہ! مجھے تین باتیں عطا فرمائیے۔ سبحان اللہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ درخواست ہو سکتی ہے؟

① جب کہ ہجرت سے پہلے یا بعد میں وہ مکہ میں تھا اور نبی ﷺ کے مقابلہ کے لیے فوجیں تیار کر رہا تھا۔

② یا جب وہ مدینہ میں آیا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں تھی، نہ باپ کے پاس۔ دیکھو تو سہی یہ کس قدر تکلف ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حالت کفر میں وہ یوں کہے کہ میں مشرکین کو قتل کروں، جیسا مسلمانوں کو قتل کرتا رہا ہوں۔ حالانکہ مسلمانوں پر جو جور و ستم اس نے کیئے اور مسلمانوں کے حرب و قتال نیز نور الٰہی کو بجھا دینے میں جس قدر یہ کوشاں تھا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وہ ہیں جنہوں نے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بسر کا ارام کیا اور بات کو اس پر بیٹھنے سے کہہ کر روک دیا کہ یہ تو مشرک ہے۔

رہا ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام کا قصہ یہ معروف ہے اس میں کچھ شرائط نہیں اور کوئی پیش بندی نہیں۔ غرض یہ امثال وہ ہیں جو سرے سے غلط اور باطل ہیں اور ان کی قباحت بالکل واضح ہے اور طالب علم کو ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ اس کو محل نظر رکھنا اور اس کے رد عمل سے تعرض کرنا عین علم کی علامات میں سے ہے۔ ٹھیک تو یہی ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں کچھ خلط ملط ضرور ہوا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کا اکرام کیا اور باپ کو بیٹھنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ تو مشرک ہے۔

**چھٹی بیوی:** ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام ہند بنت ابو امیہ بن المغیرہ عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پیشتر ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں تھیں۔ ان کا انتقال ۶۲ھ میں ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں سب سے بعد ان کا انتقال ہوا۔ بعض میمونہ رضی اللہ عنہا کا کہتے ہیں۔ ان کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ کے پاس ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو دیکھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ کے پاس ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھی۔ جبریل نے باتیں کیں اور چلے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یہ کون تھے؟ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا، دحیہ کلبی کیونکہ میں واللہ ان کو دحیہ ہی سمجھتی تھی، حتیٰ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے یوں خبر دی۔

ابو عثمان راوی سے سلیمان تیمی نے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے کہا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے۔ [1]

**ساتویں بیوی:** زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش بن مدرکہ بن الیاس بن مضر (بنی خزیمہ میں سے) ہے۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد ہیں۔ ان کا پہلا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح سات آسمانوں کے اوپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۷)

"جب زید اپنی حاجت اس سے پوری کر چکا تو ہم نے اس کو تیری زوجہ بنا دیا۔"

یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور اجازت لیے بغیر زینب رضی اللہ عنہا کے گھر چلے گئے۔ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تمام ازواج پر ہمیشہ فخر کیا کرتی تھیں کہ تم کو تمہارے متولیوں نے بیاہ دیا ہے اور مجھے اللہ پاک نے سبع سماوات سے زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنایا ہے۔ غرض یہ امر ان کی خصوصیت میں سے تھا۔ ان کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ [2]

---

[1] ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کی بیوی تھیں۔ اسلام کے لیے پہلے مع شوہر ہجرت کی، پھر ہجرت مدینہ۔ جنگ احد کے زخموں سے خاوند نے انتقال کیا۔ چار بچے یتیم رہ گئے۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے چاہا کہ اس سے نکاح کر لیں اور یتیم بچوں کی پرورش کرتی رہیں۔ لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اللہ سے یہ دعاء تھی کہ اگر پہلے شوہر سے درجہ میں بہت بڑھ کر خاوند ملے گا تب شادی کروں گی۔ اس کی حالت پر رحم کھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ (از مہر نبوت مصنفہ قاضی محمد سلیمان)

[2] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پہلا نکاح اصرار کے ساتھ زید رضی اللہ عنہ سے کروایا تھا۔ لیکن زینب رضی اللہ عنہا ←

**آٹھویں بیوی:** زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کا نکاح ۲ھ میں ہوا اور صرف دو ماہ یا تین ماہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ ان کو اُم المساکین کہا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ مساکین کو بہ کثرت کھانا کھلایا کرتی تھی۔ ①

**نویں بیوی** جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی مصطلق سے ہیں۔ یہ غزوہ بنی مصطلق میں اسیر ہو کر آئیں اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے ان کو مکاتب کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے روپیہ ادا کر دیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ یہ ۶ھ میں ہوا۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے کنبہ کے سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔ کہا' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔

---

◄ کی شوہر کے ساتھ نہ بنی اور زید رضی اللہ عنہ نے تنگ آکر ان کو چھوڑ دیا۔ گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو بھی بہت سمجھایا کہ بیوی کو نہ چھوڑے لیکن اس نے ظاہر کر دیا کہ بیوی کی بدسلوکی ناقابل برداشت درجہ کو پہنچ گئی ہے تو رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا حکم دیا۔ ان کے پہلے نکاح کو دیکھو کہ زینب رضی اللہ عنہا زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کرنے میں رضامند نہیں' مگر آپ کا حکم اسے منواتا ہے۔ دوسرے نکاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عقد سے ناخوش ہیں مگر پروردگار کا حکم آپ کو مجبور کرتا ہے۔ پادری لوگوں کی جو یہ بکواس ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کی خبر پا کر اسے یکایک دیکھ کر عزم نکاح کیا تھا۔ وہ یہ دونوں باتیں بھول جاتے ہیں۔

1 زینب رضی اللہ عنہا نبی کی سگی پھوپھی کی بیٹی تھی' آنکھوں کے سامنے پلی اور بڑی' اس کی شکل و صورت کے متعلق کوئی بات ابتداء ہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوشیدہ نہ تھی۔

2 زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا پہلا نکاح خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اصرار سے کیا تھا۔ (از مہر نبوت)

① ان کا پہلا نکاح طفیل رضی اللہ عنہ بن حارث سے اور دوسرا عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کے بیٹے ہیں۔ تیسرا نکاح عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا وہ شہید ہو گئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ (از مہر نبوت مولٰنہ قاضی محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ)

بیشک یہ بہت بڑی برکت اس بی بی کو اپنی قوم پر ہوئی۔ ان کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا۔ (رضی اللہ عنہا) [1]

## دسویں بیوی

صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت ہارون نبی برادر موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ یہ اسیران خیبر میں سے ہیں۔ پہلے شوہر کا نام کنانہ بن ابوالحقیق ہے جو قتل ہوا۔ ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۷ھ میں ہوا اور انتقال ۳۶ھ یا بقول بعض ۵۰ھ میں ہوا۔

ان کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا اور آزادی کو ہی حق مہر قرار دیا' حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ان کی ذات کو ہی ان کا مہر بنا دیا اور قیامت تک امت کے لیے یہ سنت ہو گئی۔ یعنی جائز ہے کہ لونڈی کی آزادی کو اس کا مہر بنایا جائے اور زوجہ بنا لیا جائے' جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نص کر دیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو خبر ملی کہ حفصہ رضی اللہ عنہا ان کو یہودی کی بیٹی کہتی ہے۔ تو وہ رونے لگیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے جبکہ وہ رو رہی تھیں تو آپ نے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہو تو انہوں نے کہا کہ حفصہ نے مجھے کہا ہے کہ یہ یہودی کی بیٹی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نبی ہارون علیہ السلام کی بیٹی ہے اور تیرے چچا (موسیٰ علیہ السلام) بھی نبی تھے اور اب نبی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں ہے۔ پھر وہ کس بات میں تجھ پر فخر کرتی ہے۔ پھر فرمایا "اے حفصہ! اللہ سے ڈر۔" ترمذی نے اس حدیث کو صحیح غریب کہا ہے۔ غرض امر مذکورہ بالا ان کی

---

[1] جویریہ رضی اللہ عنہا کیسی تھی یہ اس سے ثابت ہے بیس سالہ جوان جس کے حصہ میں وہ آئی زر جرمانہ لے کر اسے چھوڑنا پسند کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کر لیا اور اس مختصر تدبیر سے ایک سو سے زیادہ بنی آدم کو ہمیشہ کے لیے لونڈی غلام ہونے سے بچا دیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (باوجود سوت ہونے کے) کہتی ہیں جویرہ رضی اللہ عنہا جیسا بابرکت نکاح کم دیکھنے میں آیا ہے جس کی طفیل اس قدر فرزندان آدم کو آزادی نصیب ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک نکاح میں ایسے ہی اسرار و رموز ہیں۔ (از مہر نبوت مؤلفہ قاضی محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ)

خصوصیات میں سے ہے۔ [1]

## گیارہویں بیوی

میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان سے نکاح بھی "سرف" میں ہوا اور ہم بستری بھی سرف میں اور ان کا انتقال بھی سرف میں ہوا۔ یہ مقام (سرف) مکہ معظمہ سے سات میل پر ہے۔ امہات المومنین میں یہ بلحاظ تزویج سب سے آخری بیوی ہیں' ان کا انتقال ۶۳ھ میں ہوا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (مفسر قرآن) کی خالہ ہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ کی ماں ام فضل بھی حارث کی بیٹی ہے۔ نیز یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (مشہور اسلامی جرنیل) کی بھی خالہ ہیں۔ ان کے نکاح میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ حالت احرام میں تھا یا احرام سے باہر۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام میں نہ تھے۔ چنانچہ ابو رافع سفیر نکاح کا یہی قول ہے۔ جس نے حالت احرام میں نکاح کا ہونا بیان کیا ہے اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ اسی قول کو گیارہ وجوہ سے دوسرے پر تقدیم دی گئی ہے جس کی بحث دوسری جگہ ہے۔

---

[1] اسیران خیبر میں سے ہیں' دحیہ کلبی صحابی کے حصہ میں آئیں۔ چونکہ یہ بی بی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل اور یہود کے شاہی خاندان سے تھی اس لیے تمام لشکر نے کہا کہ ایسی عورت دحیہ کو مل جانے کی کوئی وجہ نہیں۔ قریب تھا کہ یہ اختلاف باہمی آزردگی کا باعث ہو جاتا اور دلوں میں پھوٹک کا بیج بویا جاتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ اگر تو واپس جانا چاہتی ہے تو تجھے تیرے خاندان میں واپس کر دیا جائے۔ اس نے کہا کہ میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی اب اظہار اسلام کرتی ہوں اور واپس جانا نہیں چاہتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کا اختلاف اور صفیہ رضی اللہ عنہا کی صداقت دیکھ کر خود اس سے نکاح کر لینے کا فیصلہ فرمایا' لونڈی نہیں بلکہ بیوی بنا لیا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پدر و برادر و شوہر اہل اسلام کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ باوجود اس کے صفیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام لانا اور خاندان میں واپس جانے سے انکار کرنا' اسلام کی صداقت کے لیے اعلیٰ دلیل ہے۔ (از مہر نبوت مؤلفہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ)

الغرض یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ہم بستر ہوئے جیسا کہ حافظ ابو محمد مقدسی وغیرہ نے کہا ہے اور سات ایسی ہیں جن سے نکاح ہوا اور ہمبستری نہیں ہوئی۔

مقصود کلام یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر درود تابع ہے' ان کے احترام کا اور ان کی تحریم برامت کا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی بیویاں دنیا و آخرت میں ہیں۔ جس عورت سے نبی ﷺ نے ہمبستری نہیں کی اور زندگی میں ہی وہ نبی ﷺ سے جدا ہو گئی اسے ازواج مطہرات کے احکام و درجہ' جن کے سر سے نبی ﷺ نے انتقال فرمایا حاصل نہیں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلٰى اَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا۔

## ذریت کا بیان

ذریت کی تحقیق: اس بحث میں دو مسئلے ہیں اور پہلے مسئلہ میں لفظ کی بحث ہے' اس میں تین اقوال ہیں:

① یہ ذَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ سے ہے۔ جس کے معنی ہیں "اللہ نے خلقت کو پھیلایا" اور ظاہر کیا۔ ہمزہ کو ثقیل سمجھ کر گرا دیا۔ پس اس کی اصل ذَرَاهُ فَعَلَهُ کے وزن پر ہے۔ ذَرْءٌ سے۔ یہ قول تو صاحب صحاح وغیرہ کا مختار ہے۔

② اس کی اصل ذَرٌّ ہے۔ جو "چھوٹی چیونٹی" کو کہتے ہیں۔ پس یہ ذَرْيَة تھا۔ تغیر نسب کے طور پر ضمہ پہلے کر دیا اور ہمزہ پیچھے۔ مگر یہ قول چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے۔

(الف) باب نسب کی مخالفت ہے۔

(ب) حرف "را" کا "یا" سے بدل خلاف قیاس ہے۔

(ج) ذریت اور ذر میں گو ذ اور ر مشترک ہیں مگر معنی کے اعتبار سے ایک کا مفہوم دوسرے سے جدا ہے۔

(س) ذر تو مضاعف سے ہے اور ذُریة معتل [1] یا مہموز۔ [2] اس لیے یہ اور ہے وہ اور۔

③ ذریت : ذَرَا یَذْرُوْ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَتَذْرُوْہُ الرِّیَاحُ ۔ گویا دراصل یہ ذرو سے ذُرِیْوَةٌ فُعِیْلَةٌ کے وزن پر تھا۔ حرف و کو ی سے بدل دیا۔ کیونکہ یاء ما قبل ساکن موجود تھی۔

میرے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔ کیونکہ اشتقاق اور معنی اسی کی شہادت دیتے ہیں۔ بے شک اس کا مادہ ذرء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ﴾ (الشوری۴۲/ ۱۱)

"جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح جانوروں میں بھی (انہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے اور اسی طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ﴾(الأعراف۷/ ۱۷۹)

"اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۳)

"اور یہ بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں۔"

ذریت بمعنی مفعول یعنی مَذْرُوْرَةٌ ہے، ہمزہ کے بدل جانے سے ذریت بن گیا ہے۔

---

[1] وہ کلمہ ہے جس کے حروف اصلی میں حرف علت ہو۔

[2] وہ کلمہ ہے جس کے حروف اصلی میں ہمزہ ہو۔

معنی ذریت کی تحقیق: دوسرا مسئلہ اس لفظ کے معنی کا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں کہ ذریت اولاد صغار و کبار کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ﴾ (البقرة۲/ ۱۲٤)

"اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنایا۔"

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰٓ ءَادَمَ وَنُوحًا وَءَالَ إِبْرَٰهِيمَ وَءَالَ عِمْرَٰنَ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنۢ بَعْضٍ ﴾ (آل عمران۳/ ۳۳-۳٤)

"اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران (علیہم السلام) کو تمام جہانوں کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے۔"

﴿ وَمِنْ ءَابَآئِهِمْ وَذُرِّيَّٰتِهِمْ وَإِخْوَٰنِهِمْ ﴾ (الأنعام٦/ ۸۷)

"اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔"

رہا یہ کہ ذریت آباء کو بھی کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔

① کہا جا سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَءَايَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى ٱلْفُلْكِ ٱلْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ ﴾

"اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔" (یسن۳٦/ ٤۱)

② اہل لغت کی ایک جماعت نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لغت میں یہ معنی جائز نہیں، کیونکہ ذریت تو الفاظ نسل و عقب کی مثل ہے، اس لیے یہ عمود اسفل (نچلے درجے) کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے وَ مِنْ اٰبَائِھِمْ وَ ذُرِّیَاتِھِمْ وَ اِخْوَانِھِمْ فرمایا ہے اور نسب کی تین جہات اوپر نیچے، اطراف بیان کر دی ہیں۔

جس آیت سے قول اول میں دلیل پکڑی گئی ہے، وہ مدعا کے لحاظ سے ٹھیک

نہیں۔ کیونکہ اس میں کسی طرح بھی ذریت کو اولاد کی جانب مضاف نہیں کیا گیا اور اضافت کا یہ حال ہے کہ ادنیٰ تعلق اور خصوصیت سے بھی کی جاتی ہے۔

**اضافت اور اسم:** اور اسم کا یہ حال ہے کہ مختلف وجوہ سے دو جداگانہ اشیاء کی طرف مضاف ہوتا ہے، ایک کی جانب اور جہت اضافت ہوتی ہے اور دوسرے کی جانب جہت اضافت اور جناب ابوطالب عم رسول اللہ ﷺ کا شعر ہے ؎

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ اِبْنَنَا لاَ مُكَذَّبٌ
لَدَيْنَا وَلاَ يَعْزٰى لِقَوْلِ الاَبَاطِلِ

اس میں نبی ﷺ کو اپنا فرزند کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کا فرزند ابوطالب ہونا اور جہت سے ہے اور ابن عبداللہ ہونا اور جہت سے۔ علیٰ ہذا لفظ رسول کو دیکھو اسے کبھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب مضاف کیا ہے۔

﴿قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا﴾ (المائدة٥/ ١٥)

"تمہارے پاس ہمارا رسول آیا"

اور کبھی امت کی طرف:

﴿أَمْ لَمْ يَعْرِفُواْ رَسُولَهُمْ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٦٩)

"یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا۔"

پہلی آیت میں مرسل کی طرف اضافت ہے اور دوسری میں مرسل الیہم کی جانب۔ علیٰ ہذا لفظ کتاب کبھی اسے کتاب اللہ کہا جاتا ہے اور کبھی بندے یوں کہتے ہیں کہ ہماری کتاب قرآن ہے، ہماری کتاب سب کتابوں سے بہتر ہے۔ ایسی ہی اور بہت سی نظائر ہیں۔

**اِنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ کے معنی:** پس ((اِنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ)) میں لفظ ذریت اور جہت سے ان کی طرف مضاف کیا گیا اور آباء کی جانب اور جہت سے ہوتا۔ ایک گروہ اس آیت کے معنی یہ کرتا ہے کہ یہاں جنس بنی آدم مراد ہے، اشخاص موجودۂ زمان نبوی مراد نہیں۔ پس ذریت سے مراد جنس انسانی ہوئی۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ ذریت

سے مراد خود شخص مخاطب ہے اور اظہار قدرت و شمار نعمت کے لیے یہ طریق زیادہ بلیغ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذریت جو صلب آباء میں تھی..... آباء کو کشتی میں بچا لینے سے محفوظ رکھی گئی۔ اس پر کامل بحث ہم نے کتاب الروح والنفس میں کی ہے۔

غرض ((ذُرية)) اولاد اور اولاد کی اولاد کو کہتے ہیں۔

ذریت میں اولادِ دختر بھی داخل ہے یا نہیں؟: ذریت میں دختر کی اولاد بھی داخل ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں داخل ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "نہیں" جو ذریت میں اولاد دختر کو داخل سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کا ذریت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا سب مسلمانوں کے نزدیک باجماع صحیح ہے (واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات طیبات میں سے صرف سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ہی اولاد دنیا میں باقی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے نواسہ کو فرمایا تھا:

«إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ!»

"میرا یہ بیٹا (سید) سردار جنت ہے۔"

دیکھو یہاں میرا بیٹا فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آیت مباہلہ ﴿ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ ﴾ نازل فرمائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم کو ہی طلب فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے حق میں فرمایا ہے:

﴿وَمِن ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ وَسُلَيْمَـٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَـٰرُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٨٤﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ﴾ (الأنعام٦/ ٨٤-٨٥)

"اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو بھی اور ہم نیکوں کاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (علیہم السلام) کو بھی۔"

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ماں کی جہت سے ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ذریت میں اولاد دختر داخل نہیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ

اولاد در حقیقت اپنے آباء سے جنم لیتی ہے، دیکھو اگر ماں ہاشمیہ ہو اور باپ تیمی یا عدوی یا ہزلی تو کوئی شخص اولاد کو ہاشمی نہ کہے گا۔ کیونکہ اولاد نسب میں اپنے باپ کے تابع ہوتی ہے اور آزادی و غلامی میں ماں کی اور دین میں جو دونوں میں سے زیادہ نیک ہو۔ ایک شاعر کا قول ہے ؎

بَنُونَا بَنُوْا اَبْنَائِنَا وَبَنَاتِنَا
بَنُوْهُنَّ اَبْنَاءُ الرِّجَالِ الأَبَاعِدِ

چنانچہ اگر کسی قبیلہ کے متعلق کوئی وصیت یا وقف ہو تو اس میں اولاد دختر داخل نہیں ہوتی۔ رہا یہ امر کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں داخل ہے، سو اس کی وجہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے والد کریم النفس اور شریف النسب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شرف و جاہ ہے۔ جس کو اہل دو عالم میں سے کوئی نہیں پا سکتا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت و جلالت اور قدر و عظمت کا باعث ہے کہ نواسوں کو بھی اولاد کا درجہ مل گیا۔

چنانچہ ہم امراء و ملوک میں جب نگاہ کرتے ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب رفیع اور بارگاہ عالی سے کچھ بھی نسبت نہیں، تو دیکھا جاتا ہے کہ بے اولادی کی حالت میں وہ اولاد دختر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو نسبت فرزندی کے ساتھ چشم رغبت سے دیکھتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے باپ کا ذکر بھی درمیان سے اٹھا دینا چاہتے ہیں۔ ایسی حالت میں تم اس دودمان عالی اور اولاد عظیم الشان کے لیے کیا خیال کر سکتے ہو جن کی عظمت و جلالت روشن ہے۔

**نسب باپ کی طرف سے ہے:** رہا مسیح علیہ السلام کا ذریت ابراہیم علیہ السلام میں ہونا یہ کچھ حجت نہیں کیونکہ مسیح علیہ السلام کا باپ تھا ہی نہیں۔ چونکہ باپ کی طرف سے نسب کا قائم ہونا محال تھا اس لیے ماں ہی باپ کی جگہ سمجھی گئی۔ یہی حال ہے اس کا جس کا نسب باپ کی طرف سے لعان وغیرہ کی وجہ سے منقطع ہو گیا ہو کہ ماں نسب میں والدین کی جگہ سمجھی جاتی ہے اور اس وقت وہ عصبہ (اولاد نرینہ کی جگہ) بھی ہو گی۔ صحیح قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی اور مقتضائے نصوص بھی یہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی اور قیاس بھی اسی کی صحت پر شاہد ہے۔ کیونکہ نسب

دراصل باپ کی طرف سے ہے، جب ادھر سے منقطع ہو گیا تو ماں کی طرف راجع ہو گا اور اگر کبھی باپ کی طرف نسبت کا صحیح ہونا ممکن ہو جائے تب ماں کی جانب سے لوٹ کر پھر اسی کی طرف راجع ہو گا اور جیسا کہ سب کا اتفاق ہے۔

یہی حال ولاء میں ہے کہ وہ موالی پدر کے لیے ہے۔ لیکن اگر ادھر رجوع محال ہو تو موالی مادر کے لیے ہو گی اور اگر پھر ان کا عود اپنے معدن و قرار کی جانب ممکن ہو تو ادھر ہی رجوع کر جائیں گے اور ظاہر ہے کہ ولاء نسب کی فرع اور اسی کے دوش بدوش ہے۔ پس جب کہ ماں کے عصبات اس مولی کے لیے (جس کی تعصیب باپ کی جہت سے منقطع ہو گئی ہے) عصبات بن گئے ہیں تو اگر نسب میں ماں کے عصبات کا اس شخص کے لیے جس کی تعصیب باپ کی جہت سے منقطع ہو گئی ہے قائم کی جائے تو اولیٰ طریق ہو گا۔ ورنہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ولاء میں تو ثابت ہو اور نسب میں ثابت نہ ہو۔ جس کی غایت یہ ہے کہ اسی کا شبیہ اور اسی کی شاخ ہے۔

قیاس صحیح خلاف نص نہیں ہوتا: بے شک ایسے مسائل سے ہی پتہ لگتا ہے کہ قیاس صحیح کبھی نص کے خلاف نہیں ہوتا اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا علم کیسا عمیق تھا اور وہ علم کی کس غایت کو پہنچے ہوئے تھے، جہاں تک پہنچنا اور لوگوں کے لیے میسر نہیں۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

## پانچویں فصل

# ابراہیم خلیل الرحمٰن کا ذکر

یہ اسم گذشتہ نمونے میں سے ہے۔ ابراھیم کے معنی زبان سریانی میں "پدر مہربان" ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کو اہل عالم کے لیے تیسرا پدر بنایا ہے، یعنی پدر اول تو آدم علیہ السلام ہیں اور پدر ثانی نوح علیہ السلام۔ کیونکہ کل دنیا کے باشندے انہی کی اولاد ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِيْنَ ﴾ اسی آیت سے مؤرخین عجم کا کذب معلوم ہوتا ہے جن کا زعم یہ ہے۔

**مؤرخین عجم کی غلطی:** کہ ہم نوح علیہ السلام اور فرزندان نوح علیہ السلام کو نہیں جانتے۔ چنانچہ یہ اپنے نسب کو ان سے منسوب نہیں کرتے بلکہ اپنے بادشاہوں کو آدم علیہ السلام سے جاملاتے ہیں۔

اور پدر سوم جو أبُ الآباء اور عمود عالم اور امام الحنفاء ہیں، جن کو اللہ پاک نے خلیل بنایا اور نبوت و کتاب کو ان کی ذریت میں خاص کر دیا، وہ خلیل الرحمٰن، نیز شیخ الانبیاء حضرت ابراہیم ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام شیخ الانبیاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لیا تھا جب آپ کعبہ میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ مشرکین نے حضرت خلیل و جناب اسمٰعیل علیہما السلام کی تصاویر بنا رکھی ہیں، گویا دونوں پانسے پھینک رہے ہیں۔ فرمایا، مشرکین پر اللہ کی لعنت ہو، یہ جانتے ہیں کہ ہمارے شیخ (حضرت ابراہیم نے) کبھی پانسے نہیں پھینکے تھے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کسی نبی کے اتباع کے لیے نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ ثُمَّ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ أَنِ ٱتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ١٢٣)

"پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

امت محمدیہ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَٰهِيمَ ۚ ﴾ (الحج ٢٢/ ٧٨)

"اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔ (اور تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین (پسند کیا)۔"

واضح ہو کہ لفظ ملت منصوب ہے اضمار فعل پر اور معنی اس کے یہ ہیں کہ ملت

ابراہیم کا اتباع و لزوم کرو۔ محذوف پر آیت متقدم دلالت کرتی ہے جس میں یہ ہے کہ (جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ) اسی کو اِغراء کہتے ہیں اور اسی کو منصوب انتصاب مصدریہ اور عامل اس میں مضمون ما قبل ہوتا ہے۔ نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ صبح و شام یوں پڑھا کریں:

«اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الاِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الاِخْلَاصِ وَدِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّمِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ»

''ہم نے صبح کی فطرت اسلام پر، کلمہ اخلاص پر، اپنے نبی محمد (ﷺ) کے دین پر اور اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت پر جو یک رخ (اور سچے) مسلمان تھے اور (ہرگز) مشرکوں میں سے نہیں تھے۔''

ان الفاظ میں غور کرو کہ کیونکر اسلام کو فطرت فرمایا ہے، جس کے لیے فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا آ چکا ہے اور شہادت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کلمۂ اخلاص، ملت کو حضرت ابراہیم کا بتلایا۔ کیونکہ صاحب ملت وہی ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی عبادت کرنا اور اسی کی محبت ساری محبتوں سے بڑھ کر رکھنا اس (ملت کے اجزاء ہیں۔) دین کو نبی ﷺ کا بتلایا، جو دین کامل اور شریعت تام و جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام، امت، قانت، حنیف فرمایا ہے:

﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿١٢٤﴾﴾ (البقرة ٢/ ١٢٤)

''میں تمھیں سب لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، پوچھا! ابراہیم (علیہ السلام) نے کیا میری اولاد سے (یہی وعدہ ہے؟) فرمایا! ظالموں سے میرا یہ وعدہ نہیں۔''

اس آیت میں حضرت خلیل علیہ السلام کو امام بھی بتلایا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ آپ کی ذریت میں سے جو ظالم ہو گا اسے رتبۂ امامت نہ ملے گا۔ ظالم اس جگہ بمعنی مشرک ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾﴾

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾

(النحل١٦/ ١٢٠-١٢١)

"بے شک ابراہیم (علیہ السلام) اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا' اللہ کا مطیع فرمان اور یک سو' وہ کبھی مشرک نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اسے منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔"

امت کے معنی پیشوا اور خیر کی تعلیم دہندہ ہیں۔ قانت کے معنی مطیع رب اور اسی کی عبادت کو واجب کرنے والا ہے۔ حنیف کے معنی اللہ کی جانب رجوع کرنے والا اور غیر سے پیٹھ پھیرنے والا ہیں۔ جس شخص نے حنیف کے معنی مائل لکھے ہیں اس نے ٹھیک موضوع لفظ کے موافق ترجمہ نہیں کیا بلکہ لازم معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ حنیف کے معنی منہ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ جو کوئی ایک طرف منہ کرے گا وہ دوسرے سے منہ پھیر لے گا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا کی تفسیر: چنانچہ قرآن مجید میں ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا اس میں حنیف مضمون فَاَقِمْ کے لیے حال مفردہ ہے۔ اسی لیے اس جگہ اس کی تفسیر مُخْلِصًا کی گئی ہے اور آیت صدق و اخلاص پر متضمن ہے۔ کیونکہ دین کے لیے اقامت وجہ کے معنی اپنی طلب و خواہش کو مفرد کر لینے کے ہیں' اس طرح پر کہ دل میں غیر کا ارادہ نہ کرتا ہو۔ صدق کے معنی یہ ہیں کہ طلب منقسم نہ ہو اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ مطلوب منقسم نہ ہو' یعنی صدق تو توحید طلب کا نام ہے اور اخلاص توحید مطلوب کا۔

المختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے پدر سوم اور امام الحنفاء ہیں اور اہل کتاب نے آپ کا نام عمود عالم رکھا ہے۔ آپ کی تعظیم و تولیت و محبت پر جمیع اہل عالم متفق ہیں۔ حضرت خلیل کی اولاد میں سے بہترین نام بردار اور آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت خلیل علیہ السلام کی نہایت تعظیم و اجلال اور عزت و احترام کیا کرتے تھے۔ صحیحین میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خَيْرُ الْبَرِيَّه کہا۔ فرمایا یہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں ایک جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

اپنا شیخ فرمایا ہے اور صحیح بخاری کی حدیث حسن ابن عباس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ سروپا برہنہ غیر مختون قبروں سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔"

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خلقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تر تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ خلقت (جسمانی بناوٹ) میں تمہارے صاحب (رسول مقبول) سے بہت مشابہ ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے مجھے دیکھ لو اور عادت مبارکہ یہ تھی کہ جو تعویذ حضرت ابراہیم' اسمٰعیل و اسحاق علیہم السلام کو دیا کرتے تھے وہی تعویذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسنین رضی اللہ عنہما کو دیا کرتے تھے۔ بخاری میں سعید بن جبیر' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسنین رضی اللہ عنہ کو تعویذ دیا کرتے اور فرماتے کہ تمہارے والد بھی اسمٰعیل و اسحاق علیہما السلام کو ان ہی الفاظ سے تعویذ دیا کرتے تھے۔ وہ لفظ یہ ہیں:

«أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لأَمَّةٍ»

**اولیات خلیل:** حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے بزرگوار ہیں جنہوں نے مہمان نوازی شروع کی' اور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ختنہ کیا اور وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سفید بال پائے' چنانچہ دیکھ کر عرض کیا' الٰہی یہ کیا ہے۔ فرمایا وقار۔ عرض کیا' الٰہی! میرے وقار کو زیادہ کر۔ تم قرآن مجید کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مہمان نوازی ملائکہ کے بارے میں کیسی ثناء فرمائی ہے۔

**مہمان نوازی خلیل علیہ السلام:** فرمایا:

﴿ هَلْ أَتَىٰكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَٰهِيمَ ٱلْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا۟ عَلَيْهِ فَقَالُوا۟ سَلَٰمًا ۖ قَالَ سَلَٰمٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٦﴾ ﴾ (الذاریات ٥١/ ٢٤-٢٦)

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی حکایت بھی تمہیں پہنچی

ہے؟ جب وہ اس کے ہاں آئے تو کہا آپ کو سلام ہے۔ اس نے کہا آپ لوگوں کو بھی سلام ہے۔ کچھ ناآشنا سے لوگ ہیں۔ پھر وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گیا اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لا کر مہمانوں کے آگے پیش کیا۔"

اس کلام میں متعدد وجوہات کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ثناء مقصود ہے۔

① مہمان کی صفت مُکْرَمِیْن فرمائی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کا اکرام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ وہ مہمان اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحب اکرام تھے اور یہ صفت باعث تعریف یوں ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام ایسے مکرم مہمانوں کے میزبان بنتے تھے۔ واضح رہے کہ ہر دو اقوال میں کوئی تضاد نہیں اور آیت میں ہر دو معانی پر دلالت ہے۔

② ((اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ)) اس میں یہ ذکر نہیں کہ انہوں نے اندر آنے کی اجازت بھی نہ لی تھی۔ اس سے یہ نکلتا ہے کہ مہمان نوازی اور ضیف پروری کے تذکرے بے حد مشہور تھے اور آپ کا گھر آزاد مہمان سرائے بنا ہوا تھا جس میں داخل ہونے کے لیے اجازت وغیرہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ اندر چلے آنا ہی اجازت میں داخل تھا۔ اس سے حضرت خلیل علیہ السلام کا نہایت و غایت جود و کرم نکلتا ہے۔

③ فرشتوں نے سَلَامًا بالنصب کیا اور حضرت نے جواب بالرفع دیا۔ وہ جملہ فعلیہ پر دلالت کرتا ہے۔ جو حدوث و تجدد کا اظہار کرتا ہے اور یہ جملہ اسمیہ پر دلالت کرتا ہے۔ جو ثبوت و تجدد پر دال ہے۔ گویا انہوں نے سَلَّمْنَا سَلَامًا کہا اور حضرت نے ((سَلَامٌ عَلَیْکُمْ)) فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ فرشتوں کے سلام و برکات کا جواب ان سے بہتر و برتر طریق پر دیا۔

④ ((قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ)) سے پہلے مبتداء کو محذوف کر دیا، یعنی گو حضرت خلیل علیہ السلام نے ان کو شناخت نہ کیا تھا، تاہم ایسے الفاظ کے استعمال سے جس سے مہمان کو نفرت و وحشت پیدا ہو آپ نے اعراض کیا اور کلام کو لطیف بنانے کی غرض سے مبتداء حذف کر دیا۔

⑤ بناء فعل مفعول پر رکھی اور فاعل کو حذف کر کے منکرون فرمایا اور اِنِّیْ اُنْکِرُکُمْ نہیں فرمایا۔ کیونکہ اس جگہ یہی مناسب تر تھا اور نفرت یا خشونت کے بچاؤ کا یہی طریق۔

⑥ ((رَاغَ اِلٰی اَھْلِه)) فرمایا۔ لغت میں روغان ایسے دبک کر جانے کو کہتے ہیں جس کی خبر دوسرے کو نہ ہو۔ یہ بھی گھر والے سے مہمان کے لیے اکرام ہی ہے کہ اطلاع کے بغیر چپکے سے چلا جائے اور خبر جب ہی ہو کہ کھانا سامنے آ جائے تاکہ مہمانوں کو ندامت اٹھانا نہ پڑے' برخلاف اس کے جو مہمان کو سنایا کرے کہ میں تمہارے لیے روٹی پانی کا فکر کرتا ہوں آپ یہاں ٹھہریں وغیرہ وغیرہ۔ جس سے مہمان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

⑦ ((فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ)) فرمایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مہمانوں کے لیے کھانا گھر میں ہر وقت تیار رہتا تھا اور یہ ضرورت نہ تھی کہ مہمان آئے بیٹھے ہیں تو آپ ہمسایہ وغیرہ سے قرض و دام یا خرید کا انتظام کر رہے ہیں-- فَجَاءَ بِعِجْلٍ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کی خدمت آپ بذات خود کیا کرتے تھے اور مہمان کی خدمت گذاری خدام کے متعلق نہ رکھتے۔ یہ مطلب فَذَھَبَ اور فَجَاءَ سے نکلتا ہے۔

⑧ ((بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ)) سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے تمام گوشت کو لے آئے تھے' اس میں سے کچھ حصہ کو نہیں۔ اس سے بھی حضرت کے کرم و جود کی کثرت و انتہا معلوم ہوتی ہے۔

⑨ ((بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ)) کا مطلب یہ کہ وہ دبلا بیمار وغیرہ بھی نہ تھا' بلکہ چاق و چوبند تھا' جسے عام لوگ خوب نگہداشت سے رکھتے اور تربیت کیا کرتے ہیں۔ مگر حضرت خلیل علیہ السلام ایسے مال کو مہمانوں پر صرف کر دیا کرتے تھے۔

⑩ ((قَرَّبَهُ اِلَیْھِمْ)) یعنی کھانا خود ہی آگے لا کر رکھا خادم وغیرہ کو نہیں فرمایا۔

⑪ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کھانا ان کے سامنے لایا گیا اور ان کو طعام کے پاس جانا نہیں پڑا۔ یہ صورت بھی اکرام مہمان کی ہے کہ کھانا اس کے پاس لایا

جائے نہ یہ کہ کھانا دوسری جگہ رکھ کر کہا جائے کہ چلو اٹھ کر وہاں کھانا کھالو۔

⑫ ((اَلَا تَاْكُلُوْنَ)) جس کا ترجمہ یہ سمجھو کہ کیا آپ تناول نہیں فرمائیں گے، کیا شوق نہ کیجئے گا۔ یہ پیرایہ اس سے بہتر ہے کہ کھاؤ ہاتھ بڑھاؤ، کہا جائے۔ اس فقرہ کی لطافت خاص لوگ خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایسے موقعہ پر یوں بھی کہا کرتے ہیں آیئے بسم اللہ۔ ذرا مہربانی فرمایئے، نہیں تکلف کیوں کرتے ہو وغیرہ وغیرہ۔

⑬ حضرت خلیل علیہ السلام نے کھانا آگے لا رکھا اس لیے کہ آپ کے مہمان زیادہ اذن کے محتاج نہ ہوتے تھے، مگر جب انہوں نے نہ کھایا تب ان کو اَلَا تَاْكُلُوْنَ فرمایا۔ مطلب یہ کہ کھاتے کیوں نہیں۔ اسی سے آپ کو خوف بھی ہوا، مگر اسے مخفی رکھا۔

⑭ ان کے کھانا نہ کھانے سے خوف ہوا تھا اسے خود ظاہر نہیں ہونے دیا بلکہ فرشتوں نے خود ہی ان کی حالت کو سمجھ کر لَا تَخَفْ کہا اور فرزند کی بشارت دے دی۔

غرض مذکورہ بالا آیات میں ضیافت کے تمام آداب جو بہترین آداب ہیں بیان کر دیئے گئے ہیں اور ان کے ماسوا جو کچھ ہے وہ محض تکلف و تکلیف اور دکھاوا و بناوٹ کا سامان ہے جو لوگوں نے بنایا ہے اور شرف و فخر کے لیے تو یہی آداب کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دونوں کی آل پر اور سب انبیاء پر درود نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو حکم ان کو ملا تھا۔ وہ انہوں نے پورا کیا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿٣٧﴾ ﴾
(النجم ۵۳/ ۳۶-۳۷)

"کیا خبر نہیں ملی جو کچھ موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم کے صحیفوں میں، جس نے پورا کر دیا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جملہ شرائع اسلام کو پورا کیا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں جو حکم ہوتا رہا اسے پورا نبھایا۔ دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ (البقرة ٢/ ١٢٤)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا اور انہوں نے ان کلمات کو پورا کر دیا اور اللہ پاک نے ان کو خلائق کا امام مقرر فرمایا جن کی اقتداء کی جاتی ہے۔"

کسی نے ان کی ثناء میں کیا خوب کہا ہے

جسم تھا نیز ان کا اور مال تھا ضیفان کا!
قلب رحمان کے لیے فرزند قربان کے لیے

خلت اور قربانی فرزند: پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیل بنایا۔ خلت کمالِ محبت کا نام ہے اور اس رتبہ میں دوسرے کی مشارکت و مزاحمت نہیں رہتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزند صالح کی بھی دعا کر رکھی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو اسمٰعیل علیہ السلام دیئے۔ بیٹے نے دلی توجہ کا تھوڑا سا حصہ اپنی طرف کر لیا اس لیے خلیل (اللہ تعالیٰ) کو خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے دل پر غیرت آئی کہ اس میں دوسرے کے لیے کیوں جگہ ہو۔ پس حکم ذبح دے کر ان کا امتحان لیا گیا تاکہ سب لوگوں پر خلت کا راز' محبت خلیل کو محبت فرزند سے مقدم کر دینے سے کھل جائے۔ چنانچہ جب انہوں نے حکم الٰہی کے لیے گردن جھکا دی اور اپنے فعل کا عزم کر لیا اور خلت کے جذبہ و جوش نے ظاہر ہو کر محبت خلیل پر فرزند قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس حالت کو کھول دیا اور ایک قربانی کو ان کا فدیہ بنا دیا۔ کیونکہ حکم ذبح میں صرف یہی مصلحت تھی کہ عزم پختہ ہو جائے اور حکم پر نفس قائم ہو جائے۔ جب یہ مصلحت حاصل ہو گئی تو ذبح کی ضرورت نہ رہی۔ البتہ ہدایا و ضحایا کا قیامت تک کیے جانا ان کی اتباع میں سنت ہو گیا۔

**مناظرہ** حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی وہ بزرگوار ہیں جنہوں نے مشرکین و اہل باطل کے ساتھ دروازہ مناظرہ کو کھولا اور ان کے دلائل کو توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے اس مناظرہ کا بھی ذکر کیا ہے جو جھوٹے لوگوں کے سرغنے کے ساتھ آپ کا ہوا اور اس مناظرہ کا بھی جو مشرکین کے ساتھ ہوا۔ دونوں گروہ کے دلائل کو آپ نے جس طرح شکست دی ہے وہ طریق نہایت عمدہ ہے، جس سے فہم بڑھتا اور علم حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ ءَاتَيْنَٰهَآ إِبْرَٰهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَٰتٍ مَّن نَّشَآءُ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٣)

"یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی، ہم جس کا چاہتے ہیں درجہ بلند کرتے ہیں۔"

زید بن اسلم وغیرہ کہتے ہیں کہ اس جگہ درجات کا بلند ہونا حجت اور علم کے ساتھ مراد ہے۔

**اعداء کی مخالفت:** واضح ہو کہ جب اعدائے دین دلیل میں ان سے ہار گئے اور حضرت خلیل علیہ السلام نے دلیل میں ان کو ذلیل کر دیا۔ نیز ان کے بتوں کو بھی توڑ دیا تو سب نے آپ کی ایذا دہی اور آگ میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ بے شک باطل پرستوں کا یہی وتیرہ رہا ہے کہ جب دلیل کے سامنے ذلیل ہو جاتے ہیں تو ایذا رسانی کی فکر میں لگ جایا کرتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل سے تنگ آ کر کہا تھا کہ: اگر تو میرے سوا کسی دوسرے کو معبود سمجھے گا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔

الغرض آگ بھڑکائی گئی اور منجنیق میں رکھ کر آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ سبحان اللہ یہ سفر بھی کیسا عظیم تھا جس کو ایسی استقامت و ثبات کے ساتھ سیدنا خلیل نے کیا تھا، جو حضرت کی عظمت اور رفعت شان کے ظاہر ہونے کا موجب اور آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا سبب تھا۔ اس مسافرت میں جبریل امین آسمان و زمین کے اندر ظاہر ہوئے اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کو کچھ حاجت ہے تو فرمائیے۔ فرمایا، تجھ سے تو کوئی حاجت نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت:

﴿ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَٰنًا وَقَالُواْ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۳)

''لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں تم کو ڈرنا چاہیئے' اس سے ان کا ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

کی تفسیر میں کہا ہے کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یہی پڑھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی' جب ان کو آگ میں ڈالا گیا یہی پڑھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حضرت پر ٹھنڈک اور باعث سلامتی بنا دیا۔ صحیح بخاری میں ام شریک کی روایت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کرلے کو مار ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ میں پھونک مار کر اسے بھڑکاتا تھا۔

**بناء بیت اللہ :** حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی وہ بزرگوار ہیں جنہوں نے بیت اللہ بنایا اور لوگوں کو حج کے لیے پکارا۔ اب جتنے حج یا عمرہ کرنے والے ہیں' اتنا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثواب و اکرام مزید ملتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِذْ جَعَلْنَا ٱلْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۲۵)

''اور یاد کرو کہ جب ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) یہاں کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو۔''

اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کو حکم دیا گیا کہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ قرار دیا جائے تاکہ خلیل علیہ السلام کی واضح پیروی ہو جائے اور آثار تروتازہ رہیں۔ اللہ اکبر' اس امام اعظم' نبی اکرم کے مناقب اس قدر ہیں کہ اس کتاب میں نہیں آسکتے۔ ان شاء اللہ اگر عمر نے یاری دی تو میں اس مضمون پر ایک جداگانہ کتاب لکھوں گا جو ان کے بحر فضائل میں سے ایک قطرہ یا اس سے بھی کم کی نسبت رکھتی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے من و کرم سے ہم کو اس مقدس بزرگوار کی ملت پر چلنے والوں میں سے بنائے اور ان لوگوں میں سے نہ بنائے جنہوں نے اس ملت بیضاء کو چھوڑ دیا ہے۔

واضح ہو کہ نبی ﷺ نے حضرت خلیل علیہ السلام سے ایک حدیث روایت کی ہے جو متصل روایت کے ساتھ ہمارے تک پہنچی ہے۔ ترمذی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں شب معراج کو حضرت ابراہیم سے ملا، انہوں نے کہا، اے محمد (ﷺ)! آپ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دیجئے اور ان کو بتلا دیجئے کہ جنت پاک زمین اور شیریں پانی والی ہے، وہ صاف زمین ہے اور اس کے پودے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ہیں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

## چھٹی فصل

# ایک مشہور مسئلے کا بیان

صلوٰۃ نبوی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ سے وجہ تشبیہہ: وہ مسئلہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں، پھر آپ کے لیے جو صلوٰۃ طلب کی جاتی ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی کیونکر ہے۔ حالانکہ مشبّہ بہ کی اصلیت یہ ہے کہ وہ مشبّہ سے برتر ہوتا ہے۔

"گویا دو متضاد امر ہو گئے، ان میں جمع کیوں کر ہو سکتی ہے۔"

ہم اس بارے میں لوگوں کے اقوال بھی لکھیں گے اور ان کا صحیح و فاسد ہونا بھی ظاہر کر دیں گے۔

① ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ درود نبی ﷺ نے امت کو اس وقت سکھلایا تھا کہ ابھی نبی ﷺ کو یہ بتلایا نہیں گیا تھا کہ: "آپ فرزندان آدم کے سردار ہیں۔"

اس قول کا قائل اگر خاموش ہی رہتا تو اس کے لیے بہتر و اولیٰ تھا۔ کیونکہ یہ درود نبی ﷺ نے جب آپ ﷺ سے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ يُصَلُّوْنَ ﴾ الآیۃ کی تفسیر دریافت کی گئی تب سکھلایا ہے اور تاقیامت اپنی امت کی نمازوں کے واسطے مشروع

فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ تو ہمیشہ فرزندان آدم علیہ السلام سے افضل تھے۔ بتلائے جانے سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ پھر یہ کہ افضیلت معلوم ہو جانے کے بعد بھی تو آپ نے ان الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں فرمایا اور کسی نے موجودہ الفاظ درود کے خلاف روایت نہیں کی۔ اس وجہ سے معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ہی غلط جواب ہے۔

② ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ سوال و طلب اس لیے مشروع ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی خلیل بنالے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔

اس کا جواب حدیث صحیح سے دیا گیا ہے جس میں ((وَ اِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ)) ہے۔ یعنی نبی ﷺ خلیل الرحمٰن ہیں۔ مطلب یہ کہ اس حصول منصب کے بعد الفاظ کو پلٹ دینا چاہیئے تھا۔ اس لیے پہلے جواب کی طرح یہ بھی غلط ہے۔

③ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہہ درود پڑھنے والے کی طرف راجع ہوتی ہے جو کچھ درود پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کرتا ہے کہ اس کے ثواب میں اللہ تعالیٰ مجھ پر ایسی رحمتیں نازل کرے جیسی آل ابراہیم پر کی تھیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے جو صلوٰۃ مطلوب ہے وہ ایسی اجل و اعظم ہے جو اہل عالم میں سے کسی کو حاصل نہیں۔

یہ جواب بھی پہلے جوابوں کا سا ہے بلکہ غلطی میں ان سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ تشبیہہ مصلی (درود خواں) کے لیے نہیں بلکہ مصلی علیہ (نبی ﷺ) کے لیے ہے۔ اب جو شخص اس کے یہ معنی سمجھتا ہے کہ الٰہی! میری درود خوانی کا ثواب مجھے وہ دے جو آل ابراہیم کو دیا ہے، بیشک وہ تحریف کرتا ہے اور کلام کو باطل بناتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں جواب تو ایسے ہیں کہ اگر ان کا ذکر بعض شارحین نے نہ کیا ہوتا اور نقل اقوال بالا میں ورق سیاہ نہ کئے ہوتے اور اس کا نام تحقیق رکھ کر لوگوں کو وہم میں نہ ڈالا ہوتا، تب ان کا ذکر نہ کرنا ہی اولیٰ تھا کیونکہ ذی علم کو ایسا لکھنے اور رد کرنے میں بھی حیا آتی ہے۔

④ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تشبیہہ فقط آل پر عائد ہے۔ ان کے نزدیک اَللّٰھُمَّ صَلِّ

عَلٰی مُحَمَّدٍ تو ایک جداگانہ فقرہ ہے اور وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ جدا فقرہ۔ اس کو عمرانی نے شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ تو ان سے غلط روایت کی گئی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ ایسا قول کہیں۔ ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کا علم ہی کہے دیتا ہے کہ یہ قول ان کا نہیں۔ یہ تو بہت ہی رکیک و ضعیف ہے کیونکہ اول تو بہت حدیثوں میں یہ الفاظ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ تو پھر توجیہہ بالا کے کیا معنی ہوں گے۔ (دیکھو باب اول) دوم عربیت کے لحاظ سے بھی یہ صحیح نہیں کیونکہ جب عامل کا معمول ذکر کر دیا جائے اور دوسرے کو اس کا معطوف بنایا جائے اور ظرف یا جار و مجرور یا مصدر یا صفت مصدر کی قید بھی ہو تو اس جگہ عامل معمول اور معطوف دونوں پر راجع ہو گا۔ یہ ایسا قاعدہ ہے کہ عربیت اس کے خلاف دوسری بات کو مان نہیں سکتی۔ جب تم یہ کہو گے۔ جَاءَنِیْ زَیْدٌ وَ عَمْرٌو یَوْمَ الْجُمُعَةِ تو جمعہ کا دن دونوں کے آنے کا ظرف ہو گا تنہا عمرو کا نہیں۔ یا جب تم کہو گے ضَرَبْتُ زَیْدًا وَ عَمْرواً ضربًا تو ضرب کا اثر دونوں پر سمجھا جائے گا۔ یا کہو ضَرَبْتُ زَیْدًا وَ عَمْرًوا اَمَامَ الْاَمِیْرِ تو امیر کے سامنے دونوں کا پٹنا نکلے گا۔ علیٰ ہذا اور بہت مثالیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ قاعدہ تو جب ہے کہ عامل کا اعادہ نہ ہو' لیکن جب عامل کا اعادہ ہو۔ تب ایسا کرنا بہتر ہو گا' مثلاً کوئی کہے۔ سَلَامٌ عَلٰی زَیْدٍوَّ عَلٰی عَمْرٍو اِذَالَقِیْتَهٗ تو یہاں کوئی امتناع نہیں ہے۔ اگر اِذَا لَقِیْتَهٗ کو عمرو کے ساتھ مختص کیا جائے۔ چونکہ یہ بھی وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کہہ کر عامل کو مکرر لایا گیا ہے اس لیے معنی بالا درست ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مثال بالا تو مسئلہ صلوٰۃ کے مطابق نہیں' یہ مطابقت تو اس وقت ہوتی جب تم سَلَامٌ عَلٰی زَیْدٍ وَّ عَلٰی عَمْرٍو کَمَا تُسَلِّمُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کہو اور پھر یہ دعویٰ کرو کہ تشبیہہ صرف عمرو پر سلام کرنے میں ہے' ورنہ ظاہر ہے کہ ایسا ادعا محض باطل ہے۔

⑤ ایک گروہ کہتا ہے یہ ضروری نہیں کہ مشبّہ بہ مشبّہ سے اعلیٰ ہی ہو بلکہ جائز ہے

کہ دونوں متماثل ہوں یا مشبّہ ہی مشبّہ بہ سے اعلیٰ ہو۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ گو نبی ﷺ درود میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متماثل (یکساں و برابر) ہیں مگر نبی ﷺ کی افضلیت دیگر وجوہ سے ثابت ہے۔

مشبّہ بہ سے مشبّہ کے افضل ہونے کی دلیل یہ شعر ہے ؎

بَنُـــوْنَـــا بَـنُـوْا اَبْنَائِنَا وَبَنَاتِنَا

بَنُوْهُنَّ اَبْنَاءُ الرِّجَالِ الأَبَاعِدِ

واضح ہو کہ یہ قول بھی چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے۔

(الف) مشبّہ بہ سے مشبّہ کا افضل ہونا خلاف معلوم اور قاعدہ تشبیہہ کے مخالف ہے کیونکہ عرب کسی شے کو دوسری سے تشبیہہ تب ہی دیتے ہیں جب وہ اس سے برتر ہو۔

شعر بالا جس سے اس دعویٰ پر دلیل پکڑی گئی ہے اس پر کچھ دلالت نہیں کرتا۔ اس کی نسبت اہل معانی کے ایک گروہ کا قول ہے کہ یا تو اس شعر میں مبتداء مؤخر اور خبر مقدم اور بنی ابناء کو ابناء سے تشبیہہ دی ہے اور خبر کو اس لیے مقدم کیا کہ معنی ظاہر ہوتے رہیں اور التباس واقع نہ ہو۔ سو اس صورت میں تو تشبیہہ اپنی اصلیت پر ہے اور یا اس جگہ عکس تشبیہہ کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ جیسا کہ قمر کو حسن میں روئے روشن کے ساتھ۔

عکس تشبیہہ کا قاعدہ: یا شیر کو مرد دلیر کے ساتھ یا دریا کو کامل سخی کے ساتھ تشبیہہ دی جائے۔ اس تشبیہہ میں حسین و دلیر و سخی کو مشبّہ بہ کا درجہ دیا گیا ہے اور عکس تشبیہہ میں ایسا جائز ہوتا ہے۔ پس اس شعر میں شاعر نے بنی ابناء کو ابناء کا (جو بہرحال بنی ابناء سے برتر ہوتے ہیں) درجہ دیا ہے اور پھر ابناء کو ان سے تشبیہہ دی ہے۔ یہ قول تو اہل معانی میں سے ایک گروہ کا ہے مگر میرے نزدیک تو شاعر کا یہ ارادہ ہی پایا نہیں جاتا' اس نے تو پوتا اور نواسہ میں تفریق دکھلانے کا ارادہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ نواسے ہمارے بیٹے نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اپنے آباء کے تحت میں ہوتے ہیں ہاں پوتے ضرور ہمارے بیٹے ہیں کیونکہ ہمارے بیٹوں کے تحت میں ہیں۔ پس شعر بالا میں

نہ بنی ابناء سے تشبیہہ دی گئی نہ بالعکس۔

(ب) صلوٰۃ میں دوسرے شخص کا نبی ﷺ سے متساوی ہونا یوں درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ نام ہے اجل و اعلیٰ مراتب کا اور محمد رسول اللہ ﷺ افضل الخلق ہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ جو صلوٰۃ نبی ﷺ کو حاصل ہو وہ دیگر مخلوق سے افضل و برتر ہو۔

پس کوئی شخص اس بارے میں نبی ﷺ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں پھر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا اور تسلیم کے ساتھ اس کو مؤکد فرمایا۔ یہ خبراور یہ امر کسی مخلوق کے لیے قرآن مجید میں سوا نبی ﷺ کے ثابت نہیں۔ پھر خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے خلقت کو نیکی کی تعلیم دینے والے (نبی کا ترجمہ معلم خیر کیا ہے) پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ کی تعلیم سے لوگ دنیا و آخرت کی برائی سے بچ کر فلاح و سعادت دارین کو پہنچ گئے اور ان مومنین کے زمرہ میں جن پر اللہ اور فرشتوں کی رحمتیں اترتی ہیں داخل ہو گئے۔ پس جب نبی ﷺ سے تعلیم یافتہ اس درجہ کے ہیں کہ اللہ اور فرشتوں کی رحمت ان پر ہو تو ان کے معلم خیر یعنی خود نبی ﷺ پر اللہ کی اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا ہونا کس قدر ضروری ٹھہرا۔

اب تم خیال کرو کہ جتنے معلم خیر (انبیاء) گزرے ہیں ان میں سے کوئی بھی تعلیم کی فضیلت اور کثرت میں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر نہیں' نہ امت کو عمدہ نصیحت کرنے میں اور نہ تعلیم دینے کے مصائب پر زیادہ صبر کرنے میں۔ اسی لیے امت محمدیہ تعلیم کے اس درجہ تک پہنچ گئی جہاں تک اور امتیں نہیں پہنچیں اور اس امت کو وہ وہ علوم نافعہ و اعمال صالحہ ملے ہیں جن کی وجہ سے یہ خیر امت کہلائی اور لوگوں کی ہدایت کے لیے ذمہ دار ٹھہری' اندریں صورت تم خود ہی خیال کرو کہ اس معلم خیر (رسول) کی صلوٰۃ کیوں کر اس بزرگوار کی صلوٰۃ کے برابر ہو سکتی ہے جو تعلیم میں نبی ﷺ کا مماثل نہیں۔

⑥ ایک گروہ کا قول ہے کہ یوں تو نبی ﷺ کو صلوٰۃ خاصہ میں سے ایک ایسا حصہ حاصل ہے کہ کوئی اس حصہ میں آپ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس جگہ جس صلوٰۃ کا سوال ہے۔ یہ اس صلوٰۃ خاصہ سے زائد ہے جو پہلے سے نبی ﷺ کو عطا شدہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہہ بھی اسی حصہ زائد میں ہے اور اس میں کوئی انکار کی بات نہیں ہے کہ فاضل کے لیے بھی مفضول کی ایک فضیلت کا سوال کیا جائے جس سے فاضل کی خصوصیات فضل پر اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ ایک شخص کو بہت سا روپیہ دے' اور دوسرے کو اس سے کم۔ جسے بہت روپیہ دیا گیا وہ پہلے سے غریب تھا اور دوسرا امیر۔ اس پر یہ درخواست کی جائے کہ دونوں کو برابر کا عطیہ عطا ہو تو دیکھو کہ جو پہلے سے امیر تھا وہ بہرحال دوسرے سے (باوجود اس عطیہ میں برابر ہونے کے بھی) بڑھ کر رہے گا۔

لیکن یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ پھر ہم کو صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا۔ تو کچھ شک نہیں کہ صلوٰۃ وہی طلب کی گئی ہے جس کی خبر دی گئی ہے' نہ اس سے کم درجہ کی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ پاک اور ملائکہ نورانی کی صلوٰۃ اکمل و ارجح ہے مرجوح و مفضول نہیں لیکن بقول اس گروہ کے صلوٰۃ مرجوح طلب کی جاتی ہے نہ راجح۔ اور وہ راجح تب بنتی ہے جب صلوٰۃ خاصہ سے (جو ہم سے طلب نہیں کی گئی) جا کر ملتی ہے۔ اس صورت میں اس قول کے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہا۔ کیونکہ پروردگار سے امت کا سوال ہمیشہ نبی ﷺ کے لیے افضل و اکمل صلوٰۃ کا ہوتا ہے۔

⑦ ایک گروہ کا قول ہے کہ تشبیہہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے نہ اس کی مقدار اور کیفیت میں اور سوال کا مدعا ہیئت کی جانب راجع ہے' نہ مقدار موہوب کی طرف۔

اس کی مثال یہ ہو کہ تم کسی کو یہ کہو کہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسا فلاں شخص کے ساتھ کیا ہے تو اس سے مقدار احسان مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ

صرف احسان کرنا مراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ وَأَحۡسِن كَمَآ أَحۡسَنَ ٱللَّهُ إِلَيۡكَ ﴾ (القصص۲۸/ ۷۷)

"نیکی کر جیسے اللہ نے تجھ سے نیکی کی ہے۔"

دیکھو یہ کس کی طاقت ہے کہ اللہ کے احسانات کے برابر خود احسان کر سکے تو معلوم ہوا کہ مقدار مراد نہیں اصل احسان مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ كَمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ نُوحٖ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعۡدِهِۦۚ ﴾

(النساء٤/ ١٦٣)

"ہم نے تیرے پاس وحی بھیجی۔ جیسے نوح کے پاس اور ان کے مابعد نبیوں کے پاس بھیجی تھی۔"

یہاں بھی اصل وحی تشبیہہ ہے نہ مقدار وحی میں اور نہ جن پر وحی اتری ان کی فضیلت میں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَلۡيَأۡتِنَا بِـَٔايَةٖ كَمَآ أُرۡسِلَ ٱلۡأَوَّلُونَ ۝٥ ﴾ (الأنبیاء۲۱/ ۵)

"لائیے ہمارے پاس نشانی جیسے پہلوں کو نشانی دے کر بھیجا گیا تھا۔"

اس میں بھی جنس معجزہ مراد ہے' نہ کہ نظیر معجزہ۔ فرمایا:

﴿ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ كَمَا ٱسۡتَخۡلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡ ﴾

(النور٢٤/ ٥٥)

"البتہ ان کو خلیفہ بنائے گا ملکوں میں۔ جیسا خلیفہ بنایا ان سے پہلوں کو۔"

سب جانتے ہیں کہ دونوں میں خلیفہ بنائے جانے کی کیفیت مختلف تھی اور اس امت کے لیے اوروں کی نسبت زیادہ تکمیل کے ساتھ تھی۔ فرمایا:

﴿ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ ﴾

(البقرة٢/ ١٨٣)

"فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے تم سے پہلوں پر فرض تھے۔"

یہاں بھی تشبیہہ اصل صوم میں ہے نہ عین و قدر کیفیت میں۔ فرمایا:

﴿ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝٢٩ ﴾ (الأعراف ۷/ ۲۹)

''جس طرح تم کو پیدا کیا اسی طرح لوٹا دے گا۔''

حالانکہ نشاۃ اولیٰ میں جو مبداء ہے، اور نشاۃ ثانیہ میں جو معاد ہے، جس قدر تفاوت ہے وہ ظاہر ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَٰهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝١٥ ﴾

(المزمل ۷۳/ ۱۵)

''ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا۔ جو تم پر گواہ ہے۔ جیسا کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔''

ظاہر ہے کہ تشبیہہ صرف ارسال میں ہے نہ کہ ہر دو رسول کی مماثلث میں۔ حدیث شریف میں ہے:

«لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَّتَرُوْحُ بِطَانًا»

''اگر تم اللہ پر توکل کرو جو توکل کا حق ہے تو تم کو رزق دے۔ جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو جاتے ہیں۔''

یہاں بھی تشبیہہ صرف اصل رزق میں ہے نہ کہ مقدار و کیفیت میں۔ غرض اور بھی اس کی نظائر بہت ہیں۔ واضح ہو کہ یہ جواب بھی ضعیف ہے۔ چند وجوہات کی بنا پر

(الف) جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا استعمال اعلیٰ، ادنیٰ، مساوی میں جائز ہے مثلاً اگر کوئی کہے کہ کنبہ والوں سے بھی تم ایسا ہی سلوک کرو جیسا اپنے گھوڑے یا غلام سے کیا کرتے ہو تو یہ جائز ہے۔ پس یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر تشبیہہ صرف اصل صلوٰۃ میں ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہو گا کہ:

«صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ أَبِيْ أَوْفٰى كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰحَادَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰدَمَ وَنُوْحٍ وَغَيْرِهِمْ»

کیونکہ تشبیہ اصل صلوٰۃ میں تھی اور مقدار و صفت میں بالکل نہ تھی۔ اس لیے ایسا شخص جس پر اللہ کی صلوٰۃ ہوئی ہو۔ خواہ وہ کوئی ہو اسی کا نام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم یا آل ابراہیم کے ذکر کی کوئی مزیت یا فوقیت نہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس ذکر سے بھی کچھ فائدہ نہیں۔ اگر فقط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کہہ دیا جاتا تب بھی کافی تھا۔

(ب) جو نظائر بیان کی ہیں۔ وہ صلوٰۃ بر نبی ﷺ کے لیے صحیح نظیر نہیں کیونکہ یہ سب نظائر دو قسم پر ہیں۔ ایک خبر و طلب۔ جو ان میں سے بطور خبر ہے اس کی تشبیہ سے مقصود استدلال اور سمجھانے کی سہولت اور خبر کا بیان کر دینا ہے۔ جس سے کوئی عاقل انکار نہ کر سکے۔ جیسا کہ مشبّہ بہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ دیکھو جب اعتراف بدۃ (بار اول پیدائش کا اقرار) موجود ہے تو کہا گیا کہ اعادہ کا انکار کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی نظیر ہے اور نظیر کا حکم نظیر کے موافق ہے۔

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلاً ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انکار رسالت کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ پہلے بھی اللہ کے رسول بشارت دہندہ و انذار کنندہ آ چکے ہیں اور پھر جنہوں نے انکار کیا ان کی بدترین حالت اخذ و عذاب کو بھی تم جان چکے ہو۔

﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ ہی دنیا کے لیے پہلے رسول نہیں۔ بلکہ صاحبان وحی پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ بھی منکر رسالت محمدیہ کے رد میں ہے کہ جب نبی ﷺ بھی ویسے ہی آیات و معجزات بلکہ ان سے اعظم و برتر لے کر آئے ہیں جو پہلے رسولوں کے پاس تھے اور رسول کا آنا تمہارے نزدیک بھی کوئی انوکھی بات نہیں۔ تب محمد رسول اللہ ﷺ بھی دیگر انبیاء کی طرح رسول ہیں۔

﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ ﴾ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت سے جو مخلوق کے بارے میں ہے اور حکمت سے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، خبر دی ہے کہ جو ایمان لایا اور عمل صالح کئے اسے زمین میں تمکنت دی جاتی ہے۔ اور اس کے لیے خلف چھوڑا جاتا ہے۔ اسے ہلاک نہیں کیا جاتا اور اس کے سلسلہ کو قطع

نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ مُکَذِّبِیْن رسول ہلاک اور ان کے سلسلے قطع کر دیئے جاتے ہیں۔ غرض اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی خبر دی ہے اور مومنین و مصدقین کے ساتھ جو معاملہ ہوتا رہا ہے وہ بتلایا ہے کہ متبعین محمدی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاوے گا۔

﴿ لَوْاَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ ﴾ کے معنی بھی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ متوکلین کو رزق دیتا ہے جہاں سے وہ نہیں جانتے اور وہ رزق سے کبھی خالی نہیں رہتے جیسا کہ تم طیور کو دیکھتے ہو کہ صبح گھونسلے سے بھوکے نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو رزق دیتا ہے اور وہ شام کو سیر ہو کر آشیانہ کو آتے ہیں۔ چونکہ تم (انسان) جملہ حیوانات سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باکرام ہو۔ پس اگر تم بھی توکل کرنے لگو تو ضرور ایسی جگہ سے رزق دیئے جاؤ گے۔ جہاں سے نہیں جانتے اور کوئی شخص تمہارے رزق کو روک نہ سکے یہ سب نظائر تو "اخبار" کے قبیل سے ہیں۔

رہی قسم طلب و امر۔ اس سے مقصود علت پر آگاہ کر دینا اور جزا کا جنس عمل سے ہونا بتلا دینا ہوتا ہے۔ مثلاً جب یہ کہیں گے۔ ((عَلِّمْ كَمَا عَلَّمَكَ اللّٰهُ)) یا ((اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ)) تو اس میں مامور نعمت کے شکریہ پر جو اللہ نے اسے ارزانی فرمائی آگاہ کر دینا ہوتا ہے اور یہ بتلا دینا کہ اس نعمت کی جزا اسی کی جنس سے ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وجوہ بالا میں سے کسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف خطاب نہیں ہو سکتا اور اس ذات پاک پر کوئی وجہ بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ چونکہ ((صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ)) واقع ہوا ہے۔ اس لیے ذکر تشبیہ لغو ہوا جاتا ہے۔ جس کا کچھ فائدہ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ الفاظ درود کو ایسا سمجھنا جائز نہیں ہے۔

(ج) ((كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْم)) مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے صَلٰوةُ مِثْلَ صَلٰوتِكَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اور اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ مشبّہ کی صلوٰۃ مشبّہ بہ کی صلوٰۃ سے مماثل ہو۔ اس لیے حقیقت کلام سے روگردانی کرنا مناسب نہیں۔

⑧ ایک گروہ کا قول ہے کہ یہ تشبیہ درود خوانوں کی ایک ایک صلوٰۃ کے ساتھ

حاصل ہے۔ گویا ہر ایک درود خواں جس نے ان الفاظ کے ساتھ نبی ﷺ پر درود بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ چاہا ہے کہ اپنے رسول پر اس قدر صلوٰۃ بھیجے، جس قدر آل ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے۔ جب ہر ایک درود خواں آل ابراہیم کی صلوٰۃ کے برابر کا سوال کر چکا تو رسول کریم ﷺ کو چند در چند لاتعداد اور ان گنت درود حاصل ہو جائیں گے۔ جن کے برابر کسی کو نصیب نہیں۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ بادشاہ نے ایک کو ہزار روپیہ دیا۔ پھر رعیت کے تمام اشخاص نے مل کر ایک دوسرے شخص کو ہزار روپیہ دیئے جانے کی جداگانہ درخواستیں کیں۔ جب ہر ایک کی درخواست پر ہزار ہزار روپیہ اس دوسرے کو ملنے لگا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے پاس اتنے ہزار روپیہ ہی ہو جائیں گے جس قدر سائلوں کی تعداد ہے۔

اس تقریر کے بعد انہوں نے خود یہ اعتراض وارد کیا کہ یہ تشبیہہ تو صلوٰۃ کی اصل اور افراد میں سے ہر فرد پر واقع ہوئی ہے۔ اس لیے اشکال ویسا ہی رہا اور جب استحقاق سے کم ہے تو اس کے منصب کے لائق نہیں پھر اس کا جواب یہ ہے کہ اشکال تب وارد ہوتا ہے جب حکم تکرار نہ ہو۔ مطلوب امت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کے بعد صلوٰۃ کا سوال کیا جائے۔ جس میں سے ہر صلوٰۃ اس صلوٰۃ کے برابر ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے اس صورت میں نبی ﷺ کی صلوٰۃ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے مقابلہ میں بے شمار ہوں گی۔

لیکن یہ قول بھی ضعیف ہے کیونکہ یہاں تشبیہہ اس درود میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ پر ہے نہ اس درود میں جو درود خواں پڑھتا ہے۔ الفاظ درود کے معنی تو یہ ہیں کہ الٰہی نبی ﷺ کو وہی کچھ عطا فرما جو تو نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا ہے۔ گویا صلوٰۃ ابراہیم علیہ السلام کے مساوی صلوٰۃ کا سوال ہے۔ اب یہ سوال جس قدر مکرر ہوتا جائے گا۔ اسی قدر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ کے لیے ایسی صلوٰۃ کا سوال کیا جو نبی ﷺ کے استحقاق سے کم ہے اس صورت میں یہ سوال اور اس کا تکرار تو جانب اشکال کو ہی قوی کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ تشبیہہ اصل

صلوٰۃ اور اس کے ہر فرد میں واقع ہے اور یہاں تکرار سے اس کا کوئی جواب قائل نہیں دے سکا۔ کیونکہ محض تکرار مشبّہ بہ کو مشبّہ سے قوی نہیں بنا سکتا اور مقتضائے تشبیہہ کو نہیں پلٹ سکتا۔ ہاں اگر تکرار ایسا کر سکے تب یہ جواب نافع ہو سکتا ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ تکرار سے مشبّہ کے قوت و فضل میں اضافہ ہو جاتا ہے تو پھر مشبّہ بہ اس سے کیونکر کم ہو سکتا ہے؟ نیز کم درجہ کے مشبّہ بہ سے کیونکر تشبیہہ درست ہو سکتی ہے؟ اس لیے جواب بالا میں جو ضعف تھا وہ ظاہر ہے۔

⑨ ایک گروہ کا قول ہے کہ آل ابراہیم میں انبیاء ہیں اور آل محمد میں نہیں۔ جب نبی ﷺ اور ان کی آل کے لیے مثل اس صلوٰۃ کے جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو ملا ہے' درخواست کی گئی تو ظاہر ہے کہ آل محمد ﷺ کو تو اس میں سے اسی قدر ملے گا جس کے وہ لائق ہیں۔ تو اس صورت میں انبیاء کے حصہ کی زیادتی نبی ﷺ کو ہی ملے گی اور وہ مزیت و فوقیت حاصل ہو جائے گی جو اور کسی کو حاصل نہیں۔

تقریر اس کی یوں ہے کہ سیدنا ابراہیم اور ان کی آل (جس میں انبیاء ہیں) کے صلوٰۃ حاصلہ کو محمد ﷺ اور آل محمد پر تقسیم کرنے لگے۔ اب اس میں کچھ شک نہیں کہ آل محمد کو آل ابراہیم کے برابر کا حصہ نہیں مل سکتا۔ ان کو تو ان کے استحقاق کے موافق ہی ملے گا۔ پھر باقی رہ جائے گا نبی ﷺ کا حصہ اور وہ حصہ جو آل پر تقسیم کرنے سے بچ رہا ہے۔ اس لیے مجموعۃً جو کچھ نبی ﷺ کے حصہ میں رہا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاصل شدہ سے افضل و اعظم ہے۔ یہ معنی اپنے سے پہلے تمام معانی سے پسندیدہ تر ہیں۔

⑩ اس سے بھی عمدہ یہ ہے کہ محمد ﷺ بھی آل ابراہیم سے ہیں بلکہ بہترین آل ابراہیم ہیں۔ علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ((اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَ نُوْحًا وَ اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلِ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ)) کی تفسیر میں کہا ہے کہ محمد (ﷺ) آل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں۔ اب جس وقت ہم ((كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ)) کہیں گے تو اس صلوٰۃ میں بھی رسول اللہ ﷺ مع جملہ انبیاء ذریت

ابراہیم سلام اللہ علیہم شامل ہوں گے۔ اس کے بعد ہم کو حکم ملا کہ نبی ﷺ اور نبی کی آل پر خصوصیت کے ساتھ اس صلوٰۃ کا سوال کریں جس کا سوال جملہ آل ابراہیم کے لیے مع نبی ﷺ کے عمومیت کے ساتھ کر چکے ہیں۔ چونکہ آل محمد کو وہی ملے گا جو ان کا حق ہے۔ اس لیے باقی سب کا سب نبی ﷺ کے لیے رہ جائے گا۔

تقریر اس کی یہ ہے کہ جو صلوٰۃ مجموعہ آل ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے جس کے اندر نبی ﷺ خود بھی ہیں۔ وہ اس صلوٰۃ سے اکمل ہے جو نبی ﷺ کو (دیگر افراد آل ابراہیم علیہ السلام کا حصہ نکال کر) حاصل ہے۔ لیکن نبی ﷺ کے لیے خصوصیت سے جو سوال کیا جاتا ہے۔ یہ اس صلوٰۃ کے برابر کا سوال ہے جو جملہ آل ابراہیم نبی ﷺ کو حاصل تھا اور ظاہر ہے کہ یہ امر عظیم ہے اور قطعاً اس سے زائد ہے جو آل ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھا۔

اب فائدہ تشبیہہ بھی ظاہر ہو گیا اور تشبیہہ اپنی اصلیت پر بھی جاری ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ اس لفظ کے ساتھ جو صلوٰۃ نبی ﷺ کے لیے مطلوب ہے۔ وہ غیر نبی کے مطلوب سے عظیم تر ہے کیونکہ دعاء سے مطلوب مشبّہ بہ کی مثل ہے اور اس مشبّہ بہ کے اندر نصیب وافر نبی ﷺ کا ہے۔ اس لیے مشبّہ مطلوب بالضرور اس حصہ سے جو صرف ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہے اکثر و وافر ہو گا۔ کیونکہ مشبّہ بہ میں جو حصہ صرف نبی کو بھی حاصل تھا وہ بھی شامل شدہ ہے۔ اس معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر جس میں انبیاء ہیں۔ نبی ﷺ کا فضل و شرف بھی ظاہر ہو گیا اور نبی ﷺ کے درجہ اور منصب علیا کے لائق بھی بات بن گئی اور یہ درود اس تمام فضیلت اور اس کے اسباب و تقاضوں پر جو تابع فضیلت ہیں' دلالت کنندہ ثابت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب و خلیل محمد (ﷺ) و آل محمد پر صلوٰۃ بھیجے اور بہت بہت سلام نازل فرمائے اور ہماری جانب سے نبی ﷺ کو جزا دے۔ اس سے بڑھ کر جو کسی نبی کو اس کی امت کی جانب سے دی جائے۔

## ساتویں فصل

# ایک عمدہ نکتہ اس حدیث کے متعلق جس میں سیدنا و مولانا محمد و آل محمد کی صلوٰۃ مطلوبہ کو ابراہیم علیہ السلام و آل ابراہیم علیہ السلام کی صلوٰۃ کے مثل کہا گیا ہے۔

واضح ہو کہ کل صحیح و حسن حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد کا ذکر تو صریح ہے۔ رہا مشبّہ بہ یعنی سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل۔ سو یا تو فقط آل ابراہیم کا ذکر ہے یا صرف ابراہیم (علیہ السلام) کا۔

اور کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں ابراہیم و آل ابراہیم ہو۔ جیسا کہ محمد و آل محمد ہے۔ اس جگہ ہم احادیث واردہ کا کچھ ذکر کریں گے اور پھر جو کچھ رب کریم نے ہم پر ظاہر کیا ہے وہ گزارش کیا جائے گا۔ واضح ہو کہ حدیث صحیح چار وجوہ پر ہے۔

① مشہور ترین حدیث عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی ہے۔ جسے امام بخاری، مسلم، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔ اس میں ((کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ)) اور ((کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ)) وارد ہوا ہے اور ترمذی کی روایت میں ((کَمَا صَلَیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ)) اور ((بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ)) ہے۔ ابوداوٗد کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔ اور ایک روایت میں ((کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ)) اور ((کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ)) ہے۔

② صحیحین میں ابوحمید ساعدی کی حدیث میں ((کَمَا صَلَیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ)) اور

((كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ)) ہے اور ایک روایت میں ((كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ)) ہے اور دونوں جگہ ((آلِ اِبْرَاهِيْمَ)) کا ذکر نہیں۔

③ بخاری میں ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ((كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ)) اور ((كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ)) ہے۔

④ مسلم میں ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری کی روایت میں ((كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ)) اور ((كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ)) ہے۔ اسی حدیث کی ایک روایت میں ((كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ)) ہے۔ یعنی ((آلِ اِبْرَاهِيْمَ)) کا ذکر نہیں۔

غرض ان مشہور احادیث کے یہی الفاظ ہیں جس سے یہ چار صورتیں نظر آتی ہیں۔

(۱) اکثر میں لفظ آل ابراہیم ہر دو جگہ ہے (یعنی صلوٰۃ و برکت میں)

(۲) بعض میں لفظ ابراہیم ہر دو جگہ ہے۔ (یعنی صلوٰۃ و برکت میں)

(۳) بعض میں لفظ ابراہیم اول (صلوٰۃ) میں اور لفظ آل ابراہیم دوم (برکت) میں ہے۔

(۴) بعض میں اس کے عکس ہے۔

لیکن یہ ابراہیم و آل ابراہیم کا ایک درود میں جمع ہونا اسے بیہقی نے سنن میں یحییٰ بن سباق کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ دار قطنی نے ابن اسحاق کی روایت سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو حسن متصل کہا ہے۔ نسائی نے موسیٰ بن طلحہ عن ابیہ کی حدیث میں بھی جمع کے ساتھ روایت کی ہے اور پھر دونوں جگہوں میں صرف ذکر ابراہیم کے ساتھ بھی۔ ابن ماجہ نے سنن میں ابن مسعود کی حدیث موقوفاً روایت کی ہے اور دونوں لفظ جمع ہیں۔

ان کے سوا عموماً احادیث جو صحاح و سنن میں ہیں۔ اول تو ان میں صرف آل

ابراہیم پر اکتفاء ہے یا صرف ابراہیم پر۔ (دونوں جگہوں میں) یا ایک جگہ آل ابراہیم اور ایک جگہ ابراہیم پر۔ چنانچہ حدیث ابوہریرہ (جو شروع کتاب میں ہے) میں بھی ایسا ہی ہے۔

پس جن احادیث میں صرف حضرت ابراہیم کا دونوں جگہ (صلوٰۃ و برکت) کا نام آیا ہے۔ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ جس درود کی تشبیہہ دی گئی ہے اس میں اصل حضرت خلیل ہی ہیں اور آپ کی آل آپ کی تبعیت میں ہے اور متبوع کا ذکر تابع پر دلالت کیا کرتا ہے اور تابع اسی کے تحت میں ہوتا ہے اور جداگانہ اس کے ذکر کی حاجت نہیں ہوتی۔

اور جس جگہ صرف آل ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خود بھی اس کے اندر داخل ہیں۔ جیسا کہ قاعدہ عربیت بیان ہو چکا۔ پس آل ابراہیم کہہ دینے سے آپ کے ذکر کی حاجت نہ رہی اسی میں خود حضرت خلیل اور آل دونوں آ گئے اور جن احادیث میں ایک جگہ تو ابراہیم ہے اور دوسری جگہ آل ابراہیم۔ وہاں دونوں اصولوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یعنی پہلے متبوع کا ذکر کر دیا جو اصل ہے (اور تابع اس کے تحت میں ہے) پھر اتباع کا لفظ آل کے ساتھ ذکر کر دیا جس کے اندر متبوع خود بھی شامل ہے۔

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لفظ محمد و آل محمد کا اکٹھے اور ابراہیم یا آل ابراہیم کا الگ الگ عموماً احادیث میں کیوں ذکر ہوا ہے۔

جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ کا ذکر مقام طلب و دعاء میں ہے اور حضرت ابراہیم کی صلوٰۃ کا ذکر بطور خبر و تذکرہ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ ((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ)) جملہ طلبیہ ہے اور ((کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ)) جملہ خبر۔ جملہ طلبیہ جب دعاء و سوال کے موقع پر واقع ہوتا ہے تو اس کا بسط و تطویل ہی زیادہ انسب ہے اور اختصار و حذف نہیں۔ اسی لیے اس کا تکرار و اعادہ مشروع ہوا۔

**طول دعاء کا راز:** بے شک یہ دعاء ہے اور اللہ تعالیٰ دعاء میں الحاح کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ میں دیکھو گے کہ الفاظ کو بسط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اور ہر معنی کا ذکر صریح لفظ کے ساتھ ہوا ہے اور اس پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ دوسرا لفظ اس معنی پر دلالت کر رہا ہے۔ مثلاً اس دعاء کو لو جسے مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا أَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لاَ اِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ»

"الٰہی! مجھے بخش دے جو کچھ میں نے آگے کیا اور جو پیچھے کیا۔ جو کچھ میں نے چھپایا اور جو علانیہ کیا اور جو جو کچھ تو میری حالت جانتا ہے۔ تو ہی مقدم ہے، تو ہی مؤخر ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

ظاہر ہے کہ اگر ان الفاظ کے مقابلہ میں:

«اِغْفِرْ لِيْ كُلَّ مَا صَنَعْتُ»

"سب کچھ جو میں نے کیا وہ مجھے بخش دے۔"

کہا جائے تو اس میں ایجاز ہے۔ لیکن چونکہ الفاظ حدیث دعاء و تضرع اور اظہار عبودیت و فقر میں ہیں اور ان جملہ انواع کا جن سے بندہ توبہ کرتا ہے، تفصیلاً پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے ایجاز و اختصار سے بھی زیادہ موزوں اور بلیغ ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ سِرَّهُ وَعَلاَنِيَّتَهُ أَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ»

"الٰہی! میرے تمام گناہ بخش دے چھوٹے ہوں یا بڑے، مخفی ہوں یا علانیہ، پہلے ہوں یا پچھلے۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْئَتِيْ وَجَهْلِيْ وَاِسْرَافِيْ فِيْ اَمْرِيْ وَأَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ جِدِّيْ وَهَزْلِيْ وَخَطَئِيْ وَعَمْدِيْ

وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ»

"الٰہی! میری خطا' میری جہالت' اور کام میں بڑھ کر چلنا جس کو تو بخوبی جانتا ہے بخش دے۔ الٰہی! میرے ارادی گناہ اور لغو حرکتیں' دانستہ و نادانستہ قصور کہ یہ سب حالتیں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ معاف کر دے۔"

غرض یہ بات ادعیۂ ماثورہ میں بکثرت ہے کیونکہ دعاء کی حقیقت اللہ پاک کے حضور میں اپنی عبودیت اور فقر اور تذلل کا ظاہر کرنا ہے۔

حقیقت دعاء: پس جس قدر زیادہ بندہ اس کو طول دے گا' بڑھائے گا۔ دہرائے گا۔ از سر نو شروع کرے گا۔ اسی قدر اس کی عبودیت و تذلل اور اظہار فقر کے مناسب حال ہو گا اور یہی امر پروردگار سے قریب تر ہونے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کا باعث ہو گا۔ یہ خاص امر عادت مخلوق کے برخلاف ہے۔ کیونکہ مخلوق کے پاس جب سوال کی کثرت ہوتی ہے اور بار بار حاجات پیش کی جاتی ہیں' اسے سائل بار گزرتا ہے اور اس کی طرف سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اور اگر سوال نہ کرو تب وقار قائم رہتا اور محبت بنی رہتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے جہاں تک تم سوال کرو گے اس کا قرب بڑھتا جائے گا اور اس کے پیارے بنتے جاؤ گے اور جتنی زیادہ گڑگڑاہٹ دعا میں ہو گی اتنی ہی اللہ کی محبت تمہاری جانب بڑھ جائے گی۔ جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تو سوال نہ کرنے سے غضب ناک ہوتا ہے اور بندے سوال کرنے سے خفا ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مطلوب' زیادہ طلب سے زیادہ ملتا ہے اور طلب ناقص ہو تو کم۔ رہی خبروہ تو امر واقع شدہ کا ذکر ہے جو ہو چکا ہے اور جس میں زیادت و نقصان کا احتمال نہیں۔ اس لیے اس میں طول دہی سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب کہ مخاطب کو توضیح و تفہیم کی ضرورت نہ ہو۔ اس وقت تو ایجاز و اختصار ہی احسن و اکمل ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی لفظ ابراہیم واقع ہوا ہے اور کبھی آل ابراہیم۔ کیونکہ دونوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ دوسرے پر دلالت کرتا ہے۔ رہا مقام طلب پس اگر صرف «صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ» کہا جاتا تو صلوٰۃ بر آل پر دال نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ تو التجاو

درخواست کا موقع تھا نہ کہ کسی امر واقع شدہ کی اطلاع دہی کا اور اگر صرف ((صَلِّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ)) کہا جاتا۔ تب نبی ﷺ عموم میں داخل ہوتے۔ اس لیے درود شریف میں ((صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ)) کہا گیا۔ اس سے یہ خصوصیت بھی نبی ﷺ پر درود ہو گیا اور آل کی شمولیت میں بھی۔

واضح ہو کہ ایسے مقام پر لوگوں کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ گو نبی ﷺ کا ذکر مبارک جداگانہ موجود ہے۔ تاہم آل محمد کے لفظ میں بھی آپ داخل ہیں۔ گویا نبی ﷺ کا ذکر خیر دو بار ہوا۔ اس لیے درود بھی حضور پر مکرر پہنچا۔ یہ طریق تو اس شخص کے مذہب کے موافق ہے جو خاص کے بعد عام کا ذکر ہونے سے خاص کو عام کے اندر بھی شامل سمجھا کرتا ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ خاص کا ذکر خصوصیت سے ہونا دلالت کرتا ہے کہ خاص عام میں داخل نہیں۔ اس طریق کے موافق بھی الفاظ درود شریف میں چند فوائد پائے جاتے ہیں۔

(الف) چونکہ نبی ﷺ نوع عام سے اشرف تھے۔ اس لیے جداگانہ لفظ سے مخصوص کیئے گئے تاکہ نوع برتر و متمیز ہونے کی وجہ سے خصوصیت لفظی میں بھی امتیاز رہے۔

(ب) اس طریق سے نبی ﷺ کی اختصاص و فوقیت پر جو لفظ عام کی مندرجہ تحت انواع پر حاصل ہے آگاہی ہو گئی۔

(ج) اس سے سمجھا جاتا ہے کہ صلوٰۃ نبی ﷺ پر تو فی الاصل ہے اور آل پر تبعیت میں۔

(د) ذکر مبارک کے خاص کر دینے سے عدم تخصیص کا توہم جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ کا صرف لفظ عام کے اندر مذکور ہونا جائز نہیں۔ بلکہ نبی ﷺ کا ذکر تو مراد اصلی اور مطلوب قطعی ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ بِقَدْرِ حَسَنِہٖ وَ کَمَالِہٖ۔

آٹھویں فصل

# اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
# کے معنی اور برکت کی شرح

واضح ہو کہ برکت کی حقیقت ثبوت و لزوم و استقرار ہے ((برک البعیر)) جب اونٹ زمین پر بیٹھ جائے۔ ((مبرک)) "بیٹھنے کی جگہ" ((برک)) "ہر ایک ثابت اور قائم چیز" ((برک الابل)) "اونٹوں کی کثرت" ((برکہ)) "حوض" کیونکہ پانی اس میں جمع رہتا ہے۔ ((براکا)) "لڑائی میں ثابت رہ کر سعی و کوشش کرنا۔" ایک شاعر کا قول ہے۔

وَلاَ یُنْجِیْ مِنَ الْغَمَرَاتِ اِلاَّ

براکًا الْقِتَالُ أَوِ الْفِرَارُ

برکت کے حصول اور کثرت کی دعا کرنا۔ ((بارک اللّٰہ، بارک فیہ، بارک علیہ، بارک لہ)) بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ بُورِكَ مَن فِي ٱلنَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (النمل ۲۷/۸)

"مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔"

«وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى اِسْحَاقَ»

«وَبَارَكْنَا فِيْهِ»

"اسے اور اسحاق (علیہ السلام) کو برکت دی۔" (برکت کی ہم نے اس میں)

دعائے قنوت کے الفاظ ہیں:

«وَبَارِكْ لِيْ فِيْ مَا اَعْطَيْتَ»

حدیث سعد رضی اللہ عنہ میں ہے:

«بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ»

مبارک وہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا ہے:

﴿ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ ﴾ (مریم۱۹/ ۳۱)

"اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں۔"

قرآن مجید کی شان میں ہے:

«وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنَاهُ»

"اور یہ بابرکت ذکر ہم نے تمہارے لیے نازل کیا۔"

دوسری جگہ ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ ﴾ (ص۳۸/ ۲۹)

"یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔"

بے شک قرآن مجید کو مبارک کہا جانا سب سے زیادہ موزوں ہے کیونکہ خیر و منافع کی کثرت اور جملہ وجوہ برکت اس میں موجود ہیں۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے لفظ تبارک کا استعمال فرماتا ہے۔ مبارک نہیں۔ ایک گروہ کا جس میں جوہری بھی ہے، قول ہے کہ تبارک بمعنی بارک ہے۔ مثل قاتل اور تقاتل کے۔ فرق یہ ہے کہ فاعل متعدی ہے اور تفاعل متعدی نہیں ہوتا۔

یہ قول محققین کے نزدیک غلط ہے۔ بے شک تبارک (بروزن تفاعل) برکت سے ہے اور یہ اللہ پاک کی ثناء ہے۔ اس سے وہ وصف ظاہر ہوتا ہے جو اسی کی جانب راجع ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ تعالیٰ کہ وہ بھی علو سے بروزن تفاعل ہے۔ اسی لیے یہ دونوں الفاظ ایک ساتھ لکھے بولے جاتے ہیں اور تبارک و تعالیٰ کہا جاتا ہے۔ دعاء قنوت میں بھی «تَبَارَكْتَ وَ تَعَالَيْتَ» ہے۔ بیشک اللہ پاک سب سے زیادہ ان الفاظ کا پورا مستحق ہے۔ کیونکہ تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور تمام خیر اسی کی جانب سے ہے اور اسی کی جملہ صفات صفات کمال ہیں۔ اس کے جملہ افعال حکمت و رحمت و مصلحت و خیرات ہیں۔ جن میں کسی قسم کا کوئی شر نہیں۔

حدیث نبوی ہے ((وَ الشَّرُّ لَیسَ اِلَیکَ)) بیشک شر تو اس کے مفعولات و مخلوقات میں واقع ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں۔ غرض جب بندہ یا اور چیزوں کو بھی مبارک کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی اسباب خیر کے اتصال سے کثرت خیر و نفع پائی جاتی ہے اور دیگر اشخاص بھی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں ہے کہ وہ متبارک ہو تبارک و تعالیٰ کی جگہ تعاظم و تعالیٰ بھی بولتے ہیں۔ یہ ثناء اللہ پاک کی عظمت اور خیر کی مداومت و کثرت نیز اسی ذات کی صفات کمال کی جامعیت پر دلیل ہے۔ پس جو نفع عالم میں ہے یا ہو گا' وہ اللہ پاک کے نفع بخشی و احسان فرمائی سے ہے۔ علیٰ ہذا یہ لفظ دلیل ہے عظمت و جلال اور علو شان الٰہی پر۔ اس لیے اس کا ذکر غالباً بیان جلال و عظمت و کبریائی کے آغاز میں ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ فِى سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ ٱسْتَوَىٰ عَلَى ٱلْعَرْشِ يُغْشِى ٱلَّيْلَ ٱلنَّهَارَ يَطْلُبُهُۥ حَثِيثًا وَٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ وَٱلنُّجُومَ مُسَخَّرَٰتٍۭ بِأَمْرِهِۦٓ ۗ أَلَا لَهُ ٱلْخَلْقُ وَٱلْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٥٤﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ٥٤)

"تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا اور سورج اور چاند اور ستارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم پر۔ سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔ بڑا بابرکت ہے اللہ' سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔"

فرمایا:

﴿ تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ لِيَكُونَ لِلْعَٰلَمِينَ نَذِيرًا ﴿١﴾ ﴾

(الفرقان ٢٥/ ١)

"نہایت متبرک ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ اہل عالم کو ڈرائے۔"

فرمایا:

﴿ تَبَارَكَ ٱلَّذِى جَعَلَ فِى ٱلسَّمَآءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَٰجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا ﴿٦١﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٦١)

"بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اس میں چراغ رکھا اور روشن چاند بنا دیا۔"

فرمایا:

﴿ وَتَبَارَكَ ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (الزخرف٤٣/ ٨٥)

"بڑی برکت والا ہے وہ جس کی آسمان اور زمین میں باشاہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کی۔ اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

فرمایا:

﴿ تَبَٰرَكَ ٱلَّذِى بِيَدِهِ ٱلْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١﴾ ﴾
(الملک٦٧/ ١)

"بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں باشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

انسان کی پیدائش کی سات حالتوں کا ذکر کر کے فرمایا:

﴿ فَتَبَارَكَ ٱللَّهُ أَحْسَنُ ٱلْخَٰلِقِينَ ﴿١٤﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ١٤)

"پس بہت برکت بخشنے والا ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔"

دیکھو اللہ نے تبارک کا ذکر ان مقامات میں کیا ہے۔ جہاں اپنی ذات پاک کی ثناء جلال و عظمت کے ساتھ' نیز ان افعال سے کی ہے جو اسکی ربوبیت و الٰہیت و حکمت اور دیگر صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کا اتارنا۔ ہر دو عالم کا بنانا۔ آسمان و بروج کا ہونا۔ چاند سورج کی پیدائش۔ ملک میں منفرد اور قدرت میں کامل ہونا۔ اسی لیے ابوصالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ((تَبَارَكَ)) بمعنی تعالٰی روایت کیا ہے۔ ابوالعباس کا قول ہے کہ ((تَبَارَكَ)) کے معنی ((اِرْتَفَعَ)) ہیں اور ((مبارک)) بمعنی

"مرتفع"۔ ابن الانباری کا قول ہے کہ ((تبارک)) بمعنی "تقدس" ہے۔ حسن کا قول ہے ((تبارک)) وہ ہے "جس کی طرف سے برکت پہنچے۔" ضحاک کا قول ہے کہ ((تبارک)) بمعنی "تعاظم" ہے۔ خلیل بن احمد کا قول ہے کہ ((تبارک)) بمعنی "تمجد" ہے۔ حسین بن فضل کہتے ہیں کہ تبارک تو اس کی ذات ہے اور بارک مخلوق میں سے وہ جسے اللہ نے چاہا۔ یہ احسن الاقوال ہے کیونکہ ((تبارک)) صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی جیسا کہ حسین کا قول ہے اور دلالت اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو اپنے نام کی طرف بھی مسند کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ تَبَٰرَكَ ٱسْمُ رَبِّكَ ذِى ٱلْجَلَٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٧٨﴾ ﴾ (الرحمن ۵۵/۷۸)

"بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلال اور اکرام کا نام۔"

دعائے استفتاح میں ہے:

«تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ»

"تیرا نام برکت والا اور تیری شان بلندی والی ہے۔"

اور اپنی ذات کی طرف بھی فرمایا ((تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ)) اس بحث سے یہ معلوم ہو گیا کہ ((تبارک)) بمعنی ((بارک)) نہیں جیسا کہ جوہری کا قول ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تبریک صرف مسمی لفظ کا جزو ہے نہ اس کے معنی کا کمال۔ ابن عطیہ کہتا ہے کہ تبارک کے معنی یہ ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کی برکات عظیم و کثیر ہیں اور اس لفظ کے ساتھ غیر اللہ کی توصیف نہیں ہو سکتی اور نہ یہ لفظ لغت عرب میں منصرف ہے۔ اس کا مضارع و امر مستعمل نہیں۔ کیونکہ جب یہ لفظ غیر اللہ کے لیے مستعمل نہیں تو اسے مستقبل کے لیے بھی نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ہی متبارک ہے۔" پھر کہا کہ ابو علی نے غلطی کھائی کہ ((تبارک)) کا مستقبل ((یتبارک)) بتلایا۔ اس نے یہ نہ سوچا کہ عرب تو یہ نہیں بولتے۔"

ابن قتیبہ نے ((تَبَارَكَ اسْمُكَ)) کے معنی میں کہا ہے کہ ((تبارک)) برکت سے بروزن تفاعل ہے جیسے ((تعالیٰ علو)) سے ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ تیرا نام بابرکت

ہے اور جس پر تیرا نام لیا جائے اس میں برکت ہو جاتی ہے۔ کہا ایک عالم لغت نے میرے سامنے ایک شعر پڑھا تھا۔ جس کا مصرعہ دوم یاد رہ گیا ہے۔ ع

اِلَی الْجِذْعِ جِذْعِ النَخلَۃِ الْمُتَبارَکِ

واضح ہو کہ ابن قتیبہ کا یہ قول تیرا نام بابرکت ہے اور جس پر تیرا نام لیا جائے اس میں برکت ہو جاتی ہے' دلالت کرتا ہے کہ یہ صفت اس پاک ذات برکت بخشنے والا کی ہے۔ کیونکہ برکت اسم برکت مسمی کے تابع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ((فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ)) اس کا مطلب یہ ہے کہ رب عظیم کی تسبیح بطریق اولیٰ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ تنزیہ اسم تنزیہ مسمی کے تابع ہے۔ زمخشری کہتا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں۔

① خیر الٰہی میں کثرت و اضافہ ہے۔

② یا وہ ہر ایک شے سے بڑھ کر ہے اور اپنی صفات و افعال میں سب سے برتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر دو معانی میں کچھ تضاد نہیں جیسا کہ حسین بن فضل وغیرہ کا قول ہے۔ نضر بن شمیل کہتا ہے کہ میں نے خلیل بن احمد سے ((تبارک)) کے معنی پوچھے تو اس نے "تمجد" بتلائے۔ یہ ہر دو معانی کا جامع ہے۔

① مجد ذاتی کا۔

② خلقت کو برکات کی فیض رسانی کا۔ کیونکہ مجد کی حقیقت یہی ہے۔ وجہ یہ کہ مجد کے معنی وسعت ہیں۔ مجد الشیئی کہا کرتے ہیں۔ جب اس میں وسعت پائی جائے استمجد اور عرش مجید بھی انہی معنی میں ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں ممکن ہے کہ ((تبارک بروک)) سے ہو۔ پس ((متبارک)) کے معنی "ازلاً و ابداً ثبت و دوام ہوں گے۔" اس سے یہ نکلے گا کہ وہ واجب الوجود ہے۔ اس کا وجود غیر سے نہیں اور وہ ازلی ہے۔ لیکن یہ معنی جزء معنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا متبارک ہونا اس کے دوام وجود اور کثرت خیر و مجد و علو و عظمت و تقدس ہے۔ جملہ خیرات کا اسی کی جانب سے ہونا جسے چاہے اپنی خلقت میں سے اسے برکت دے جملہ معانی پر جامع ہے۔ اور یہ معانی الفاظ قرآن سے ماخوذ ہیں۔ کتاب

اللہ سب معانی پر دال ہے۔ پس کسی نے تو اس میں سے کوئی معنی لے لیے اور کسی نے کوئی۔ گو لفظ سب پر دلالت کرتا ہے۔

ہمارا مقصود تو اس جگہ ((وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ)) کے معنی سے ہے۔ پس یہ ایک دعا ہے جو بہترین عطیۂ خیر کی ضامن ہے۔ جو آل ابراہیم کو عطا ہو چکا ہے۔ پھر اس کی مداومت و ثبوت اور کثرت و زیادتی پر مشتمل ہے۔ کیونکہ برکت کی حقیقت یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل کے حق میں فرمایا ہے:

﴿ وَبَشَّرْنَٰهُ بِإِسْحَٰقَ نَبِيًّا مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿١١٢﴾ وَبَٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰٓ إِسْحَٰقَ ﴾ (الصافات۳۷/ ۱۱۲-۱۱۳)

"ہم نے اس کو اسحاق کی بشارت دی جو صالحین میں سے اور نبی ہیں اور ہم نے ابراہیم و اسحاق کو برکت دی۔"

ان کے اہل بیت کے حق میں فرمایا ہے:

﴿ رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ ۚ إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾ ﴾

(ہود۱۱/ ۷۳)

"اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو بے شک اللہ حمد اور مجد والا ہے۔"

قابل غور یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید میں ((بَارَكْنَا عَلَيْهِ وَ عَلٰی اِسْحَاقَ)) فرمایا ہے۔

## بنی اسرائیل کا ذکر قرآن میں اور بنی اسمٰعیل کا ذکر تورات میں ہونے کی وجہ

اسی طرح تورات میں حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کو برکت و خیر دیئے جانے کا اظہار فرمایا ہے۔ تمام برکتوں کا نتیجہ اور سب سے اجل و اعظم وجود باوجود محمد رسول

اللہ ﷺ تھا۔ پس اس کی اطلاع تو بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کی زبان سے دلائی۔ تاکہ اس برکت عظیم اور خیر کثیر پر جو بنی اسمٰعیل کے اندر ظاہر ہو گی۔ سب آگاہ ہو جاویں اور ہم مسلمانوں کے لیے قرآن مجید میں برکت اسحاق کا ذکر فرمایا۔ تاکہ جو نبوت اور علم و کتاب ان کی اولاد کو لوگوں کی ہدایت و ایمان کے لیے بکثرت عطا ہوئی ہے۔ اس کی آگاہی ہم کو ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان اس مبارک خاندان کے حقوق کے ناشناسا بن جائیں اور انبیاء بنی اسرائیل کو دوسری شاخ سے سمجھ کر کہنے لگیں کہ ہمارا ان سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ مسلمانوں پر بھی ان کی توقیر و احترام ضروری ہے۔ ان کی محبت و تعظیم رکھنا ان پر ایمان لانا اور ان کی ثناء کرنا لازمی ہے۔

«صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ»

**خاندان خلیل الرحمٰن کے خصائل و فضائل:** چونکہ حضرت خلیل الرحمٰن کا مبارک و مطہر گھرانا کل عالم کے خانوادوں سے علی الاطلاق اشرف و بزرگ تر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو چند خصوصیات کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے۔ جن میں سے چند درج کی جاتی ہیں۔

① نبوت اور کتاب کو اس خاندان میں مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی نبی حضرت خلیل کے کنبہ سے باہر نہیں ہوا۔

② اس گھرانے کو ائمہ مہدئیین بنایا۔ اولیاء اللہ میں سے جو کوئی جنت میں داخل ہو گا۔ وہ ان کے طریق و دعوت پر چلنے سے ہو گا۔

③ اللہ پاک نے اس خاندان عالیہ میں سے دو (حضرت ابراہیم و سیدنا محمد صلی اللہ علیہما) کو خلیل بنایا۔

④ اس گھرانے کو اہل عالم کا امام قرار دیا۔ ((اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا))

⑤ ان کے ہاتھ سے اپنے گھر کی بنیاد رکھوائی اور اس گھر کو تمام دنیا کے لیے قبلہ، جائے قیام و حج گاہ بنایا۔

⑥ بندوں کو حکم دیا گیا کہ اس گھرانے پر درود بھیجا کریں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ

ان پر اور سلف پر درود بھیجتا ہے۔

⑦ اسی گھرانے میں اللہ تعالیٰ نے دو مقدسوں کو اتنی بڑی امتیں جو کسی اور گھرانے کو نہیں ملیں عطا فرمائیں۔ یعنی امت موسیٰ و امت محمدیہ۔ امت محمدیہ پچھلی ستر امتوں کے برابر اور دیگر امتوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں بڑھ کر اور گرامی تر ہے۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لسان صدق اور جمیل ثناء دنیا میں قائم رکھی کہ جب ان کا ذکر آئے ثناء کی جائے اور صلوٰۃ و سلام ان پر بھیجا جائے۔

⑨ اس گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے پرکھنے کی کسوٹی بنایا۔ سعید وہ ہیں جو اس گھرانے کی تبعیت کرتے' ان سے محبت و اخلاص رکھتے ہیں اور شقی وہ جن کو ان سے بغض ہے اور منہ پھیر لیا ہے۔ جنت اس گھرانے کے لیے ہے اور ان کے اتباع کے لیے اور دوزخ ان کے اعداء و مخالفین کے لیے۔

⑩ ان کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ یکجا فرمایا ہے۔ مثلاً بولتے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ موسیٰ کلیم اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی ﷺ کو اپنی خاص نعمتوں کا شمار کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ جب میرا ذکر ہو تیرا بھی ساتھ ہو۔ کلمہ طیب پر جس سے اسلام نصیب ہوتا ہے' غور کرو۔ علیٰ ہذا۔ اذان' خطبات اور تشہد میں دیکھو یہی حال ہے۔

⑪ دنیا و آخرت کی شقاوت سے تمام خلقت کی نجات اس گھرانے والوں کے ہاتھ پر رکھی گئی ہے نہ کہ ان کی نعمتوں کا جو لوگوں کو ان سے حاصل ہیں شمار ممکن ہے اور نہ کوئی ان کی جزاء دے سکتا ہے۔ بے شک اولین و آخرین میں جس قدر اہل سعادت ہو گزرے ہیں (جن کو مدارج رفیعہ کے حصول میں ید طولیٰ ہے اور جس پر ان کو جزا عنایت ہو گی) سب کی گردنوں پر اس گھرانے کے بڑے بڑے احسانات کا بار ہے۔

⑫ جو عمل صالح اور اطاعت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے کی جاتی ہے اس میں اس

گھرانے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے۔ جتنا خود عمل کرنے والے کو۔ اللہ اکبر۔ اللہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے خصوصیت دیتا ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کے سوا تمام طریقوں کو مسدود کر دیا اور تمام دروازوں کو بند فرما دیا۔ اب اہل عالم اور اللہ کے درمیان جو دروازہ کھلا ہے وہ انہی کا راستہ اور ان ہی کا دروازہ ہے۔ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ پاک اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

"مجھ کو اپنی عزت و جلال کی قسم ہے۔ خواہ لوگ کسی طریق سے آئیں اور کسی دروازہ کو کھٹکھٹائیں میں ان کے لیے کوئی دروازہ نہ کھولوں گا اور کوئی راہ نہ دوں گا جب تک تیرے پیچھے ہو کر نہ آئیں۔"

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کو وہ علم عطا فرمایا جو کسی دوسرے گھرانے کو نہیں دیا۔ اسی لیے دنیا میں کوئی ایسا گھرانا نہیں گزرا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات، احکام و افعال، جزا و سزا مقامات رضاء و غضب اور ملائکہ و مخلوقات کی معرفت اور علم و شرع میں اس سے بڑھ کر ہو۔ پاک ہے وہ مالک جس نے اس گھرانے کے لیے اولین و آخرین کے علوم کو جمع کر دیا ہے۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و محبت اور قرب و تعلق خاص میں اس گھرانے کو ایسی خصوصیت عطا فرمائی ہے جو کسی اور گھرانے کو نہیں۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں تمکنت دی اور خلافت عطا فرمائی اور جملہ روئے زمین کو ان کا مطیع بنایا یہ بات اور کسی کو حاصل نہیں۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے جس قدر ان کے ہاتھوں سے اہل ضلالت و شرک کے آثار و علامات کو جن سے ذات الٰہی بیزار تھی، محو کرایا ہے اس قدر دوسرے کے ہاتھ پر نہیں۔

(۱۸) جملہ اہل عالم کے دل میں ان کی محبت و اجلال اور تعظیم کے جو شجر لگائے گئے ہیں وہ دوسرے کی محبت کے نہیں۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے ان کے آثار کو دنیا میں بقاء عالم اور حفاظت بنی آدم کا سبب

ٹھہرایا۔ جب تک یہ آثار باقی ہیں عالم باقی ہے۔ جب یہ نہ رہے اس وقت سے ہی خرابی کی ابتداء ہو گئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیات:

﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ﴾ (المائدۃ۵/ ۹۷)

"اللہ نے مکان محترم' کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا اور ماہ حرام اور قربانی کے جانوروں اور قلادوں کو بھی (اس کام میں معاون بنایا)"

کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگر سب کے سب آدمی حج چھوڑ بیٹھیں تو آسمان زمین پر آگرے۔ اور کہا' اگر سب ہی حج چھوڑ دیں تو ان کو کچھ نظر نہ آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے گھر کو زمین پر سے اور اپنے کلام کو مصاحف اور لوگوں کے سینہ سے اٹھا لے گا۔ اس وقت نہ حج کرنے کے لیے بیت اللہ ہو گا نہ تلاوت کے لیے کلام اللہ۔ تب بہت جلد عالم تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ آج ہم اپنے وقت میں دیکھ رہے ہیں کہ جس قدر لوگ آثار و شرائع پر قائم ہیں اور قیام امور و حصول مصالح میں مصروف اور ہر گونہ بلا و شر کے دفع کرنے میں مشغول ہیں' وہ سب امور شریعت کے ظہور و قیام کے طفیل ہے اور جس قدر لوگ ہلاکت و مصیبت میں گر رہے ہیں اور شر و بلا میں پڑ رہے ہیں' وہ سب شریعت کو معطل رکھنے' اس سے منہ پھیرنے اور اسے چھوڑ کر غیر کو اختیار کر لینے کے باعث ہے۔ جو کئی تامل سے غور کرے گا کہ یہ اور بستیوں یا بندوں پر دشمنوں کے غلبہ کی وجہ تلاش کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب ہمارے گناہ کی شامت ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و احکام اور سنتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و سنن و شرائع کا ظہور ہے وہاں سے اسی ظہور کے موافق یہ مصائب بھی دور ہیں۔

بے شک یہ جملہ خصائص بلکہ ان سے چند در چند و صد چند اس گھرانے کو اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت و برکات سے حاصل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو

حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ کے لیے اور آل محمدیہ کے لیے ان برکتوں کا سوال کریں جو اس معظم گھرانے کے لیے ہیں۔

(۲۱) اس گھرانے کی برکات و خصائص میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ خصوصیتیں عطا کی ہیں جو غیر کو عطا نہیں کیں۔ ان میں خلیل الرحمٰن بھی ہیں۔ اور ذبیح اللہ بھی۔ وہ بھی جس سے اللہ نے کلام کیا اور وہ بھی جسے قرب تامہ دیا۔ وہ بھی جسے حسن کا ایک حصہ دیا اور کریم بنایا اور وہ بھی جس کے پاس وہ فرشتہ حاضر ہوا' جو کسی کے پاس نہ آیا تھا۔ وہ بھی جسے مکان علیہ پر بلندی عطا ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کا ذکر کیا ہے تو فرمایا ہے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے عالمین پر فضیلت دی ہے۔

(۲۲) اہل زمین پر اس گھرانے کی برکات و خصائص سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب عام اہل زمین سے اٹھالیا۔ سنت الٰہی اس گھرانے کے انبیاء سے پہلے سابقہ امتوں کے بارے میں یہ تھی کہ جب وہ اللہ اور رسول کی تکذیب کرتے تو عذاب عام کے ساتھ ہلاک کر دیئے جاتے۔ جیسا کہ قوم نوح و ہود و صالح و لوط (علیہم السلام) کے ساتھ ہوا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے تورات و انجیل و قرآن مجید کو نازل فرمایا تو عذاب عام کو اہل زمین سے اٹھالیا۔ اور حکم دیا کہ مخالف اور تکذیب کرنے والوں کے ساتھ جہاد کیا جائے تاکہ درجہ شہادت مل سکے۔ مومنین کے ہاتھوں سے نصرت و فتح کا ظہور ہو اور مہابت الٰہیہ چھا جائے۔

بے شک اس گھرانے کے لیے بعض ایسے فضائل و خصائص ثابت ہیں کہ زبان کو ہمیشہ ان کے صلوٰۃ و سلام اور ذکر ثناء و عظمت کے بیان میں تر اور دل کو تعظیم و محبت و جلال سے پر رکھنا چاہیئے اور پھر بھی یہ خیال رہے کہ اگر جملہ انفاس ان پر صلوٰۃ بھیجنے میں ہی صرف ہو جائیں۔ تب بھی ان کے حق کا ادنیٰ حصہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو خلقت کی جانب سے افضل جزاء عطا فرمائے اور ملاء اعلیٰ میں ان کی تعظیم و تشریف و تکریم روز افزوں رکھے اور ختم نہ ہونے والی صلوٰۃ دائمہ ان پر نازل کرے اور سلام کثیر قیامت تک ان پر نازل فرماتا رہے۔

نویں فصل

# حمید و مجید پر اختتام صلٰوۃ کا بیان

حمید و مجید کے معنی: واضح ہو کہ حمید فعیل [1] کے وزن پر حمد سے ہے اس کے معنی محمود ہیں۔ مگر محمود سے بلیغ تر ہے۔ کیونکہ جب مفعول سے عدول کر کے فعیل کا وزن لیا جاتا ہے۔ تو وہ یہ دلالت کیا کرتا ہے کہ یہ صفت بمنزلہ حرارت اصلی، خلق جبلی اور طبیعت کے بن گئی ہے۔ کسی کو ظریف و شریف یا کریم کہنے سے یہی غرض ہوتی ہے اور اسی لیے یہ بناء غالباً فعل بروزن شرف سے آتی ہے۔ کیونکہ یہ بناء لازمی صفتوں اور اصلی حالتوں کے لیے ہے۔ مثل کبر و حسن و لطف وغیرہ یہی وجہ ہے کہ حبیب، محبوب سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ حبیب وہ ہے جس کے اندر صفات و افعال ایسے پائے جاتے ہوں جن کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جائے۔ پس وہ فی نفسہٖ حبیب ہے گو کوئی شخص عدم شعور سے اس کے ساتھ محبت نہ کرے۔ یا کسی مانع سے اس کی محبت پر مطلع نہ ہو اور محبوب وہ ہے جس سے کوئی محب محبت کرنے لگے اور یہ اس کی محبت کرنے سے محبوب کہلائے۔ غرض حبیب اپنی ذات و صفات کی وجہ سے حبیب ہوتا ہے۔ گو محبت غیر اس سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ یہی فرق حمید و محمود میں ہے۔ جس کو وہ صفات و اسباب حمد حاصل ہوں۔ جو اس کے محمود ہونے

---

[1] اس وزن پر اللہ تعالیٰ کے اکثر اسماء تو بمعنی فاعل ہیں۔ مثلاً سمیع و بصیر، علیم و قدیر، علی و حکیم و حلیم۔ اور اسی طرح وزن فعول کے اسماء مثلاً: غفور و شکور و صبور۔ لیکن درود کے بارہ میں دو قول ہیں۔ بمعنی فاعل ہے کیونکہ وہ انبیاء اور رسل اور اولیاء مومنین سے محبت رکھتا ہے۔ بمعنی مفعول یعنی محبوب ہے جو تمام محبت کے ساتھ حب نا مستحق ہے اور بندہ کی شنوائی و بینائی اور نفس نیز دیگر محبوبات سے بھی زیادہ تر محبوب ہونا اسی کو شایاں ہے۔

کا تقاضا کرتے ہوں۔ گو کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ وہ فی نفسہٖ حمید ہے اور محمود وہ ہے جس کی حمد کسی نے کی ہو۔ یہی فرق مجید اور ممجد' کبیر اور مکبر' عظیم اور معظم میں ہے۔

واضح ہو کہ حمد اور مجد ایسے دو لفظ ہیں۔ جن کی طرف تمام کمال راجع ہے کیونکہ حمد محمود کی ثناء اور محبت پر مستلزم ہے۔

حمد کے معنی: اب اگر کوئی محمود سے محبت رکھتا ہے مگر اس کی ثناء نہیں کرتا تب بھی وہ اس کا حامد نہیں اور اگر ثناء کرتا ہے' مگر اس سے محبت نہیں رکھتا' تب بھی اس کا حامد نہیں۔ اب تم یہ سمجھو کہ ثناء و محبت بھی اسباب کے تابع ہیں۔ مثلاً محمود میں صفات کمالیہ اور صفات جلالیہ اور غیر پر احسان کرنے کی فضیلتوں کا ہونا۔ کیونکہ یہی اسباب محبت کے ہیں اور جس قدر زیادہ ان کا اجتماع و کمال ہو گا۔ اسی قدر حمد اور محبت اتم و اعظم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے چونکہ کمال مطلق ہے۔ جس میں کسی وجہ سے کوئی نقص نہیں اور جملہ احسان اسی کی جانب سے ہے۔ اس لیے وہ محبت تامہ کے ساتھ تمام حمد کا جمیع جانب سے مستحق ہے اور اسی کی یہ شان ہے کہ ذات و صفات اور احسان وجود کے افعال و اسماء بلکہ جملہ افعال و احکام کی وجہ سے اس سے محبت کی جائے۔

رہا مجد' تو اس کے لیے عظمت و وسعت اور جلال کا ہونا لازم ہے۔ جیسا کہ موضوع لغوی اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ لفظ عظمت و جلال اور حمد پر دلالت کرتا ہے اور صفات اکرام پر راجع۔ اللہ تعالیٰ ہی ذوالجلال و الاکرام ہے اور ((لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اکْبَر)) کے بھی یہی معنی ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ تو الوہیت و وحدانیت پر جو محبت تامہ کی حق دار ہیں دلالت کرتا ہے اور اللہ اکبر کے لیے اس کی مجد و عظمت و کبریائی لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو نوع کو قرآن مجید میں اکثر مقام پر جمع کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ ۚ إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾ ﴾

(ہود ۱۱/ ۷۳)

"تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے۔"

فرمایا:

﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ شَرِيكٌ فِى ٱلْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ وَلِىٌّ مِّنَ ٱلذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًۢا ﴿١١١﴾ ﴾ (بني اسرائيل ١٧/ ١١١)

"حمد ہے اللہ کو جس نے نہیں رکھی اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگاروں میں اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔"

دیکھو اس میں حمد و تکبیر کا حکم ہے۔ فرمایا:

﴿ تَبَٰرَكَ ٱسْمُ رَبِّكَ ذِى ٱلْجَلَٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٧٨﴾ ﴾ (الرحمن ٥٥/ ٧٨)

"بڑی برکت والا ہے تیرے رب جلیل و کریم کا نام۔"

مسند و صحیح ابو حاتم وغیرہ میں حدیث نبوی موجود ہے۔

«اَلِظُّوْابِيَا ذَاالْجَلَالِ وَالاِكْرَامِ»

"یا ذالجلال والاکرام کو اپنا ورد زبان بنالو۔"

جلال و اکرام کے وہی معنی ہیں جو حمد و مجد کے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر بہت ملے گی کہ قریب المعنی دو اسماء حسنٰی ایک جگہ بیان کئے گئے ہوں۔ مثلاً:

«إِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ»

«هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ»

دعاء کرب کے الفاظ ہیں:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ الْعَظِيْم لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ اللهُ رَبُّ السَّمٰـوَاتِ وَرَبُّ الأَرْضِ وَرَبُّ الْعَـرْشِ الْكَرِيْمِ»

پس نبی ﷺ کی صلوٰۃ کے بعد بھی یہی دونوں اسماء ذکر کئے گئے تاکہ قرآن مجید کی آیت ﴿ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ کے مطابق ہو جائے اور چونکہ صلوٰۃ کے معنی۔ اللہ پاک کی جانب سے نبی ﷺ کی ثناء، تکریم،

رفعت شان، ذکر اور کثرت محبت و قرب ہیں اور یہ سب معانی حمد و مجد پر مشتمل ہیں۔ تو گویا درود خواں کی درخواست یہ ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کی حمد و مجد میں ترقی کی جائے۔ پس اسی مطلوب کی مناسبت اور مدعا کی مطابقت سے اللہ تعالیٰ کے یہ دو نام حمید و مجید مذکور ہوئے۔ (۱)

---

(۱) اس بارے میں پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ دعا کرنے والے کے لیے مشروع یہ ہے کہ اپنی دعا کو اللہ تعالیٰ کے ایسے اسم پر جو اسماء حسنیٰ میں سے ہو شروع و ختم کرنا چاہیے۔ جو مطلوب سے مناسبت رکھتا ہو۔ بطور نظیر دیکھو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے الفاظ ﴿ رَبِّ اغْفِرْلِیْ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَابُ ﴾ یعنی ملک مانگا اور اللہ کو وہاب کہا۔

حضرت خلیل اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا ہے: ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴾ امور آخرت کے متعلق دعا تھی۔ تو التواب الرحیم پر اسے ختم کیا۔ نبی ﷺ ایک نشست میں سو بار پڑھا کرتے تھے: ﴿ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تھا کہ مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو کیا پڑھوں۔ فرمایا کہنا ((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ)) حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نماز میں پڑھنے کے لیے دعا سکھلائی جائے۔ فرمایا پڑھو: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم)) غرض اس کی نظائر بہت ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے کتاب الروح والنفس میں کیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے قول: ((اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْم)) اور حضرت خلیل کے قول ((فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهُ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم)) کے متعلق بھی اسی میں بحث ہے۔ کیونکہ بظاہر تو یہ ہے کہ حضرت مسیح کے قول میں ((عَزِیْزٌ حَكِیْم)) ہوتا اور حضرت خلیل کے قول میں غفور رحیم۔

اور چونکہ حمد و مجد جس کی نبی ﷺ کے لیے اس سوال میں درخواست کی گئی ہے۔ پہلے سے نبی ﷺ کو حاصل ہے۔ اس لیے یہی بات بتلانے کے واسطے کلام کا خاتمہ اللہ کے لیے ہر دو اوصاف کے ثبوت پر کیا گیا۔ کیونکہ بندہ میں جو کمال نقص سے مبرا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کمال کا زیادہ تر مستحق ہے۔

نیز یہ کہ نبی ﷺ کے لیے حمد و مجد کی طلب اللہ تعالیٰ کی صفت حمد و مجد کی مستلزم ہے۔ پس دعا میں نبی ﷺ کے لیے طلب بھی پائی گئی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس صفت کا ثبوت بھی۔ [1]

دسویں فصل

## ان دعوات واذکار کے قاعدہ کے بیان میں جو مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں

واضح ہو کہ جس طرح دعائے استفتاح اور تشہد نماز و قومہ و جلسہ کے اذکار اور دعاؤں کے مختلف الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ اسی طرح درود میں بھی مختلف الفاظ آئے ہیں۔ بعض متاخرین نے اس بارے میں ایک درمیانی راہ نکالی ہے۔ یعنی وہ مختلف لفظوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور اس امر کو افضل جانتے ہیں۔ مثلاً: ((ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا)) کے ساتھ ((كَبِيْرًا)) بھی پڑھتے ہیں اور ((عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ)) کے ساتھ ((عَلٰى اَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ)) بھی کہا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک لفظ ایک روایت میں ہے اور دوسرا لفظ دوسری روایت میں۔ اس کی وجہ لوگ یہ بتلایا کرتے ہیں کہ جمع کر

---

[1] اللہ کا پاک نام حمید ہے اور نبی ﷺ کا مبارک نام محمد۔ دونوں حمید سے بنائے گئے ہیں ان دونوں کا الفاظ درود میں جمع کیا جانا جو خوبی رکھتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مجید گویا حمید کے ساتھ مستلزم ہے۔ (محمد سلیمان)

لینے سے پڑھنے والا راوی کے شک سے نکل کر الفاظ نبوی ﷺ کو یقیناً پالیتا ہے اور دعا میں سب روایتوں کے الفاظ جن پر اختلاف ہے یا ایک کی جگہ دوسرا بولا گیا ہے' جمع ہو جاتے ہیں۔

دوسرے گروہ کو اس بارہ میں نزاع ہے کہ یہ خیال چند وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے۔

① یہ طریق نیا نکلا ہے۔ معروف اماموں میں سے کسی نے اس کی طرف سبقت نہیں کی۔

② اس سے لازم آتا ہے کہ استفتاح کی جتنی دعائیں مروی ہیں۔ سب کو الحمد سے پہلے نماز میں پڑھا کرے۔ اسی طرح سب تشہدات کو تشہد میں اور سب ذکروں کو رکوع و سجود میں پڑھا کرے۔ لیکن یہ قطعی باطل ہے کیونکہ امت کے عمل کے بھی خلاف ہے اور کسی اہل علم نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا۔ بلکہ یہ بدعت ہے۔ اگر اس مذہب والا اپنے مذہب کو (نماز یا درود کے بعض الفاظ جمع کرنے سے) محدود کرے گا۔ تب گویا وہ خود تضاد کا شکار ہو گا اور دو متماثل (یکساں) چیزوں میں فرق کرے گا۔

③ اس مذہب والے کو چاہیئے کہ وہ نمازی اور قاری کے لیے مستحب قرار دے کہ جس قدر مختلف قراء تیں ہیں۔ ان سب کو نماز کے اندر بھی اور باہر بھی جمع کیا کرے۔

لیکن یہ مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کا اس کے مستحب نہ ہونے پر (جب قرآن بطور عبادت اور تدبر پڑھا جاتا ہو) اتفاق ہے۔ ہاں بعض اوقات قاری لوگ ایسا ضرور کیا کرتے ہیں۔ سو اس امتحان کے لیے کہ قاری کو مختلف قراء تیں حفظ ہیں یا نہیں اور جب اس کو پڑھنے کے لیے کہا جائے اسی وقت سنا سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ تو سدھانے اور سکھانے کی باتیں ہیں۔ نہ عبادت جسے ہر ایک کے لیے مستحب بھی قرار دیا جائے (اور اس قاری کے بارے میں بھی اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) بے شک تلاوت کرنے والے کے حق میں مشروع تو یہی ہے کہ جس

حرف سے چاہے پڑھ لے۔ مثلاً دعاء صدیق رضی اللہ عنہ میں کبھی ((ظلمًا کثیرًا)) پڑھ لے کبھی ((ظلمًا کبیرًا)) درود کبھی اس حدیث کے الفاظ میں پڑھ لے۔ کبھی دوسری حدیث کے الفاظ میں۔ تشہد کبھی ابن مسعود، کبھی ابن عباس کبھی ابن عمر، کبھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے الفاظ میں پڑھ لے۔ علیٰ ہذا دعاء استفتاح خواہ حدیث علی مرتضیٰ، خواہ حدیث ابوہریرہ خواہ استفتاح عمر رضی اللہ عنہم کے موافق پڑھا کرے۔ خواہ کبھی یہ اور کبھی وہ۔ علیٰ ہذا رکوع سے سر اٹھاتے وقت خواہ ((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) کہے۔ خواہ ((رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) اور خواہ ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد---)) پڑھے۔ لیکن یہ کسی نے مستحب نہیں بتلایا کہ ان سب کو جمع کر لیا کرے۔

واضح ہو کہ روایت شدہ تشہدات وغیرہ میں ہر ایک کے جائز ہونے کی دلیل ائمہ نے جن میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، صحاح و سنن کی اس حدیث سے لی ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا سات حرف پر اترنا اور ہر ایک کے ساتھ قراءت جائز ہونا بتلایا ہے اور ہر ایک حرف کو کافی شافی فرمایا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ مشروع اس بارے میں قراءت حروف بطور بدل ہے نہ کہ بطور جمع اور یہی عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔

④ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو ایک وقت میں کبھی جمع نہیں فرمایا تھا۔

(الف) یا تو کبھی یہ لفظ فرمایا اور کبھی وہ۔ جیسے دعاء استفتاح اور تشہد، اور اذکار رکوع و سجود کے الفاظ ہیں۔ پس اتباع سنت یہ ہے کہ کبھی یہ لفظ اور کبھی وہ پڑھا جائے اور دونوں جمع نہ کیے جائیں۔

(ب) یا یہ ہوا ہے کہ راوی کو اصل لفظ میں شک ہو گیا ہے۔ پس اگر دعاء خواں کے نزدیک کسی لفظ کو ترجیح ہو تب تو اسی لفظ کو اختیار کر لے۔ [1] ورنہ جسے چاہے۔

---

[1] الفاظ میں سے ایک کو ترجیح دینے کی مثال حدیث استخارہ میں سمجھو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِیْ فِیْ دِيْنِیْ وَ مَعَاشِیْ کے آگے وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فرمایا ہے یا عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ اٰجِلِهٖ فرمایا ہے۔ مگر صحیح پہلا لفظ ہے کیونکہ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَ اٰجِلِهٖ کا وہی مضمون ہے جو دینی و معاشی کا ہے۔ اس صورت میں یہ الفاظ مکرر ہوتے ہیں۔ ⬅

مگر جمع کرنا مشروع نہیں۔ کیونکہ یہ تیسری صورت ہے جو نبی اکرم ﷺ سے مروی نہیں۔ پس ایک ہی وقت میں ان الفاظ کا جمع کرنا دعاء خواں کے مقصود کو باطل کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا قصد تو سنت کا اتباع تھا۔ مگر جو وہ کرتا ہے۔ اسے قطعاً نبی ﷺ نے نہیں کیا۔

⑤ مقصود تو یہ ہے کہ یہ مطلب ادا ہو سکے۔ جب دو میں سے ایک لفظ کے ساتھ مطلب ادا ہو گیا تو مقصد حاصل ہو گیا اور جمع کی ضرورت نہ رہی۔

⑥ یہ ہر دو الفاظ ایک دوسرے کا بدل ہوتے ہیں اور بدل و مبدل منہ میں معاً جمع کرنا پسندیدہ نہیں۔

---

← لیکن عَاقِبَتِ اَمْرِیْ کا کہنا داخل تکرار نہیں۔ دوسری مثال یہ ہے کہ نبی ﷺ سے روایت ہوا ہے کہ جو کوئی سورۂ کہف کے اول کی دس آیتیں پڑھ لیا کرے گا' وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ لیکن بعض راویوں کا اختلاف ہوا۔ کسی نے اول سورۂ کہف کہا اور کسی نے آخر سورت۔ دونوں روائتیں صحیح میں ہیں۔ مگر ترجیح اول سورت کی روایت کو ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ میں فواتح سورۂ کہف کا پڑھنا بیان ہوا ہے۔ اس حدیث کی روایت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہی روایت اول سورت کی محفوظ ہے۔

باب چہارم

# درود خوانی کے مقام و محل کا بیان

**نماز میں درود کے فرض ہونے نہ ہونے کی بحث** ① نہایت ضروری اور نہایت مؤکدہ مقام درود پڑھنے کا نماز کا آخری تشہد ہے۔ اس کی مشروعیت پر تو مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن وجوب میں اختلاف ہے۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ نماز میں درود واجب نہیں۔ واجب کہنے والے شاذ اور مخالف اجماع ہیں۔ یہی قول طحاوی اور قاضی عیاض کا ہے۔ خطابی کہتے ہیں:

"درود نماز میں واجب نہیں۔ یہی قول جماعت فقہاء کا ہے بجز شافعی کے جن کا پیش رو اس مسئلہ میں کوئی نہیں جانتا۔"

ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے:

"شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں اکیلے ہیں۔ نماز میں درود واجب نہیں۔"

اس گروہ کی جو دلیل ہے ہم اسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں لکھتے ہیں:

"نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پیشتر سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے اور اس مسئلہ میں لوگوں نے شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ہی مخالفت کی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد ہی کو لو۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم اور شافعی کا اختیار کردہ ہے۔ اس میں درود نہیں۔ علیٰ ہذا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ' ابن عباس ' ابن عمر ابو سعید خدری ' ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی روایات تشہد میں درود نہیں۔ ابن عباس و جابر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد اس طرح سکھلایا کرتے تھے ' جیسے قرآن کی سورت۔ یہی ابو سعید نے کہا ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ ابو بکر ہم کو منبر پر چڑھ کر تشہد یوں

سکھایا کرتے تھے۔ جیسے تم اپنے بچوں کو کتاب پڑھایا کرتے ہو۔ یہی حال عمر فاروق کا تھا۔ کہ منبر پر چڑھ کر تشہد سکھلاتے تھے اور ان کی کسی روایت میں بھی درود کا ذکر نہیں"۔

ابن عبدالبر نے تمہید میں کہا ہے کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل حدیث حسن بن حر ہے۔ وہ قاسم بن مخیمرہ سے روایت کرتا ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا (جیسا کہ میں نے اب تیرا ہاتھ پکڑا ہے) اور کہا کہ عبداللہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا جیسا کہ میں نے تیرا ہاتھ پکڑا ہے اور مجھ کو تشہد سکھلایا۔ پھر آخر تشہد تک پڑھ کر کہا۔ جب تو یہ کہہ چکا تو نماز پوری ہو گئی۔ کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ نماز میں درود کے واجب یا سنت نہ ہونے کی حدیث بالا حجت ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر تشہد واجب یا سنت ہوتا تو نبی اکرم ﷺ بیان فرما دیتے۔ ان کا قول ہے کہ ابوداؤد و ترمذی و طحاوی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

«إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ اٰخِرِ السُّجُوْدِ فَقَدْ مَضَتْ صَلَاتُهُ إِذَا هُوَ اَحْدَثَ»

"جب کسی نے آخری سجدہ سے سر اٹھایا تو اس کی نماز پوری ہو گئی خواہ اس کا وضوء ٹوٹ جائے۔"

دیکھو یہ دعویٰ کہ درود کے بغیر نماز نہیں ہوتی' کہاں گیا۔ عاصم بن ابی ضمرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی مقدار تشہد بیٹھ جائے اور اس کا وضوء ٹوٹ جائے تو نماز پوری ہو گئی۔ علیٰ ہذا اعمش ابووائل کی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کے بارے میں ہے۔ جس کے آخر میں یہ ہے کہ پھر بات چیت کر لے گویا درود کا ذکر نہیں۔ حدیث فضالہ بھی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو سنا جو نماز میں دعاء مانگتا تھا نہ اللہ کی حمد نہ درود پڑھا۔ فرمایا "اس نے جلدی کی۔ پھر اسے اور دوسروں کو فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے حمد و ثناء رب کرے۔ پھر محمد و آل محمد پر درود بھیجے۔ پھر جو چاہے دعاء مانگے۔"

دیکھو نبی ﷺ نے اس شخص کو اعادۂ نماز کا حکم نہیں دیا۔ لیکن اگر درود فرض ہوتا تب اعادہ کا حکم ضرور دیتے جیسا کہ رکوع و سجود کے مکمل نہ کرنے والے کو اعادہ کا حکم دیا تھا۔ ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو جو نماز خراب طور سے پڑھ رہا تھا' درود نہیں بتلایا۔ اگر یہ فرائض نماز میں سے ہوتا جس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی' تب ضرور نبی ﷺ اسے سکھلاتے۔ جیسا کہ قرأت و رکوع و سجود اور نماز میں طمانیت کی تعلیم دی تھی۔ ایک دلیل یہ ہے کہ فرائض دلیل صحیح سے جس کا مخالف اس کی مثل نہ ہو یا ان لوگوں کے اجماع سے جن کے اجماع پر حجت قائم ہو سکے' ثابت ہوا کرتے ہیں۔ (اور یہاں نہ دلیل صحیح ہے اور نہ اجماع)۔

مذکورہ بالا دلائل اس گروہ کے عمدہ اور بزرگ دلائل ہیں۔ لیکن دوسرے گروہ نے (جو نماز میں وجوب صلوٰۃ کا قائل ہے) نقل و استدلال سے نزاع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یا اس مذہب کے دوسرے شخص کو شذوذ یا مخالفت اجماع سے منسوب کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ایک جماعت صحابہ اور ان کے بعد بھی چند بزرگوں نے مثل شافعی کہا ہے۔ صحابہ میں سے ایک عبداللہ بن مسعود ہیں جو نماز میں درود کو واجب سمجھتے اور کہا کرتے کہ جس نے درود نہیں پڑھا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کو تمہید میں ابن عبدالبر نے اور دیگر علماء نے روایت کیا ہے۔ ازاں جملہ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابو جعفر محمد بن علی نے ان سے روایت کی ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میری نماز پوری ہو گئی جب تک میں محمد و آل محمد (ﷺ) پر درود نہ پڑھ لوں۔ ازاں جملہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ حسن بن شبیب معمری نے سند کے ساتھ ان سے روایت کی ہے کہ نماز بغیر قرأت و تشہد اور درود کے نہیں ہوتی۔ اگر اس میں سے کچھ بھول جاؤ تب سلام کے بعد دو سجدے کرو۔ قول بالا حسن نے ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے بھی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تابعین میں سے اس مذہب کے قائل ابو جعفر محمد بن علی' شعبی' مقاتل بن حیان ہیں۔ اور ارباب مذاہب میں سے جن کا اتباع کیا گیا ہے اسحاق بن راہویہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی درود دانستہ چھوڑے گا تو اس کی نماز صحیح نہیں اور اگر سہو سے رہ جائے تب میں امید کرتا ہوں کہ پوری

سمجھی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اسحاق سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ دونوں کو حرب نے مسائل اسحاق کو روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہا' میں نے اسحاق سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص تشہد پڑھے اور درود نہ پڑھے۔ کہا:

"میں تو کہتا ہوں کہ اس کی نماز جائز ہے مگر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جائز نہیں۔ میں حدیث حرعن قاسم کی طرف گیا ہوں۔ اس کے بعد حدیث بیان کی۔"

پھر حرب نے کہا کہ: "میں نے ابویعقوب اسحاق کو کہتے سنا ہے کہ جب کوئی تشہد سے فارغ ہو' امام ہو یا مقتدی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور درود بھیجے۔ اس کے سوا اور اس کو کچھ کفایت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اصحاب نبی کا قول ہے کہ ہم آپ کو سلام پہنچانا تو جان گئے (یعنی تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ پڑھنا) لیکن صلوٰۃ کس طرح ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر فرمائی۔ پس ادنیٰ درجہ درود کے بارے میں یہ ہے کہ اسے تشہد کے بعد پڑھنا چاہیئے۔ جلسہ آخر میں تشہد اور درود ایسے مساوی کے دو عمل ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کو دانستہ چھوڑ دینا کسی کو جائز نہیں۔ ہاں اگر بھول گیا ہے تب میں امید کرتا ہوں کہ (نہ پڑھنا ہی) کافی ہے۔ اسی طرح بعض علماء حجاز کہتے ہیں کہ ترک درود کسی حالت میں جائز نہیں۔ ترک ہو جائے تو اعادۂ نماز چاہیئے۔"

رہے امام احمد۔ ان سے مختلف روایت ہے۔ مسائل مروزی میں ہے کہ:

"ابوعبداللہ (امام احمد) سے کہا گیا کہ ابن راہویہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں درود چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے فرمایا میں تو ایسے کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ایک دفعہ کہا یہ شذوذ (مقبول راوی کا اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت کرنا) ہے۔ مسائل ابوزرعہ دمشقی میں ہے' امام احمد نے فرمایا میں یہ کہنے سے ڈرتا تھا مگر پھر یہ ظاہر ہو گیا کہ نماز میں درود واجب ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے قول عدم وجوب سے رجوع کر لیا تھا۔ رہا تمہارا یہ قول کہ:

"عدم وجوب کی دلیل شافعی سے پہلے سلف صالح کا عمل اور اجماع ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ:

"تمہارا استدلال یا تو نماز کے اندر لوگوں کے عمل پر ہے یا اہل اجماع کے قول پر۔ پس اگر عمل سے دلیل پکڑتے ہو تب تو وہ ہمارے دلائل میں سے ہے۔ کیونکہ لوگوں کا استمراری عمل ہر قرن ہر زمانہ میں پچھلے تشہد میں درود پڑھنے کا ہے۔ مقتدی ہو یا امام یا تنہا۔ فرض پڑھتا ہو یا نفل۔ یہاں تک کہ جب کسی نے نماز پڑھی اگر تم اس سے پوچھو گے کہ تو نے درود پڑھا تو وہ ہاں کہے گا۔ حتیٰ کہ اگر امام درود پڑھنے کے بغیر سلام پھیر دے اور مقتدی جان لیں تب ضرور اس فعل کا انکار کریں۔ یہ ایسا درست بیان ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ پس عمل تو بہت بڑی دلیل تمہارے برخلاف ہے۔ اب تم کو یہ کہنا کہاں تک زیبا ہے کہ شافعی سے پیشتر سلف صالح کا عمل نفیٔ وجوب کا تھا۔ کیا تم نے سب ہی سلف صالح کو ایسا دیکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہرگز نماز میں درود نہ پڑھتا تھا۔ یہ تو بالکل غلط ہے۔"

اب رہی دلیل اجماع۔ کہ درود فرض نہیں۔ اول تو اس کا نام عمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سب اہل اجماع اس مسئلہ کو ایسا نہیں جانتے کیونکہ یہ تو امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے یا غایت درجہ یہ کہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ لیکن صحابہ و تابعین اور ارباب مذاہب میں خلاف کرنے والے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ابن مسعود، ابن عمر، ابو مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبی، مقاتل بن حیان، جعفر بن محمد، اسحاق بن راہویہ اور (آخری قول میں) امام احمد درود کو واجب بتلاتے ہیں۔ جب ان لوگوں کا اختلاف ہے تو اجماع مسلمین کہاں رہا اور سلف صالح کا متفقہ عمل کیوں کر ہوا۔ کیونکہ یہ بزرگوار بھی اپنے اپنے طبقہ کے فاضلوں میں سے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تحقیق کرنا اس شخص کی شان ہے جو مذاہب علماء کا اتباع نہ کرے اور اجماع و نزاع کے موافق سے پورا آگاہ ہو۔"

رہا یہ قول کہ: "لوگوں نے اس مسئلہ میں شافعی کی مخالفت کی ہے۔"

سبحان اللہ کیا اس مسئلہ میں ان کی مخالفت ہو سکتی ہے؟ یہ تو ان کے مذہب کے

محاسن میں سے ہے۔ بتلاؤ تو سہی کہ اس مسئلہ میں کون سی کتاب یا سنت یا اجماع شافعی کے خلاف ہے۔ جب آخری تشہد میں درود کا پڑھنا۔ بلا اختلاف نماز کا تمام کرنے والا ہے (خواہ واجبات میں سے خواہ مستجباب میں سے) اور امام شافعی نے باقتضائے دلائل جس کی صحت ان کے نزدیک ثابت ہو گئی اور جو آگے چل کر لکھی جائیں گی۔ اس کو واجبات میں سے قرار دے دیا تو اس سے خلاف نص یا خرق اجماع کیوں کر لازم آ سکتا ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر ان پر مخالفت کیسی اور کیا مخالفت کرنے والا خود ہی اس مخالفت کا زیادہ مستحق نہیں؟

رہا یہ قول کہ:

"تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں درود نہیں اور اسی کو شافعی نے اختیار کیا ہے۔"

سو یہ تشہد تو اسی طرح ہے۔ شافعی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ مگر انہوں نے تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اختیار کیا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اور امام مالک نے تشہد عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار کیا ہے اور اس قول کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

① اس دلیل سے تشہد کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن کسی دوسرے کلام کی نفی وجوب اس میں کہاں ہے کیونکہ اس میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ اس قعدہ میں جتنا ذکر واجب ہے وہ سب یہی تشہد ہے۔ پس درود کا دوسری دلیل سے واجب ہونا احادیث تشہد کا (جن میں ذکر درود نہیں) معارض نہیں۔

② تم سلام کو واجب جانتے ہو حالانکہ احادیث تشہد میں یہ نہیں بتلایا گیا۔ اگر تم کہو گے کہ اس کا واجب ہونا حدیث ((تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ)) سے ثابت ہے۔ تو ہم نے بھی درود کو دیگر دلائل سے واجب ٹھہرایا ہے۔ پس اگر تشہد کی تعلیم درود کے واجب ہونے کی مانع ہے تو وجوب سلام کے لیے بھی مانع ہے اور اگر اس کے لیے نہیں تو درود شریف کے لیے بھی نہیں۔

(الف) محمد بن ابراہیم تیمی کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

«كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ جَلَسْنَا فِي صَلَاتِنَا»

"جب ہم اپنی نماز کے اندر بیٹھ جائیں تو آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔"

(ب) درود جس کی تعلیم کا صحابہ نے نبی ﷺ سے سوال کیا وہ سلام کی نظیر ہے جو نبی ﷺ نے صحابہ کو پہلے سکھلایا تھا۔ کیونکہ سوال صحابہ کے یہ الفاظ ہیں:

«هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ»

"یعنی آپ پر سلام بھیجنے کو تو ہم جان گئے۔ مگر درود کی کیفیت کیا ہے۔"

یہ ظاہر ہے کہ سوال میں جس سلام کا ذکر ہے۔ وہ نماز میں «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُه» کا پڑھنا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ درود بھی جس کا سوال میں سلام کے ساتھ ہی ذکر ہے، نماز میں ہی ہو۔ مفصل تقریر آگے لکھی جائے گی۔

④ اگر یہ ہو سکتا ہے کہ احادیث تشہد سے درود کا واجب ہونا ثابت ہے۔ تب بھی وجوب کے دلائل ان سے مقدم ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں جو کچھ تم نے بیان کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ احادیث تشہد کسی دوسرے کلام کے وجوب سے ساکت ہیں۔ لیکن ایسی دلیل اس دلیل کی معارض نہیں ہوتی جو وجوب کی ناطق ہو۔ چہ جائیکہ اسے مقدم بھی رکھا جائے۔ (اس لیے درود کے واجب ہونے کی دلیل بھی مقدم ہے) بے شک ناقل منفی پر مقدم ہوتا ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ دلائل تشہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ وجوب غیر سے ساکت ہیں۔ مگر ایسی دلیل کیونکر اس دلیل سے مختلف ہو سکتی ہے جو وجوب کی ناطق ہو۔

⑤ تشہد کی تعلیم پہلے دی گئی ہے۔ شاید اس وقت ہی جب نماز فرض ہوئی تھی۔ لیکن درود کی تعلیم آیت اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کے نزول کے بعد ہے۔ (اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح اور واقعہ تخییر ازواج کے بعد نازل ہوئی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ اگر دلائل تشہد سے کسی اور کلام کا واجب نہ ہونا بھی نکلتا تھا تب بھی وہ منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ وجوب درود کے دلائل اس سے متاخر اور ناسخ ہیں۔ تشہد سے درود کے متاخر ہونے کی دلیل اس سوال میں ہے کہ:

"ہم لوگ آپ پر سلام تو جان گئے مگر درود کی کیا کیفیت ہے۔"

کیونکہ سلام جس کا ذکر الفاظ بالا میں ہے وہ تشہد میں ہی ملا ہوا ہے اور تشہد کے سوا نماز میں تنہا مشروع نہیں۔ واللہ اعلم۔

رہا پہلے گروہ کا قول کہ نماز میں درود کے فرض نہ ہونے کی دلیل روایت ابن مسعود ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ:

"جب تو یہ (تشہد) کہہ چکا تو نماز پوری ہو گئی۔ کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا۔ بیٹھا رہنا چاہیئے تو بیٹھا رہ۔"

اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر ہے:

① حدیث میں یہ آخری فقرے زیادہ ہیں اور نبی ﷺ کے یہ الفاظ نہیں۔ چنانچہ ائمہ حفاظ نے اسے ظاہر کر دیا۔ دار قطنی نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ:

"اس حدیث کا راوی (اپنی سند کے ساتھ) حسن بن حر ہے اور حسن سے محمد بن عجلان، حسین جعفی، زہیر بن معاویہ اور عبدالرحمان بن ثابت بن ثوبان روایت کرتے ہیں۔ ابن عجلان اور حسین جعفی تو متفق اللفظ ہیں۔ زہیر نے یہ آخری فقرے بڑھا دیئے ہیں اور زہیر کے بعض راویوں نے ان کو حدیث نبوی میں ملا دیا ہے حالانکہ شبابہ بن سوار جو زہیر سے ہی روایت کرتا ہے، اس نے ان فقرات کو کلام ابن مسعود بتلایا ہے۔ چنانچہ ابن ثوبان نے بھی حدیث نبوی اور کلام ابن مسعود میں فرق دکھلا دیا ہے اور یہی صواب ہے۔

کتاب السنن میں ہے کہ زہیر سے روایت کرنے میں کسی نے اس اضافے کو درج کر دیا۔ حالانکہ شبابہ راوی زہیر نے اسے جدا رکھا اور کلام ابن مسعود بتلایا ہے۔ یہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ ابن ثوبان نے بھی شبابہ کی طرح روایت کی ہے اور حسین بن جعفی اور ابن عجلان نے تو بالکل اسے ذکر نہیں کیا جیسا کہ تشہد ابن مسعود کو روایت کرنے والے اور راویوں نے بھی اسے روایت نہیں کیا۔ شبابہ نے اس اضافے کو بیان بھی کیا۔ تو فاصلہ دے کر دار قطنی اس روایت کو اس روایت سے جس نے اس فقرہ کو کلام نبوی کہا صحیح تر کہتے ہیں۔ غسان بن ربیع وغیرہ نے بھی شبابہ کی پیروی کی ہے۔ ابوبکر خطیب نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے۔ اس بیان پر اگر کوئی یہ

اعتراض کرے کہ ابھی تو تم نے ابن مسعود سے یہ روایت کی تھی کہ نماز میں درود پڑھنا واجب ہے اور ابھی تم نے ہمارے موافق ہو کر مان لیا کہ بقول ابن مسعود تشہد پر نماز ختم ہو جاتی ہے۔ پس حدیث بالا کا آخری فقرہ دو حال سے خالی نہیں۔

① یا تو یہ نبی ﷺ کے الفاظ ہیں۔ تب تو درود کے واجب نہ ہونے پر نص ہیں۔

② یا ابن مسعود کا قول ہے تب اس روایت کو بالکل باطل کرتے ہیں جو درود کے واجب ہونے کی ان سے بیان کی جاتی ہے۔

یہ اعتراض بے شک قوی ہے کہ اور اس کے چند جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱) قاضی ابوالطیب کا قول ہے کہ:

"نماز پوری کر لی۔"

کے معنی یہ ہیں کہ اختتام کے قریب پہنچ گیا۔ اس معنی کی دلیل جمہور کا اتفاق ہے کہ اس وقت تک نماز ختم نہیں ہوئی۔ مگر یہ جواب ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سے آگے یہ الفاظ ہیں کہ: "اگر تو کھڑا ہو جانا چاہے تو کھڑا ہو جا اور بیٹھا رہنا چاہے تو بیٹھا رہ۔" اور جو لوگ درود کو نماز میں واجب بتلاتے ہیں۔ وہ نمازی کی مرضی پر نہیں چھوڑتے۔

(۲) ایک جواب یہ ہے کہ حدیث کی روایت تشہد کے بارے میں بالمعنی ہوئی ہے۔ ابتداء میں لوگ کہا کرتے تھے۔ اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ ۔ پھر ان کو بتلایا گیا کہ اللہ تو خود سلام ہے۔ لیکن تم اس طرح کہا کرو۔ پھر ان کو تشہد سکھلایا گیا۔ پس اس قول کہ: "جب تو نے یہ پڑھ لیا تو نماز پوری ہو گئی۔"

کے معنی یہ ہیں کہ نماز میں جو کچھ رکوع و سجود' قراءت و تسلیم اور دیگر احکام ضروری ہیں ان کے ملا لینے سے نماز پوری ہو گئی۔ دلیل یہ ہے کہ اس میں سلام پھیرنے کا ذکر نہیں۔ حالانکہ وہ فرض ہے۔ وجہ یہ کہ لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ اس قول کی نظیر نبی ﷺ کا ارشاد صدقہ کے بارے میں ہے کہ:

"وہ اغنیاء سے لیا جاتا اور فقراء پر لوٹا دیا جاتا ہے۔"

فقراء سے مراد آٹھ قسمیں ہیں۔ جن کا نام قرآن مجید میں ہے۔ وہ حدیث بھی اس کی نظیر ہے جس میں بری طرح نماز پڑھنے والے کا ذکر ہے اور جس کو تیسری دفعہ

نبی ﷺ نے سمجھایا تھا۔ مگر اس میں تشہد اور سلام کا ذکر نہیں۔ حالانکہ ان کے واجب ہونے پر اور احادیث موجود ہیں۔ پس اسی طرح درود کا واجب ہونا بھی دیگر احادیث سے سوا اس حدیث کے لیا گیا ہے۔ دیکھو جس طرح پر یہ جائز ہے کہ حدیث ابن مسعود سے تشہد کو واجب ٹھہرانا جائز ہے اور جو شخص صرف مقدار تشہد بیٹھ جانے کو یا آخر رکعت کا پچھلا سجدہ کر لینے کو نماز کا پورا سجدہ کر لینا سمجھتا ہے اس کا رد حدیث سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص درود کے واجب ہونے کا قائل ہے۔ اسے جائز ہے کہ دیگر احادیث سے حجت پکڑے اور جو قائل نہیں اس پر دلیل قائم کرے۔ بلکہ یہ استدلال دوسرے گروہ کے استدلال سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ یہ استدلال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور عمل امت (زمانہ در زمانہ) پر ہے۔ اگر یہ دلیل وجوب تشہد کے استدلال سے زیادہ قوی نہیں تو کچھ اس سے کم بھی نہیں۔ کیونکہ اگر ایسے فقہاء موجود ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ اس مسئلہ میں تنازعہ کیا ہے تو ایسے بھی موجود ہیں جنہوں نے وجوب تشہد میں تمہارے ساتھ بھی نزاع کیا ہے۔ اب دلیل کی قوت دیکھ لینی چاہیئے۔

(۳) ایک جواب یہ ہے کہ اس قول سے جو نہ مرفوع ہے نہ موقوف ہم پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ الفاظ کہ:

"جب تو نے یہ کہا تو تیری نماز پوری ہو گئی۔"

یا تو صرف تشہد کے متعلق ہیں۔ یا جملہ واجبات کے۔ اول تو محال اور باطل ہے اور دوسری صورت حق۔ لیکن یہ صورت واجبات نماز میں سے کسی واجب کی جس میں فقہاء کا اختلاف ہے نفی نہیں کرتی۔ وجوب درود کی خصوصیت سے نفی تو کیا کرنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سلام نماز کے اتمام اور واجبات میں سے ہے' علیٰ ہذا تشہد میں بیٹھنا مگر اس کا بیان نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا جس پر سہو واجب ہو اس کی نماز بھی صرف تشہد سے ہی پوری نہیں ہوتی۔

(۴) ایک جواب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تشہد فرض نہیں بلکہ مقدار تشہد بیٹھ رہنا ہی نماز کو پورا کر دیتا ہے اور یہ حدیث دال ہے کہ نماز تشہد کے

بغیر پوری نہیں ہوتی۔ پس اگر تم اس سے یہ دلیل پکڑتے ہو کہ جب تشہد پر پورا ہونا نماز کا معلق کر دیا تو اس کے بعد درود کا واجب قرار دینا صحیح نہیں۔ تو یہ دلیل عدم وجوب تشہد کے قول میں تم پر ہی قائم ہو جاوے گی۔ کیونکہ وہاں بھی نماز کے پورا ہونے کو صرف نشست سے متعلق کر دیا ہے اور اس سے وجوب تشہد کا قول باطل ہو جائے گا۔ لیکن اگر حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ استدلال صحیح نہیں۔ تب وجوب درود کے دلائل میں معارضہ کا ہونا باطل ہو گیا اور عدم وجوب درود کے متعلق بھی تمہارا قول غلط ٹھہرا۔ اگر تم یہ جواب دو گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مستحب تمام ہو جاتے ہیں۔ تو یہ قائل وجوب اور عدم وجوب دونوں کے نزدیک فاسد ہے۔ کیونکہ جو کوئی وجوب درود کا قائل نہیں، اتنا تو وہ بھی مانتا ہے کہ نماز کو درود کے ساتھ پورا کرنا مستحب ہے اور جو وجوب کا قائل ہے وہ تو صاف کہتا ہے کہ واجبات درود کے ساتھ ہی پورے ہوتے ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں اس حدیث سے استدلال تمہارے لیے اصلاً ممکن نہیں۔

باقی رہا ابوداؤد ترمذی کا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کو روایت کرنا جس میں یہ ہے کہ جب سجدۂ آخری سے سر اٹھایا تو نماز پوری ہو گئی۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر

1. حدیث معلول ہے اور اس کی تعلیل چند وجوہ سے ہے۔
2. امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ دیا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔ بلکہ اسناد میں اضطراب ہے۔
3. اس میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی کی روایت ہے جسے ایک سے زیادہ ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔
4. اس حدیث کو بکر بن سواد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ وہ حضرت عبداللہ سے نہیں ملا۔ پس یہ منقطع ہے۔
5. مضطرب الاسناد ہے:
6. مضطرب المتن ہے کبھی تو یوں روایت کیا ہے:

«إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ فَقَدْ مَضَتْ صَلٰوتُهُ»

یہ ابوداؤد کے لفظ ہیں اور کبھی یوں کہا:

«إِذَا اَحْدَثَ الرَّجُلُ وَقَدْ جَلَسَ فِي اٰخِرِ صَلٰوتِهِ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلٰوتُهُ»

یہ ترمذی کے لفظ ہیں اور کبھی یوں کہا کہ:

«إِذَا قَضَى الاِمَامُ الصَّلٰوةَ فَقَعَدَ فَاَحْدَثَ هُوَ أَوْ وَاحِدٌ مِّمَّنْ اَتَيْتُمْ لِلصَّلٰوةِ مَعَهُ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ الاِمَامُ فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهُ»

یہ طحاوی کے لفظ ہیں اور اس کے معنی ہی اور ہیں۔ طحاوی کا قول ہے کہ یہ اور لفظوں کے ساتھ بھی روایت ہوئی ہے جو یہ ہیں:

«إِذَا رَفَعَ الْمُصَلِّي رَأْسَهُ مِنْ اٰخِرِ صَلٰوتِهِ وَقَضَى تَشَهُّدَهُ ثُمَّ اَحْدَثَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهُ»

اور ان سب کا مدار افریقی پر ہے۔ جس سے شک ہوتا ہے کہ یہ اس کے حافظہ کی خرابی ہے۔ واللہ اعلم۔

رہا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی مقدار تشہد بیٹھ جائے تو نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علی بن سعید نے اپنے مسائل میں کہا ہے کہ میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر کوئی تشہد چھوڑ دے۔ فرمایا نماز پھر لوٹا دے۔ میں نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے فرمایا یہ صحیح نہیں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال کے خلاف مروی ہوا ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ اعمش نے ابووائل سے اس نے عبداللہ سے قصہ تشہد بیان کیا ہے۔ کہا پھر جو جو دعا رچاہے پڑھے۔ اس میں درود کا ذکر نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غایت درجہ یہ روایت وجوب درود سے ساکت ہے۔ لیکن احادیث وجوب کے معارض کسی طرح نہیں۔

رہا تمہارا یہ قول کہ حدیث فضالہ بن عبید نفی وجوب پر دلالت کرتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو ہمارے لیے حجت ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں نبی اکرم

ﷺ نے تشہد میں درود کا حکم دیا ہے۔ آپ کا حکم وجوب کے لیے ہے اور ایسا بھی ہے جیسے تشہد کے لیے۔ پس حکم دونوں پر شامل ہے اور دونوں میں تفریق کرنا محض تحکم ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہمارے نزدیک تشہد ہی واجب نہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے لیے دونوں مسئلوں میں حجت ہے اور اتباع دلیل واجب ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ نے اس نمازی کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا اور اگر درود فرض ہوتا تو اعادہ کا حکم دیتے۔ جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو حکم دیا تھا۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے:

① وہ شخص وجوب کا عالم نہ تھا بلکہ معتقد تھا کہ واجب نہیں۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اعادہ کا حکم تو نہ دیا مگر آئندہ کے لیے فرما دیا۔ آئندہ کے لیے نبی ﷺ کا ارشاد وجوب کی دلیل ہے اور اعادہ کے لیے حکم نہ دینا ظاہر کرتا ہے کہ جو وجوب کا علم نہ رکھتا ہو اسے معذور سمجھا جائے۔ چنانچہ دیکھو کہ اس بری طرح نماز پڑھنے والے کو بھی نبی ﷺ نے گذشتہ نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ عذر جہالت کی وجہ سے صرف یہی بتلا دیا کہ ایسی نماز (جس میں تعدیل ارکان موجود ہو) کے سوا اور نماز ٹھیک نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ جہالت اس کے لیے عذر تھا تو اسی نماز کے لیے اعادہ کا کیوں حکم فرمایا۔ تو وجہ یہ ہے کہ وقت نماز باقی تھا اور وہ ارکان نماز جان چکا تھا۔ اس لیے اس نماز کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری تھا۔

اب اگر کوئی کہے کہ تارک درود کو اعادہ کا کیوں حکم نہ فرمایا جیسا کہ بری طرح نماز پڑھنے والے کو فرمایا تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کا حکم تو اس میں محکم و ظاہر ہے اور احتمال ہے کہ اس شخص نے یہ سن کر خود ہی بلا حکم کے نماز لوٹالی ہو اور احتمال ہے کہ نماز نفل ہو اور اعادہ اس پر واجب نہ ہو۔ اس کے سوا اور احتمال بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر امر ظاہر و دلیل محکم کو اس مختلف مفہوم اور کئی احتمالات رکھنے والی صورت کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

غرض اس حدیث فضالہ میں مشترک دلائل ہیں۔ اور فریقین کے لیے برابر ہے۔ عدم وجوب والوں پر کچھ زیادہ حجت نہیں۔ اور رہی ترجیح دلالت میں وہ ہماری طرف

ہے۔ پس ان دونوں صورتوں میں یہ احتجاج ساقط ہے۔

رہا تمہارا یہ قول کہ بری طرح پر نماز پڑھنے والے کو نبی ﷺ نے درود نہیں بتلایا۔ اگر فرض ہوتا تو ضرور فرما دیتے۔ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے۔

① یہ حدیث جسے متاخرین نے ہر ایک واجب کی نفی کرنے کے لیے مستند بنایا ہے۔ فوق قوت اس کا حمل کیا ہے اور جس کسی سے وجوب میں اختلاف تھا اس کی نفی وجوب میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ کسی نے اس کی حجت پر وجوب فاتحہ کی نفی کی۔ کسی نے وجوب سلام کی۔ کسی نے وجوب درود کی۔ کسی نے رکوع و سجود کے اذکار کے وجوب کی۔ کسی نے ہر دو رکن میں اعتدال کی اور کسی نے تکبیرات انتقالات کے وجوب کی اور ان سب استدلال میں تساہل ہے۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ ان میں سے کسی شے کے وجوب کی نفی تحقیق کے وقت ثابت نہیں۔ غایت درجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس میں وجوب اور نفی سے سکوت ہے۔ مگر جن دلائل سے ان کا وجوب ثابت ہے' یہ سکوت ان کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک حکم دے کر دوسرے سے نبی ﷺ کا سکوت بھی دلالت کرتا ہے کہ وہ واجب نہیں۔ کیونکہ یہ سکوت مقام بیان میں ہے اور ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت تاخیر بیان ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وجہ پر استدلال کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ نہ تشہد واجب ہے' نہ اس کے لیے بیٹھنا' نہ سلام' نہ نیت' نہ قراءت فاتحہ اور نہ سب چیزیں جن کا حدیث میں ذکر نہیں۔ بلکہ نہ استقبال قبلہ واجب ہے اور نہ وقت پر نماز کیونکہ اس حدیث میں ان کا حکم نہیں پایا جاتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اگر یوں کہو گے کہ اچھا جہاں جہاں اس نے خرابی کی تھی وہاں تو بتلایا اور درود کے لیے نہ فرمایا تو جواب یہ ہے کہ تم اپنے سوال کو ہی جواب سمجھو اور حدیث مسی کے ساتھ جس جس چیز کے وجوب کی نفی کرتے ہو۔ ان کے لیے بھی یہی کافی جواب سمجھ لو۔

۲ اجزاء نماز میں سے جس کے لیے حکم موجود ہے۔ اس کے وجوب کی دلیل تو ظاہر ہے اور جس امر کو بیان کیا گیا ہے' اس میں چند امور کا احتمال ہے:۔

(الف) وہ شخص ان میں خرابی نہ کرتا تھا اور بری طرح سے ان کو ادا نہ کرتا تھا۔
(ب) باقی امور بعد میں فرض ہوئے۔
(ج) معظم اور اہم ارکان تو بتلا دیئے اور باقی تعلیم کو اپنے نماز کے مشاہدہ پر سائل کے لیے یا بعض صحابہ کی تعلیم کے حوالہ کر دیا۔ کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی صحابی کو اکثر حکم دیا کرتے تھے کہ ناواقف کو سکھلا دے۔ اور جاہل کو سکھلانا اور بھٹکے ہوئے کو راہ پر ڈالنا تو ان کی ایک معمولی عادت ہو گئی تھی۔ اور اس بارے میں کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ کچھ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہو اور کچھ صحابہ نے اور جب یہ احتمالات موجود ہیں تو پھر یہ مشتبہ و محتمل (مختلف مفہوم اور کئی احتمالات رکھنے والی صورتیں) نہ ہو تو وجوب درود کے دلائل کی مخالفت کا باعث بن سکتا ہے اور نہ دیگر واجبات نماز کی دلیلوں کا۔ چہ جائیکہ ان دلائل پر اسے تقدم بھی دیا جائے۔ اس لیے لازم ہے کہ صریح و محکم کو مشتبہ و مجمل پر مقدم رکھا جائے۔ واللہ اعلم۔

رہا یہ قول کہ فرائض دلیل صحیح سے جس کی مخالف ویسی ہی کوئی دلیل نہ ہو، یا اجماع سے ثابت ہوا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کو ہمارے دلائل وجوب بھی سن لینے چاہئیں۔

**دلیل اوّل** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ صَلُّواْ عَلَيۡهِ وَسَلِّمُواْ تَسۡلِيمًا ﴿٥٦﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٦)

وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا امر فرمایا اور امر مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ تا وقتیکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درود مامور بہا کی کیفیت کا سوال کیا تو فرمایا، کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ

عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ سلام جو آپ نے صحابہ کو سکھلایا تھا' وہ نماز میں ہے۔ یعنی سلام تشہد۔ پس ہر دو امر' ہر دو تعلیم اور ہر دو محل کا مخرج ایک ہے۔ جو واضح کرتا ہے کہ تشہد کی تعلیم بطور امر ہے اور سلام کا ذکر اسی میں ہے۔ پھر صحابہ نے درود کا سوال کیا تو وہ بھی سکھلایا اور اسے تسلیم کے ساتھ مشابہ کیا۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ جس صلوٰۃ و تسلیم کا ذکر حدیث میں ہے یہ دونوں وہی ہیں جو نماز میں ہیں بے شک یہ واضح کرتا ہے کہ اگر یہ صلوٰۃ و تسلیم نماز سے خارج ہوتے اور نماز کے اندر مراد نہ ہوتی۔ تب ضرور ہر ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے وقت «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ» کہا کرتا۔ حالانکہ یہ بخوبی معلوم ہے کہ سلام کرنے میں صحابہ کو اس کیفیت کی پابندی نہ تھی۔ بلکہ جو آتا «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» کہا کرتا۔ یا کبھی اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ یا کبھی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عرض کیا کرتا اور سلام تحیت تو اول اسلام سے ہی آپ کو عرض کیا جاتا تھا۔ پس جو کچھ (بعد میں) سکھلایا گیا' وہ اس مقدار (تحیت) سے زائد ہے۔ جو بالتحقیق نماز کے اندر سلام کرنا ہے۔ اس مطلب کی توضیح حدیث ابو اسحاق سے ہوتی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ''ہم کس طرح درود پڑھیں۔ جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں۔''

اس لفظ کی حفاظ کی ایک جماعت نے تصحیح کی ہے۔ ابن خزیمہ' ابن حبان' حاکم' دار قطنی اور بیہقی ان میں سے ہیں۔ یہ حدیث پہلے باب میں مع اس کی علت اور اس کے جواب کے بیان ہو چکی ہے۔ غرض جب ثابت ہو چکا کہ جس درود کی کیفیت کا سوال کیا گیا ہے وہ نماز کے اندر کا درود ہے۔ تو گویا قرآن مجید میں جس کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اسی کا بیان ہے۔ تو اس سے درود کا وجوب ثابت ہو گیا۔ اسی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے امر کو شامل کر لینا چاہیئے۔ شاید یہی وجہ ہے جس کی طرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ میں اس سے روکتا تھا' مگر وہ تو واجب ہے۔

## اس استدلال پر چند سوال

اوّل: نبی اکرم ﷺ کے ارشاد:

«وَالسَّلَامُ كَمَا عَلِمْتُمْ»

"اور السلام ویسا ہی ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔"

میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ یا تو نماز میں نبی ﷺ پر سلام کرنا ہے یا نماز سے فارغ ہونے کا سلام کرنا۔ یہ قول ابن عبدالبر کا ہے۔

دوم: جو کچھ بیان ہوا ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ سلام کے ساتھ درود بھی شامل ہے اور چونکہ سلام تشہد میں واجب ہے۔ اسی طرح درود بھی واجب ہے لیکن ظاہر ہے کہ منسلک ہونے کی یہ دلیل ضعیف ہوتی ہے۔

سوم: ہم نہ سلام کے وجوب کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ درود کو اور یہ استدلال جب پورا ہوتا ہے، جب نبی اکرم ﷺ پر سلام کا وجوب مان لیا جائے۔

## ان سوالات کے جوابات

**سوال اوّل** یہ سوال تو بہت ہی فاسد ہے۔ کیونکہ الفاظ حدیث اس کو باطل کرتے ہیں۔ حدیث ابو سعید رضی اللہ عنہ میں بخاری کے لفظ یہ ہیں:

«هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ»

"اے اللہ کے رسول یہ سلام ہے جو آپ پر کیا جاتا ہے اسے تو جان گئے مگر آپ پر درود کی کیا کیفیت ہے؟"

پھر یہ سمجھو کہ صحابہ نے صلوٰۃ و سلام کا جو سوال کیا تھا، وہ اس صلوٰۃ و سلام کی بابت تھا، جس کا حکم ہوا تھا نہ کہ نماز سے فارغ ہونے کا سلام۔

**سوال دوم** یہ سوال اس شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ جو تقریر وجہ دلالت کو

نہیں سمجھا۔ کیونکہ ہماری حجت دلالت اقتران کی صورت پر نہیں۔ ہمارا استدلال تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کا حکم ہوا اور جب صحابہ نے اس کے سیکھنے کی درخواست کی تب نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا کہ یہ درود جس کا حکم ہوا ہے نماز میں ہے۔

**سوال سوم** یہ سوال نہایت ہی فاسد ہے۔ کیونکہ کسی مخالف کا یہ حق نہیں کہ اگر کتاب و سنت کے دلائل کو اپنے خلاف پائے تو اس سے منہ پھیر لے۔ سو اب تمہارا اختلاف ایسے مسئلہ میں جس میں تمہاری جانب سے نزاع کرنے والے کے قول پر دلیل قائم ہو چکی ہے کیونکر چل سکتا ہے اور وہ خلاف بھی ایسا جو ایک ایسی صحیح دلیل کو جس کا دوسرے مسئلہ میں بھی کوئی معارض نہیں باطل ٹھہراتا ہو۔ یہ طریق اہل علم کے طریقہ کے خلاف نہیں۔ صحیح طریق تو یہ ہے کہ جو دلائل اپنے سے مخالف اقوال کو باطل ٹھہراتے ہیں اور جن کے سامنے ان کے خلاف کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ بہرحال ان مخالف اقوال پر متقدم ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ اقوال علماء کے ساتھ دلائل کی مخالفت کی جائے کیا جائے اور مقتضائے دلائل کو باطل ٹھہرایا جائے اور اقوال کو ان دلائل پر تقدم دیا جائے۔ اس صورت میں حدیث دونوں مسئلوں میں حجت قائم کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں وجوب تسلیم اور وجوب درود کی دلیل موجود ہے۔ اس لیے اس پر رجوع کرنا ضروری ہے۔

**دلیل دوم** نبی اکرم ﷺ درود شریف کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور ہم کو حکم ہے کہ ہم نماز رسول اللہ ﷺ جیسی پڑھیں اور یہ حکم نماز کے ہر فعل کو واجب قرار دیتا ہے۔ بجز اس کے جسے دلیل نے خاص کر دیا ہو۔ یہ دو مقدمہ ہوئے۔ نماز میں رسول اللہ ﷺ درود پڑھا کرتے تھے۔ اس کی حدیث مسند شافعی میں ہے۔ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَآلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ»

اس سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے۔ جسے ایک جماعت (شافعی' ابن أصبہانی' ابن عدی اور ابن عقدہ اس میں سے ہیں) نے ثقہ کہا ہے اور باقی نے ضعیف۔

رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھنے کی حدیث صحیح بخاری میں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اپنے گھروں کو جاؤ' وہاں کے لوگوں کو سکھلاؤ اور بتلاؤ اور ایسی نماز پڑھو جیسی مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ جب وقت نماز ہو ایک اذان دے اور جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔"

اس استدلال پر جو سوال و اعتراض ہیں۔ وہ دوسری جگہ مذکور ہیں۔

**دلیل سوم** فضالہ بن عبید کی حدیث ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ وَلِغَيْرِهِ إِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيْدِ اللهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ وَالصَّلٰوةِ ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لْيَدْعُ بِمَا شَاءَ»

اس کو امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ' ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس پر چند وجوہات کی بنا پر اعتراضات ہیں۔

اعتراض 1 نبی اکرم ﷺ نے اس نمازی کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ اس کا جواب لکھا گیا:

اعتراض 2 یہ تو نماز ختم ہونے کے بعد کی دعاء ہے۔ نہ نماز کے اندر کیونکہ ترمذی نے رشدین کی روایت سے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھی۔ پھر کہا ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ)) رسول خدا ﷺ نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے جب تو نے نماز پڑھی اور تو بیٹھا۔ پس اللہ کی حمد اس کے لیے

مخصوص کر۔ مجھ پر درود پڑھ۔ پھر دعا مانگ اس کا جواب چند وجوہات کی بنا پر یہ ہے:

(الف) رشدین کو ابو زرعہ وغیرہ نے ضعیف بتلایا ہے۔ جب وہ روایت میں تنہا ہو تو حجت نہیں۔ خصوصاً جب کہ ثقہ و ثابت راویوں کے خلاف کرے۔ کیونکہ سب نے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو اپنی نماز میں دعا مانگتا تھا۔

(ب) رشدین نے یہ نہیں کہا کہ اس نمازی نے نماز پورا ہو جانے پر دعا مانگی تھی اور کوئی لفظ بھی اس پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ ((فَصَلّٰی)) اور ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ)) جو الفاظ موجود ہیں۔ یہ فراغت پر دلالت نہیں کرتے اور حدیث ہمارے مدعا کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں ((اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيْدِ اللّٰهِ)) موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کی حالت کو ان الفاظ سے نہیں بیان کرتے۔ خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی عام دعائیں نماز کے اندر ہوتی تھیں' نہ بعد۔ جیسا کہ ابوہریرہ' علی' ابوموسیٰ' عائشہ' ابن عباس' حذیفہ اور عمار وغیرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے ثابت ہے اور ان میں سے کسی نے یہ روایت صحیح حدیث میں نہیں کی کہ نبی ﷺ نماز سے باہر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جب سوال کیا کہ مجھے نماز کے اندر دعا پڑھنے کے لیے سکھلائیں۔ تو یہ نہیں فرمایا کہ نماز سے باہر اسے پڑھا کرو اور نہ اس دعا مانگنے والے کو ہی فرمایا کہ سلام نماز کے بعد پڑھا کر۔ بے شک جب نمازی پروردگار سے مناجات کر رہا ہے اور اسی کی جانب متوجہ ہے۔ تو اس وقت اس کا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا زیادہ موزوں ہے۔ بجائے اس کے کہ نماز سے نکل کر اور مناجات سے فارغ ہو کر وہ دعا مانگے۔

3 ((فَاحْمِدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ)) سے مراد نبوی تشہد ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے ((اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتُ)) مطلب یہ کہ جب نماز پڑھ کر تشہد میں بیٹھے اس وقت کے لیے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی ﷺ پر درود ہونا چاہیئے۔

**اعتراض سوم** | یہ حکم اللہ کی حمد کے بعد درود و دعا ہونی چاہیئے' غیر معین ہے۔ پھر تشہد کے بعد تم کیوں کر کہتے ہو؟

**جواب** یہ ہے کہ نماز میں اور کوئی موضع مشروع نہیں۔ جس میں ثناء' درود و دعار ہو۔ بجز آخری تشہد کے کیونکر بالاتفاق ثابت ہے کہ یہ قیام و رکوع و سجود میں مشروع نہیں۔ اس لیے معلوم ہو گیا کہ نماز کے آخر میں تشہد کی نشست میں ہی مراد ہے۔

**اعتراض چہارم** اس میں دعار کا درود کے بعد حکم ہے اور دعار واجب نہیں تو ایسا ہی درود بھی ہونا چاہیئے۔

**جواب** یہ محال نہیں ہے کہ دو چیزوں کا حکم ہو اور ان میں سے ایک کے عدم وجوب پر دلیل قائم ہو جائے۔ تو دوسرا وجوب اصلیت پر باقی رہے۔

② دعار سے پہلے جو حمد و ثناء کا ذکر ہے یعنی تشہد وہ تو واجب ہے جس کا حکم نبی اکرم ﷺ نے دیا اور صحابہ نے ظاہر کر دیا کہ وہ (تشہد) فرض ہے۔ پس جس طرح پر کہ تشہد کے حکم کا دعار کے ساتھ مذکور ہونا تشہد کے وجوب کو ساقط نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی درود کو بھی۔

③ یہ قول کہ دعار واجب نہیں یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ دعار کی ایک قسم واجب بھی ہے۔ مثلاً دعار' توبہ اور دعار استغفار ذنوب اور دعار ہدایت و عفو اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ غضب ترک واجب پر ہوتا ہے یا فعل حرام پر۔

**اعتراض پنجم** اگر درود فرض ہوتا تو اس شخص کے نماز پڑھنے کے وقت جس نے درود نہ پڑھا تھا۔ اظہار وجوب میں تاخیر نہ ہوتی بلکہ اس کے وجوب کا علم اس حدیث سے کہیں پہلے حاصل ہوتا۔

**جواب** یہ ہم نے کہا ہی نہیں کہ درود اسی حدیث سے امت پر فرض ہوا ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس نمازی نے درود چھوڑ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ پہلے سے شرع میں مستقر و معلوم تھا اور اس کی مثال بری طرح پر نماز پڑھنے والے کی سی ہے۔ کیونکہ رکوع و سجود کا وجوب اور ان میں طمانیت امت کو کچھ اسی حدیث سے ہی معلوم نہیں ہوئی۔ پس نبی اکرم ﷺ کے بیان کی تاخیر اس

اعرابی کے لیے یہی معنی رکھتی ہے کہ آپ نے اسے وہی حکم دیا جو اس سے پہلے امت کے لیے مشروع فرما چکے تھے۔

**اعتراض ششم** ابوداؤد و ترمذی نے اس حدیث فضالہ میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

«فَقَالَ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ»

"یعنی اسے فرمایا یا کسی اور کو۔"

دیکھو اگر یہ حکم ہر ایک مکلف پر واجب ہوتا تو اس جگہ صرف اَوْ نہ ہوتا۔ مگر یہ اعتراض فاسد ہے۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) روایت صحیح وہ ہے جسے ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے:

«فَقَالَ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ»

"اسے اور دوسروں کو فرمایا۔"

امام احمد، دار قطنی اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(۲) اس جگہ حرف اَوْ تخییر کے لیے نہیں۔ بلکہ تقسیم کے لیے ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو کوئی نمازی نماز پڑھے اسے بھی پڑھنا چاہیئے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ ءَاثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴾ (الدھر۷۶/ ۲۴)

یہ مطلب نہیں کہ آثم (گنہ گار) کو چھوڑ کر کفور (ناشکرے) کا کہنا مان لیں۔ یا اس کے برعکس۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ خواہ آثم ہو یا کفور۔ دونوں میں سے کوئی ہو۔ اس کا کہنا نہ ماننا چاہیئے۔

(۳) حدیث صحیح عمومیت کے لیے ہے جب کہ یہ الفاظ موجود ہیں:

«إِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيْدِ اللهِ»

(۴) نسائی اور ابن خزیمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«ثُمَّ عَلَّمَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ»

"پھر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے سکھلایا۔"

ظاہر ہے کہ یہ عام ہے۔

**دلیل چہارم** اس دلیل میں تین احادیث بیان ہوں گی۔ ہر ایک حدیث ایسی ہے کہ اگر منفرد ہو تو اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ ہاں اجتماع کے وقت ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔

(۱) دار قطنی نے عمرو بن شمر کی روایت سے جابر جعفی سے اس نے ابن بریدہ سے، اس نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا بُرَيْدَةُ إِذَا صَلَّيْتَ فِي صَلاَتِكَ فَلاَ تَتْرُكَنَّ التَّشَهُّدَ وَالصَّلٰوةَ عَلَيَّ فَاِنَّهَا زَكٰوةُ الصَّلٰوةِ وَسَلِّمْ عَلَى جَمِيْعِ اَنْبِيَاءِ اللهِ وَرُسُلِهِ وَسَلِّمْ عَلَي عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ»

"اے بریدہ! جب تو نماز پڑھے تو تشہد اور درود کو مت چھوڑنا۔ کیونکہ یہ بھی نماز کو پاک کرنے والے ہیں۔ اور سلام بھیج تمام اللہ کے انبیاء و رسول پر نیز اللہ کے تمام صالح بندوں پر۔"

(۲) دار قطنی نے عمرو بن شمر کے طریق سے اور اس نے جابر سے روایت کی کہ شعبی نے کہا کہ میں نے مسروق بن اجدع کو کہتے سنا۔ کہتا تھا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لاَ يَقْبَلُ اللهُ صَلٰوةً إِلاَّ بِطُهُوْرٍ وَّبِالصَّلٰوةِ عَلَيَّ»

"اللہ تعالیٰ کسی نماز کو بغیر وضو اور درود کے قبول نہیں فرماتا۔"

عمرو بن شمر اور جابر دونوں ہی ایسے ہیں کہ ان کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی اور جابر عمرو سے اصلح ہے۔

(۳) دار قطنی نے عبدالمہیمن بن عباس بن سہل بن سعد سے اسی نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلٰى نَبِيِّهِ»

"جو اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

طبرانی نے اسی کو ابی بن عباس (عبدالمہیمن کے بھائی) سے روایت کیا ہے کہ عبدالمہیمن قابل حجت نہیں اور ابی بن عباس اس کا بھائی گو ثقہ ہے اور بخاری نے

اس کی حجت پکڑی ہے۔ لیکن یہ حدیث عبدالمہیمن کی روایت سے ہی مشہور و معروف ہے اور طبرانی نے دونوں طریق سے روایت کیا ہے۔ مگر ثابت نہیں۔

**دلیل پنجم** ابن مسعود و ابن عمر ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہم سے وجوب درود ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور کسی ایک صحابی کا قول بھی محفوظ نہیں کہ درود واجب نہیں اور صحابی کا قول جب اس کا کوئی مخالف نہ ہو حجت ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل مدینہ (مالکیہ) اور اہل عراق (حنفیہ) کے اصول پر۔

**دلیل ششم** عہد نبوی سے لے کر آج تک لوگوں کا عمل ہے۔ بے شک اگر درود واجب نہ ہوتا تو ہر ایک زمانہ میں اور تمام شہروں میں درود کے بعد از تشہد ہونے اور تشہد آخر کو درود سے خالی نہ رکھنے پر اتفاق نہ ہوتا۔ مقاتل بن حیان نے اپنی تفسیر میں ((اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ)) کے تحت میں لکھا ہے کہ اقامت نماز سے مراد نماز کی محافظت اور اوقات کی نگہداشت اور قیام و رکوع و سجود اور تشہد و درود کا آخری تشہد میں ہونا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تفسیر میں سب لوگ مقاتل کے عیال ہیں پس جب درود بھی اقامت کے اندر داخل ہے جس کا قرآن مجید حکم دے رہا ہے تو وہ بھی واجب ٹھہرا۔ اس گروہ نے قیاسات سے بھی تمسک کیا ہے مگر ان کے ذکر کی حاجت نہیں۔ پھر یہ گروہ کہتا ہے کہ ہمارے ساتھ جو نزاع کر رہے ہیں' انہوں نے دلائل و براہین کے بغیر ہی بعض اشیاء کو نماز میں واجب ٹھہرا دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو کہ وتر کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن مقابلہ تو کرو۔ اس کے اَدِلَّہ وجوب اور درود کے اَدِلّہ وجوب کا۔ وہ نماز میں قہقہہ سے ہنسنے والے پر وضو واجب بتلاتے ہیں۔ مگر اس مسئلہ کے دلائل کے سامنے وہ دلائل کہاں ہیں؟ علیٰ ہذا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز میں بہت باتوں کی نسبت فرض اور مستحب کے درمیان ہونے کے قائل ہیں۔ جو فرض نہیں اور فضیلت مستحب سے بالاتر ہیں۔ اس کا نام مالکیہ سبب رکھتے ہیں۔ مثلاً قرأت فاتحہ اور تکبیرات انتقال اور جلسۂ اولیٰ اور جہرو مخافت قرأت اور ان کے ترک پر سجدہ کو واجب کرتے ہیں۔ پس درود کا واجب ہونا اگر ان بہت

سے مسائل کے واجب ہونے سے زیادہ قوی نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں۔

غرض اس مسئلہ میں ہر دو فریق کے دلائل یہ ہیں اور مقصود اس سے یہ ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع باطل ہے۔ چونکہ جس مسئلہ میں اس قدر ادلہ و آثار موجود ہوں تو اس کے قائل کی تشنیع کوئی کیوں کر کر سکتا ہے۔

**مقام : 2** جن جگہوں میں درود شریف پڑھنا چاہئے۔ ان میں سے دوسری جگہ تشہد اول ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اُم میں کہا ہے کہ تشہد اول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہئے۔ ان کے مذہب میں یہی مشہور ہے۔ مگر یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا آخری مذہب ہے۔ مگر ان کے نزدیک بھی مستحب ہے واجب نہیں اور قدیم مذہب (ابتدائی) یہی تھا کہ تشہد سے آگے نہ بڑھائے۔ یہ مزنی نے شافعی سے روایت کیا ہے۔ اور یہی مذہب امام احمد' امام ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ قول شافعی کی حجت دار قطنی کی حدیث ہے۔ جسے سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد سکھلایا کرتے تھے۔

«اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنَّ لآ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ»

"(میری تمام) قولی' بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں' اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت' سلامتی اور برکات ہوں اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں اور اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔"

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہے۔

(۲) دار قطنی کی حدیث بریدہ سے ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "فرمایا ہے کہ اے بریدہ جب نماز پڑھے تو اس میں درود ترک نہ کرنا۔ کیونکہ درود نماز کو پاک کر دینے والا ہے۔ یہ حدیث پہلے لکھی جا چکی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس میں دلالت

عام ہے اور اول و ثانی جلسہ کی تخصیص نہیں۔ نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود اور تسلیم بر نبی کا حکم دیا ہے۔ پس جہاں سلام مشروع ہیں وہیں درود بھی ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے سوال کیا تھا کہ سلام کی کیفیت تو ہم جان گئے۔ مگر کیفیت درود کیا ہے۔ یہ سوال بھی دلالت کرتا ہے کہ درود سلام کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ پس چونکہ نمازی پہلے تشہد میں سلام نبی اکرم ﷺ پر بھیجتا ہے۔ اس لیے درود بھی مشروع ہے۔ کیونکہ جس مکان میں تشہد و سلام مشروع ہے۔ اسی جگہ درود بھی ہے اور یہ تشہد آخری کے مانند ہے اور اس لیے بھی کہ نماز میں پہلی جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر پسندیدہ ہے' تشہد ہے۔ اس لیے شایان ہے کہ نبی ﷺ کا ذکر اکمل صورت میں ہو اور اس لیے بھی کہ حدیث محمد بن اسحاق میں یہ الفاظ ہیں:

"ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں۔ جب ہم اپنی نماز میں جلسہ کریں۔"

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ پہلا تشہد درود کا محل نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی ہے اور اسی کی اکثر اصحاب شافعی نے تصحیح کی ہے۔ کیونکہ تشہد اول میں تخفیف مشروع ہے اور نبی ﷺ جب اس میں بیٹھا کرتے تھے' گویا سنگ گرم پر بیٹھا کرتے ہیں اور ثابت نہیں ہوا کہ آپ یہاں درود پڑھتے ہوں یا آپ نے امت کو بتلایا ہو اور نہ یہ معلوم ہے کہ کسی صحابی نے اس کو مستحب کہا ہو۔ اور اگر جیسا کہ گروہ اول کہتا ہے اس جگہ بھی درود مشروع ہوتا تو واجب ہی ہوتا جیسا کہ تشہد آخر میں ہے۔ کیونکہ دونوں پر ایک حکم ہے اور اگر اس جگہ درود آپ پر مستحب ہوتا تو آل پر بھی ہوتا۔ کیونکہ درود میں آپ کو منفرد نہیں کیا گیا۔ کیونکہ آپ نے یہی حکم دیا ہے کہ آپ اور آل دونوں کا درود میں ذکر کیا جائے۔ پھر اگر یہاں مشروع ہوتا تب ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ درود مامور بہا کی صفت یہی ہے۔ پس جب یہ بھی مشروع ہوتا۔ تب اس کے بعد دعاء بھی مشروع ہوتی۔ جیسا کہ حدیث فضالہ کا مطلب ہے۔ پس ایسی حالت میں تشہد اول و دوم میں کچھ فرق نہ رہا اور جن احادیث سے تم نے استدلال کیا ہے۔ اوّل تو ان میں موسیٰ اور عمرو بن شمر اور جابر جعفی کی وجہ سے ضعف ہے۔ پھر اس مدعاء پر دلالت ہی نہیں کرتی ہیں۔

کیونکہ اس سے مراد تشہد اخیر ہے نہ اول' جیسا کہ دلائل سے واضح ہے۔ دیگر دلائل جو تم نے بیان کئے ہیں ان کا بھی یہی جواب ہے۔

**مقام : 3** درود کے مختلف مقامات میں سے ایک مقام آخر قنوت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اور جنہوں نے ان سے موافقت کی اس کو مستحب کہا ہے اس کی حجت روایت نسائی ہے۔ محمد بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ کلمات وتر میں سکھلائے ہیں۔ فرمایا کہ:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِىْ وَلاَ يُقْضَي عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لاَ يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ»

"اے اللہ! مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما جنہیں تو نے رشد و ہدایت سے نوازا ہے اور مجھے عافیت دے کر ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے عافیت بخشی ہے' اور جن لوگوں کو تو نے اپنا دوست بنایا ہے ان میں مجھے بھی شامل کر کے اپنا دوست بنا لے۔ جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لیے برکت ڈال دے اور جس شر و برائی کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے اس سے مجھے محفوظ رکھ اور بچا لے۔ یقیناً تو ہی فیصلہ صادر فرماتا ہے تیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا اور جس کا تو والی بنا وہ کبھی ذلیل و خوار اور رسوا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پروردگار آقا! تو (بڑا) ہی برکت والا اور بلند و بالا ہے اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بھیج۔"

پس یہ دعاء قنوت وتر کی ہے اور قنوت فجر میں اس کو قیاساً منتقل کر لیا ہے۔ ابو اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کلمات سکھائے میں ان کو وتر میں پڑھتا ہوں۔ پھر دعاء پڑھی اور اس میں درود کا ذکر نہیں کیا اور یہ قنوت رمضان میں مستحب ہے۔ ابن وہب نے سند کے ساتھ عبدالرحمان بن عبدالقاری

سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن ارقم کے ساتھ منصرم بیت المال تھے۔ روایت کی ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات کو عمر فاروق' عبدالرحمٰن بن عبد کے ساتھ مسجد میں آئے۔ لوگوں کو دیکھا مسجد میں جدا جدا نماز پڑھ رہے ہیں۔ ادھر کوئی جدا پڑھ رہا ہے اور ادھر کوئی جدا پڑھ رہا ہے۔ غرض اسی طرح ایک بڑی تعداد جدا جدا پڑھتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تب بہتر ہو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ارادہ پختہ کیا اور ابی بن کعب کو حکم دیا کہ رمضان میں امامت کرایا کریں۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر آئے لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا نئی تجویز اچھی ہے۔ مگر جو سو رہے ہیں وہ ان سے اچھے ہیں جو قیام کر رہے ہیں۔"

اس سے ان کی مراد آخری شب کا اٹھنا تھا۔ کیونکہ لوگ اول شب تراویح پڑھتے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا یہ لوگ نصف ماہ میں کفار پر لعنت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَلاَ يُؤْمِنُوْنَ بِوَعْدِكَ وَخَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَاَلْقِ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَاَلْقِ عَلَيْهِمْ رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ اِلٰهَ الْحَقِّ»

"الٰہی! ان کفار پر لعنت بھیج جو لوگوں کو تیری راہ سے روکتے اور تیرے انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں اور تیرے وعدوں پر ایمان نہیں لاتے۔ الٰہی! ان کے اتفاق میں پھوٹ' اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں) کا رعب ڈال دے اور ان پر پلیدی و عذاب نازل فرما۔"

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے۔ پھر مسلمانوں کے لیے جہاں تک استطاعت ہوتی ہے' دعاء خیر کرتے۔ پھر دوسروں کے لیے استغفار کرتے۔ اور جب اس سے فارغ ہوتے تو کہتے:

«اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّىْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخَافُ عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ الْجِدَّ لِمَنْ

"الٰہی ہماری عبادت، ہماری نماز، ہمارا سجدہ خاص تیرے لیے ہے اور ہماری سعی و خدمت گذاری خاص تیرے لیے ہے۔ ہم تیری رحمت کے امیدوار اور عذاب سخت سے ترساں ہیں۔ بے شک تیرا عذاب تو تیرے اعداء پر گرنے والا ہے۔"

پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کو چلے جاتے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ عبداللہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ قنوت میں درود پڑھا کرتے تھے۔

**مقام : 4** مقامات درود میں سے ایک جگہ نماز جنازہ ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد اس کی مشروعیت میں کچھ اختلاف نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں کہ نماز بغیر درود ہو جاتی ہے یا نہیں اختلاف ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ درود واجب ہے۔ ان کے بغیر نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ بیہقی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے ایسا ہی روایت کیا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ مستحب ہے اور واجب نہیں کچھ اصحاب شافعی بھی کہتے ہیں۔ نماز جنازہ میں مشروعیت کی دلیل وہ حدیث ہے جسے مسند میں امام شافعی نے سند کے ساتھ ابوامامہ بن سہل سے اور وہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر پڑھے اور پہلی تکبیر کے بعد اپنے جی میں الحمد پڑھے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ باقی تکبیرات میں جنازہ کے لیے دعا کو خالص کرے۔ پھر آہستہ سے سلام پھیر دے۔

اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کی ہے جو سعید بن مسیب سے بیان کرتے تھے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ الحمد پڑھے اور درود۔ پھر مردہ کے لیے دعا اور یہ ایک ایک دفعہ ہی پڑھے اور چپکے سے سلام پھیر دے۔ ابوامامہ یہ چھوٹی عمر کے صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ امام شافعی نے یہی بیان کیا ہے۔ صاحب مغنی کہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے مکہ میں نماز جنازہ پڑھائی۔ تکبیر کہہ کر قرأت جہر سے پڑھی اور درود

پڑھا اور دعا اچھی طرح سے مانگی۔ پھر فارغ ہو کر کہا کہ نماز جنازہ ایسی ہونی چاہیئے۔

مؤطا میں حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جب تو مردہ کو رکھے تکبیر کہہ کر حمد و صلوٰۃ پڑھ کر یہ دعا پڑھ:

«اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ كَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ أَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَأَنْتَ اَعْلَمُ بِهِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِيْ اِحْسَانِهِ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ»

”الٰہی! یہ تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا ہے یہ شہادت دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد تیرا بندہ اور رسول ہے۔ چنانچہ اے اللہ تو خوب (اس شہادت کو) جانتا ہے۔ الٰہی! اگر یہ نیکو کار تھا۔ تو اس کی نیکیوں میں میں ترقی دے اور اگر بد اعمال تھا تو اس کی برائیوں سے تجاوز فرما۔ الٰہی! ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد فتنہ میں نہ ڈال۔“

ابوذر ہروی نے سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی جنازہ کی نماز پڑھانے لگتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے کہتے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ سو آدمی کی امت ہے۔ اور جس مردہ پر سو آدمی جمع ہو جاویں کہ اس کے لیے دعا میں جہد کریں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے تم اپنے بھائی کے شفیع بن کر آئے ہو۔ اس لیے دعا میں خوب کوشش کرو۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کرتے۔ اگر آدمی ہوتا تو سر کے برابر اور اگر عورت ہوتی تو شانہ کے برابر کھڑے ہوتے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ أَنْتَ خَلَقْتَهُ وَأَنْتَ هَدَيْتَهُ لِلْاِسْلَامِ وَأَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهُ وَأَنْتَ اَعْلَمُ بِسَرِيْرَتِهِ وَعَلَانِيَتِهِ جِئْنَا شُفَعَاءَ لَهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَجِيْرُ بِحَبْلِ جِوَارِكَ لَهُ فَاِنَّكَ ذُوْ وَفَاءٍ وَذُوْ رَحْمَةٍ اَعِذْهُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ جَهَنَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِيْ اِحْسَانِهِ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهِ!»

"الٰہی! تیرا بندہ اور تیرے بندہ کا بیٹا ہے۔ پیدا بھی اسے تو نے کیا اور اسلام کی ہدایت بھی اسے تو نے ہی دی اور روح بھی اس کی تو نے قبض کی۔ اور اس کی حالت اندرون بیرون کو تو خوب جانتا ہے۔ ہم سب اس کی شفاعت کو حاضر ہوئے ہیں الٰہی! ہماری درخواست ہے کہ اپنے حبل جوار میں اسے پناہ دے۔ تو صاحب وفا و رحمت ہے۔ اسے فتنۂ قبر و عذاب جہنم سے بچا۔ الٰہی! اگر نیکوکار تھا تو اس کی نکوئی کو ترقی دے اور اگر برا تھا تو اس سے تجاوز فرما۔ الٰہی! اس کی قبر میں نور بھر دے اور اسے نبی اکرم ﷺ سے ملا دے۔"

کہا ہر ایک تکبیر میں یوں ہی کہے اور جب آخری تکبیر ہو۔ تب ایسا ہی کہے اور پھر کہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اَسْلَافِنَا وَاَفْرَاطِنَا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَلْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ»

"یااللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر رحمت اور برکت نازل فرما' جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر رحمت اور برکت نازل فرمائی۔ یقیناً تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔ یااللہ! ہمارے پیش رؤوں اور میر منزل پر رحمت نازل فرما۔ یااللہ! زندہ اور مردہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے۔"

پھر فارغ ہو جائے۔ ابراہیم نے کہا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسے جنازوں پر اور مجلس میں سکھلایا کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ قبر پر کھڑے ہو کر اور جنازہ سے فارغ ہو کر بھی پڑھا کرتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا' ہاں جب آپ جنازہ سے فارغ ہوتے' تب قبر پر کھڑے ہوتے اور کہتے:

«اَللّٰهُمَّ نُزِّلَ بِكَ صَاحِبُهَا وَخَلَّفَ الدُّنْيَا وَرَاءَ ظَهْرِهِ وَنِعْمَ

الْمَنْزُوْلُ بِهِ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ عِنْدَ الْمَسْأَلَةِ مَنْطِقَهُ وَلاَ تَبْتَلِهِ فِيْ قَبْرِهِ بِمَا لاَ طَاقَةَ لَهُ بِهِ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ وَاَلْحِقْهُ بِنَبِيِّهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهِ وَسَلَّمَ»

"الٰہی! اس قبر والا تیری طرف اتارا گیا ہے دنیا کو پیٹھ پیچھے چھوڑ آیا ہے اس کا اپنی آخری منزل کی طرف آنا اچھا ہے۔ الٰہی! سوال کے وقت اس کی زبان کو قائم رکھ اور قبر میں ایسی چیز میں مبتلا نہ کر جس کی طاقت نہ ہو۔ الٰہی! قبر کو روشن کر دے اور اسے نبی اکرم ﷺ سے ملا دے۔"

جب یہ مقرر ہو چکا تو مستحب یہ ہے کہ درود جنازہ پر وہی پڑھے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ جب صحابہ نے کیفیت درود کا سوال کیا تو نبی ﷺ نے یہی درود سکھلایا ہے اور عبداللہ بن احمد کے مسائل میں جو اپنے باپ سے انہوں نے روایت کئے ہیں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور ملائکہ مقربین پر درود بھیجے۔ قاضی کا قول ہے کہ یوں کہے:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مَلاَئِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَنْبِيَائِكَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَاَهْلِ طَاعَتِكَ اَجْمَعِيْنَ مِنْ اَهْلِ السَّمٰوٰاتِ وَالاَرَضِيْنَ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ»

"یااللہ! اپنے مقرب فرشتوں اور بھیجے ہوئے انبیاء اور آسمانوں اور زمینوں میں جو آپ کی اطاعت کرتے ہیں ان تمام پر اپنی رحمت نازل فرما' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

**مقام : 5** مقامات درود میں سے ایک جگہ خطبے ہیں۔ مثلاً خطبہ جمعہ' عیدین اور استغفار وغیرہ۔ اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ خطبہ صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے یا نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ درود کے بغیر خطبہ صحیح نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا یہ مذہب ہے کہ صحیح ہو جاتا ہے اور مذہب امام احمد میں ایک یہ صورت بھی ہے۔ خطبہ میں وجوب کی حجت اس آیت سے لی گئی ہے۔

﴿ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝٢ ٱلَّذِىٓ أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ ﴾ (الشرح ٩٤/ ١-٤)

"(اے نبی) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے نہیں کھول دیا؟ اور تم پر سے بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آواز بلند کر دیا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو رفعت دی ہے۔ اس لیے جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو گا۔ وہاں آپ کا بھی ضرور ہو گا۔ مگر اس دلیل میں تامل ہے۔ کیونکہ ذکر پروردگار کے ساتھ آپ کا ذکر یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کی رسالت پر شہادت دی جائے۔ جب آپ کے مرسل (اللہ تعالیٰ) کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے۔ پس یہ خطبہ میں قطعاً واجب ہے بلکہ خطبہ کا رکن اعظم ہے۔ چنانچہ ابوداؤد اور احمد وغیرہ نے بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ جس خطبہ میں تشہد نہیں وہ ((یَدِ جَذْمَاء)) یعنی "ٹنڈا ہاتھ" ہے۔ مگر جو شخص درود کو خطبہ میں واجب ٹھہراتا ہے' علاوہ ذکر تشہد کے اس کا قول نہایت ضعیف ہے۔ یونس نے شیبان سے اس نے قتادہ سے ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ کی تفسیر بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند فرمایا۔ کوئی خطیب' کوئی متشہد' کوئی صاحب صلوٰۃ نہیں مگر وہ ابتداء ((اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ)) سے کرے گا۔ عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ ضحاک سے ﴿ وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ ﴾ کے معنی بیان کئے ہیں کہ جہاں میرا ذکر ہو گا تیرا بھی ہو گا اور خطبہ و نکاح تیرے ذکر کے بغیر جائز نہیں اور عبدالرزاق نے سند کے ساتھ مجاہد سے ﴿ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ کے معنی بیان کئے ہیں کہ جب اذان میں میرا ذکر ہو گا آپ کا بھی ساتھ ہو گا۔ ((اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ)) اور یہی آیت سے مراد ہے۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں تشہد ضروری نہ ہو۔ حالانکہ یہ افضل کلمات ہیں اور درود بھی اس میں ضروری ہے اور اس کی مشروعیت کی دلیل عبداللہ بن احمد کی روایت سند کے ساتھ عون بن ابی جحیفہ سے ہے کہ میرا

باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خدام میں سے تھا اور منبر کے نیچے بیٹھتا تھا اس نے مجھے بتلایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اللہ کی حمد و ثناء کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور فرمایا اس امت میں بہتر نبی کے بعد ابو بکر تھے اور پھر عمر رضی اللہ عنہما۔ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ خیر جس طرح چاہتا ہے۔ محمد بن حسن نے سند کے ساتھ عبداللہ سے روایت کی ہے کہ وہ خطبہ نماز سے فارغ ہو کر اور درود پڑھ کر پھر دعار پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوْبِنَا وَكَرِّهْ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَقُلُوْبِنَا وَذُرِّيَّتِنَا»

”الٰہی! ایمان کو ہمارا محبوب بنا دے اور ہمارے دلوں کو اس سے زینت دے اور کفر و فسوق اور عصیان سے بیزاری ہمارے دل میں ڈال دے۔ الٰہی! ہماری شنوائی و بینائی و ازواج و قلوب اور ذریت میں برکت دے۔“

دار قطنی نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عمرو بن عاص (بروز جمعہ) منبر پر چڑھے اللہ کی حمد و ثناء تھوڑی اور پر معانی الفاظ میں کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ لوگوں کو وعظ کیا اور امر و نہی کی۔ اس باب میں ضبہ بن محصن کی حدیث بھی ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ جب خطبہ پڑھتے حمد و ثناء پروردگار کی کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پہلے دعار کیے جانے پر انکار کیا اور معاملہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ضبہ کو فرمایا کہ تو حق کے موافق اور ہدایت یافتہ ہے۔ غرض یہ حدیث دلیل ہے کہ خطبات میں درود بر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے نزدیک ایک مشہور و معروف امر تھا۔

رہا وجوب سو دلیل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ جس پر توجہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

**مقام : 6** مقامات درود میں سے ایک جگہ مؤذن کا جواب دینے کے بعد اور اقامت کے وقت ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

"جب تم مؤذن کو سنو تب جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے۔ پھر میرے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ نام ہے بہشت میں ایک منزلت کا جسے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہی پائے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ کا سوال کیا۔ اس پر میری شفاعت حلال ہو گئی۔"

حسن بن عرفہ نے سند کے ساتھ حسن (بصری) سے روایت کیا ہے کہ جس نے مؤذن کے ساتھ اسی کے موافق کہا اور ((قد قامت الصلوٰۃ)) کے وقت یوں پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الصَّادِقَةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اَبْلِغْهُ دَرَجَةَ الْوَسِيْلَةَ فِي الْجَنَّةِ»

"اے اللہ! اس سچی پکار اور قائم شدہ نماز کے مالک اپنے بندہ اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صلوٰۃ بھیج اور جنت میں ان کو درجہ وسیلہ پر فائز فرما۔"

وہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں داخل ہو گا۔ یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ جب ((قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةِ)) کہا جائے کوئی شخص ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْمُسْتَمَعَةِ الْمُسْتَجَابِ لَهَا صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ زَوِّجْنَا مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ)) نہ پڑھے تو حوران عین کہتی ہیں کہ تجھ کو ہم سے بے رغبتی کیوں ہو گئی۔ واضح ہو کہ مؤذن کی اذان سن کر پانچ سنتیں ہیں۔ تین کا ذکر ابن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے (جو مؤذن کہے ساتھ ساتھ خود کہنا۔ درود پڑھنا' وسیلہ کا سوال) اور چوتھے یہ دعا پڑھنا:

«اَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً وَبِالاِسْلاَمِ دِيْنًا»

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں

اللہ کے رب ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔"

مسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اذان سن کر جو کوئی یہ دعا پڑھے گا۔ اس کے گناہ بخشے دیئے جائیں گے۔

پانچویں دعا مانگنا۔ سب سے آخر میں ابوداؤد اور نسائی نے ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مؤذن لوگ تو ہم پر فضیلت لے جائیں گے۔ فرمایا: جو وہ کہتے ہیں تو بھی کہا کر۔ جب وہ چپ ہو جائیں تو سوال کر عطا کیا جائے گا۔" مسند میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مؤذن کے اذان کے وقت یہ دعا پڑھتا ہے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّـةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَارْضَ عَنْهُ رِضًى لَا سُخْطَ بَعْدَهُ»

"اس پوری پکار (اذان) کے اور نفع دینے والی نماز کے رب محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہو جا۔"

اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

مستدرک حاکم میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اذان سنتے تو پڑھا کرتے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْمُسْتَجَابَةِ الْمُسْتَجَاب لَهَا دَعْوَةِ الْحَقِّ وَكَلِمَةِ التَّقْوٰى تَوَفَّنِيْ عَلَيْهَا وَاَحْيِنِيْ عَلَيْهَا وَاجْعَلْنِيْ مِنْ صَالِحِ اَهْلِهَا عَمَلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

غرض دن رات میں یہ پچیّس سنتیں ہوئیں (ہر نماز کے وقت پانچ) ان کی محافظت سابقین لوگ ہی کرتے ہیں۔

**مقام : 7** مقامات درود میں سے ایک جگہ دعا کے وقت نبی ﷺ پر درود شریف کا پڑھنا ہے۔ ان کے تین مراتب ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد اور دعا سے پہلے۔

② دعاء کے اول، وسط اور آخر میں۔

③ دعاء کے اول و آخر میں۔

پہلی صورت کی دلیل حدیث فضالہ بن عبید ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی دعاء مانگنے لگے وہ ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے کرے۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے۔ پھر جو چاہے دعاء مانگے۔

ترمذی نے حضرت عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں نماز پڑھتا تھا۔ اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا۔ پھر اپنے لیے دعاء مانگی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "سوال کر عطا کیا جائے گا۔"

عبدالرزاق نے سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کچھ سوال کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ ابتداء حمد و ثناء سے کرے۔ پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھے۔ پھر سوال کرے۔ ایسا سوال اجابت کے قریب ہوتا ہے۔

شریک نے اپنی سند کے ساتھ بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

دوسری صورت کی دلیل جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے سند کے ساتھ عبدالرزاق نے بیان کیا ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "مجھے سوار کے پیالہ کی طرح مت بناؤ۔" فرمایا "مجھے وسط دعاء اور اس کے اول و آخر میں جگہ دو" اور وہ حدیث پہلے لکھی گئی ہے کہ ہر ایک دعاء کے بعد اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا جائے۔ جب درود پڑھا گیا پردہ اٹھ جاتا ہے اور دعاء قبول کی جاتی ہے اور جب درود نہ پڑھا جائے تو دعاء قبول نہیں کی جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی لکھا جا چکا ہے کہ دعاء آسمان و زمین کے درمیان ٹھہرا لی جاتی ہے اور اس میں سے کچھ بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا، جب تک نبی اکرم ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے۔

احمد بن علی نے سند کے ساتھ عمرو بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں نے

عبداللہ بن بشر سے سنا' کہتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہر ایک دعا محجوب ہے جب تک اس کے اول اللہ عزوجل کی ثناء اور درود بر نبی اکرم ﷺ نہ ہو۔ (ہاں) پھر دعا کرے۔ اس کی دعا قبول ہو گی۔"

عمرو بن عمرو جو اس حدیث کو صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ احموسی ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن بشر سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایک تو یہی اور دوسری وہ جسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے دن خیر سے شروع کیا اور خیر پر ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے۔ درمیانی گناہوں کو بندہ پر مت لکھو۔" غرض درود بر نبی ﷺ دعا کے لیے ایسا ہے جیسے نماز کے لیے سورۂ فاتحہ اور یہ جملہ مقامات جن کا شمار ہوا ان سے دعا میں درود کی مشروعیت نکلتی ہے جس سے واضح ہے کہ مفتاح دعا درود شریف ہے۔ جیسا کہ مفتاح نماز وضو ہے۔

«وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا»

تیسری صورت کے متعلق احمد بن ابی حوراء کہتے ہیں۔ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ پہلے درود پڑھے۔ پھر حاجت کا سوال کرے اور پھر درود پر ختم کرے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر درود تو مقبول ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا جود و کرم اس سے برتر ہے کہ درود کی درمیانی شے کو رد فرمادے۔

**مقام : 8** مقامات درود میں سے ایک مقام مسجد کے اندر داخل ہونے اور باہر نکلنے کا ہے۔ ابن حبان اور ابو خذیمہ رحمۃ اللہ علیہما نے صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی مسجد میں آئے تو مجھ پر سلام بھیجے اور «اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ» کہے اور جب نکلے مجھ پر سلام بھیجے اور «اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ» کہے۔"

مسند' ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ سَلِّمَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ» ایسا ہی مسجد سے نکلتے وقت صرف

رحمتک کی جگہ فضلک بدل دیتے۔

**مقام : 9** مقامات درود سے ایک جگہ صفا و مروہ ہے۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صفا مروہ پر تین تکبیریں کہتے پھر ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَئىٍ قَدِيْر)) پڑھتے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے۔ پھر دعا مانگتے ان کے قیام و دعا میں طول ہوتا۔ ایسا ہی مروہ پر جا کر کرتے۔ جعفر بن عون نے سند کے ساتھ وہب بن اجدع سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے سنا۔ کہتے تھے' جب کوئی شخص حج کے لیے آئے' اسے چاہیئے کہ بیت اللہ کا طواف کرے سات بار اور مقام ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھے اور حجر اسود کو استلام کرے اور پھر صفا سے ابتداء کرے۔ اس پر کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے سات تکبیریں کہے۔ ہر ایک تکبیر کے درمیان اللہ عزوجل کی حمد و ثناء اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہو اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال۔ مروہ پر بھی ایسا ہی کرے۔ بزار نے اپنی سند کے ساتھ وہب سے اور ابوذر نے اپنی سند کے ساتھ جعفر سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

**مقام : 10** مقاماتِ درود میں سے ایک مقام اجتماع قوم کا وقت ہے پہلے اس سے کہ متفرق ہوں۔ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث گزر چکی ہیں۔ چنانچہ ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے: نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں اور پھر متفرق ہوئی کہ اس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہیں کیا اور اپنے نبی پر درود نہیں بھیجا۔ تو وہ ان پر اللہ کی طرف سے ترۃ (باعث خسارہ) ہو گی۔ اگر اللہ چاہے ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمائے۔" عبداللہ بن ادریس نے سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اپنی مجلسوں کو درود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زینت دو۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

**مقام : 11** مقامات درود میں سے ایک جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا وقت ہے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا جتنی دفعہ نام مبارک لیا جائے۔ اتنی دفعہ ہی واجب ہے؟ ابو جعفر طحاوی اور ابو عبداللہ حلیمی کا قول ہے کہ

جتنی دفعہ نام مبارک لیا جائے اتنی دفعہ ہی واجب ہے اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مستحب تو ضرور ہے، مگر فرض نہیں۔ جس کا تارک گناہ گار ہو۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک فرقہ تو ساری عمر میں ایک دفعہ فرض بتلاتا ہے۔ کیونکہ امر مطلق تکرار کا مقتضی نہیں اور ماہیت ایک دفعہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ، امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کا بیان ہوا ہے اور عیاض اور ابن عبدالبر نے اسے جمہور امت کا قول کہا ہے۔ اور ایک فرقہ کہتا ہے کہ ہر نماز کے تشہد آخر میں فرض ہے۔ یہ قول امام شافعی کا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا بھی دو روایتوں میں سے پچھلی روایت میں اور دیگر اشخاص کا ہے۔ ایک فرقہ کا قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا حکم امر استحباب ہے امر ایجاب نہیں۔ یہ قول ابن جریر اور ایک گروہ کا ہے۔ ابن جریر نے اس بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ ان کے اصول پر ہے کیونکہ جب یہ اکثر کو ایک طرف دیکھتے ہیں تو اسے اجماع بنا لیتے ہیں۔ جس کا اتباع ضروری ہے اور یہ دونوں مقدمے (کہ اکثر کی رائے کا نام اجماع ہو یا وہ قابل اتباع ہو) باطل ہیں۔

## وجوب درود شریف کے دلائل

پہلا گروہ جو ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود کو فرض و واجب بتلاتے ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

حجۃ اوّل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس شخص کی پیشانی خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" اس کو حاکم نے صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ "خاک آلود ہو پیشانی ہو۔" بددعا ہے اور مذمت ہے اور تارک مستحب کی مذمت کی جاتی ہے نہ اسے بددعا دی جاتی ہے۔

حجت دوم: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جس میں منبر پر چڑھنے کا باقاعدہ اور مسلسل

ذکر ہے۔ اس میں جبریل نے کہا ہے کہ:

"جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے پس جہنم میں جائے اور خدا سے دور کرے، کہیے "آمین" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آمین۔"

اس کو ابن حبان نے صحیح میں روایت کیا ہے اور اس معنی کی احادیث جو ابو ہریرہ، جابر بن سمرہ، کعب بن عجرہ، مالک بن حویرث اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان میں سے ہر ایک حجت مستقل ہے پہلے بیان ہو چکی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حدیث جو ان مختلف طریقوں سے مروی ہیں، مفید صحت ہے۔

حجت سوم: نسائی میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھتا ہے۔"

اس کی سند صحیح ہے اور وجوب کا حکم اس میں ظاہر ہے۔

حجت چہارم: صحیح ابن حبان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

اس کو حاکم نے صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ ابوذر نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب لوگوں سے زیادہ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے"۔ قاسم بن اصبغ نے حسن بصری سے فرمان رسول روایت کیا ہے: "بخل کا مومن کو یہی حصہ بہت ہے کہ میرا ذکر اس کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔" سعید بن منصور نے حسن رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ "بخل کے لیے یہی کافی ہے کہ میرا ذکر کسی کے سامنے ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔" یہ کہتے ہیں کہ جب روایات بالا سے بخیل ہونا اس کا

ثابت ہو گیا۔ تو وجہ دلالت دو طرح پر ہے۔

① بخل: مذمت کا نام ہے اور تارک مستحب اسم مذمت کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝٢٣ ٱلَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبُخْلِ ﴾ (الحدید۵۷/ ۲۳-۲۴)

"اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں، جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے پر اکساتے ہیں۔"

دیکھو یہاں فخر اور تکبر و غرور کے ساتھ بخل اور امر بخل کو شامل کیا ہے، اور پھر سب کی مذمت فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخل بری صفت ہے۔ حدیث میں ہے:

«وَاَیُّ دَاءٍ اَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ»

"بخل سے بڑھ کر کون سا سخت مرض ہے۔"

② بخیل: اسے کہتے ہیں جو حق واجب کو ادا نہ کرے۔ لیکن جو شخص بقدر واجب اس چیز کو ادا کر دے اس کا نام بخیل نہیں ہوتا۔ غرض بخیل وہ ہے کہ جس چیز کا دینا اور خرچ کرنا اس پر ضروری ہے۔ اسے روک رکھے۔

حجت پنجم اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی صلوٰۃ و تسلیم کا امر فرمایا ہے اور امر مطلق تکرار کے لیے ہوتا ہے اور یہ کہنا ممکن نہیں کہ تکرار سب وقتوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اوامر مکررہ اوقات خاصہ میں ان شروط و اسباب سے جو مقتضی تکرار ہوں متکرر ہو جاتے ہیں اور ایک وقت دوسرے وقت سے اولیٰ نہیں ہوتا۔ پس نبی اکرم ﷺ کے تکرار ذکر پر تکرار مامور (درود) کا ہونا بوجہ نصوص متقدم کے اولیٰ ہے۔ یہ حجت تین مقدمات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ اولیٰ: صلوٰۃ جس کا حکم ہوا وہ امر مطلق ہے۔ یہ معلوم و ثابت ہے۔

مقدمہ ثانیہ: امر مطلق مقتضیٔ تکرار ہوتا ہے۔ یہ مختلف فیہ ہے۔ فقہاء و اصولیین

کے ایک گروہ نے اس کی نفی کی ہے اور ایک نے اثبات کیا ہے اور ایک نے امر مطلق میں اور امر معلق میں جو شرط یا وقت سے علاقہ رکھتا ہو تفریق کی ہے۔ پھر معلق میں تو تکرار کو ثابت کیا ہے اور مطلق میں نہیں۔ ہر سہ اقوال امام احمد و شافعی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کے مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ موجبین درود شریف کے گروہ نے تکرار کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تمام اوامر شرعی تکرار پر ہوتے ہیں۔

دیکھو مثالیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ﴾ (الحدید۵۷/ ۷)

﴿ ٱدۡخُلُواْ فِي ٱلسِّلۡمِ كَآفَّةً ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۰۸)

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور سب کے سب اسلام کے اندر داخل ہو جاؤ۔"

فرمایا:

﴿ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ ﴾ ﴿ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ﴾

"اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ڈرو اللہ سے۔"

فرمایا:

﴿ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۴۳)

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔"

فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصۡبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ﴾

(آل عمران۳/ ۲۰۰)

"اے ایمان والو صبر کرو اور صبر پر قائم رہو۔ آپس میں ربط رکھو اور اللہ سے ڈرو۔"

فرمایا:

﴿ وَخَافُونِ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۵) ﴿ وَٱخۡشَوۡنِي ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۵۰)

﴿ وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا ﴾ (آل عمران۳/ ۱۰۳)

"میرا خوف رکھو، مجھ سے ڈرو، اور سب کے سب اللہ کی رسی کو پکڑو۔"

فرمایا:

﴿ وَأَوۡفُواْ بِعَهۡدِ ٱللَّهِ ﴾ (النحل١٦/ ٩١)

"اللہ کے عہد کو پورا کرو۔"

فرمایا:

﴿ أَوۡفُواْ بِٱلۡعُقُودِۚ ﴾ (المائدة٥/ ١)

"باہمی عقدوں کو پورا کرو۔"

فرمایا:

﴿ وَأَوۡفُواْ بِٱلۡعَهۡدِۖ ﴾ (بني اسرائيل١٧/ ٣٤)

"عہد کو پورا کرو۔"

یتامیٰ کے بارے میں ہے:

﴿ وَٱرۡزُقُوهُمۡ فِيهَا وَٱكۡسُوهُمۡ ﴾ (النساء٤/ ٥)

"اس مال میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ۔"

فرمایا:

﴿ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلۡبَيۡعَۚ ﴾ (الجمعة٦٢/ ٩)

"جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور معاملات اور تجارت وغیرہ کو چھوڑ دو۔"

فرمایا:

﴿ إِذَا قُمۡتُمۡ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغۡسِلُواْ وُجُوهَكُمۡ

"جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھوؤ۔ الخ"

فرمایا:

وَإِن كُنتُمۡ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُواْ

"اگر پلید ہو تو پاک ہو جاؤ۔"

فرمایا:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟﴾ (المائدة٥/ ٦)

"اگر پانی نہ ہو تو تیمم کر لو۔"

فرمایا:

﴿وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ﴾ (البقرة٢/ ٤٥)

"مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے۔"

فرمایا:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِى مُسْتَقِيمًا فَٱتَّبِعُوهُ﴾ (الأنعام٦/ ١٥٣)

"یہ ہے میرا سیدھا راستہ اسی پر چلو۔"

اور یہ نظائر قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام (شاذ و نادر کے سوا) جہاں کہیں ہیں (معنی) تکرار پر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ امت کے خطاب میں اللہ اور رسول کا محاورہ یہی ہے اور امر میں گو لفظی طور پر تکرار اور فوری طور پر نہ کرنا پایا جاتا ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ خطاب شارع کے عرف و محاورہ میں وہ بمعنی تکرار ہی ہے۔ پس شارح علیہ السلام کے کلام کو تو انہی کے عرف اور انہی کے خطاب کی پاک روش پر محمول کرنا چاہیئے۔ گو اس لفظ سے لغوی طور پر وہ مفہوم نہ ہوتا ہو۔ یہ بات جو میں نے لکھی ہے کہ امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور نہی فساد کا۔ یہ خطاب شارع سے معلوم ہے۔ گو اصل موضوع لغت میں منہی کی صحت یا فساد پر تعرض نہ کیا گیا ہو۔ علیٰ ہذا شارع کا امت میں سے ایک کو معرفت خاص کا خطاب مقتضی ہے کہ وہ لفظ اس پر اور اس کی امثال پر حاوی ہو۔ گو لغت کی رو سے موضوع لفظ اس کا مقتضی نہ ہو۔ کیونکہ لغت اور مصادر و موارد کلام میں نبی ﷺ کا محاورہ ہی یہ ہے اور یہ بات آپ کے دین سے بالاضطرار معلوم ہے۔ قبل اس سے کہ قیاس کی صحت و اعتبار و شروط وغیرہ معلوم کی جائیں۔ پس کسی لفظ کے اقتضاء وعدم اقتضاء لفظی میں فرق لغت کرتا ہے اور عرف شارع کے اقتضاء میں شارح علیہ السلام کی عادت خطاب۔

مقدمہ ثالث: جب مامور بہ کا تکرار ہوتا ہے تو کسی سبب یا وقت سے ہوتا ہے اور اس جگہ اسباب مقتضیٔ تکرار میں سے اولیٰ سبب نبی ﷺ کے نام مبارک کا لیا جانا ہے۔ کیونکہ آپ نے خبر دی کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ درود نہ پڑھے اس کی پیشانی خاک آلود ہو اور اس لیے کہ ایسے شخص کے بخل پر آپ نے فرمان جاری کر دیا ہے اور اسی کے مؤید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن بندے کو درود کا حکم اس خبر کے بعد دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک دفعہ کا درود پڑھنا نہیں جو منقطع ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ درود مستقل اور مسلسل ہے۔ اسی لیے اس کا اظہار و تذکرہ نبی ﷺ کے فضل و شرف و علو منزلت کا مبین ہے۔ پس بندوں کے حق میں اس کا تکرار بہت ہی ضروری اور لازمی ہوا۔ کیونکہ ان کے لیے حکم ہوا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے سلام کو مصدر کے ساتھ (جو لفظ تسلیم ہے) مؤکد فرمایا ہے اور یہ امر مقتضی مبالغہ اور کمیت میں زیادت کا ہے۔ اور یہ بات تکرار سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ پھر یہ دیکھو کہ فعل مامور بہ کا لفظ تکثیر پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی صَلّٰی وَسَلَّمَ کیونکہ فعل مشدد ہے جو تکرار فعل پر دال ہوتا ہے۔ جیسے کہا کرتے ہیں:

«كَسِّرِ الْخُبْزَ وَقَطِّعِ اللَّحْمَ وَعَلِّمِ الْخَيْرَ وَشَدِّدْ فِيْ كَذَا»

پھر یہ دیکھو کہ درود پڑھنے کا حکم بمقابلہ نبی ﷺ کی تعلیم و ارشاد و ہدایت اور احسان کے ہے۔ جو امت پر نبی کے ہیں اور بمقابلہ ان نعمتوں کے جو بنی ﷺ کی برکت سے دنیا و آخرت کی سعادت لوگوں کو ملی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے فعل عظیم کا مقابلہ عمر بھر میں ایک دفعہ درود پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر کوئی شخص اپنے سانس کی گنتی کے موافق بھی درود شریف پڑھتا رہے تب بھی نبی ﷺ کے حق اور عطا کردہ نعمت کے مقابلہ میں کافی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اس نعمت کے شکر کا ضابطہ یہی بنایا گیا ہے کہ جب آپ کا نام مبارک لیا جائے تو درود پڑھا جائے (ﷺ)۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے درود نہ پڑھنے والے کا نام بخیل رکھ کر اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ عام دستور یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر احسان عظیم کیا ہو جس کی وجہ

سے اس کو خیر عظیم ملی ہو۔ پھر اس کا ذکر اس شخص کے سامنے آئے اور وہ اس کی ثناء و تعریف نہ کرے، اور مدح و تعظیم میں مبالغہ نہ کرے اور ادائے شکر و حق کے قیام میں ہمیشہ کوتاہی کرتا رہے۔ اور بار بار ایسا ہی کرے تو ضروری ہے کہ لوگ اسے بخیل و لئیم و کفور سمجھیں گے۔ اس کے مقابلہ میں اس محسن کے احسانات کا اندازہ کرو۔ جس کے احسانات تمام مخلوقات کے باہمی احسان و مروت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اور جس کے احسان سے بندہ کو دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہوئی ہے اور دنیا و آخرت کے شر سے نجات ملی ہے۔ جس کے احسان و نعمت کی حقیقت کا اندازہ اور تصور بھی دل نہیں کر سکتے۔ قیام شکر کا تو کیا ذکر ہے۔ تو بتلاؤ کہ کیا ایسے محسن ایسے منعم کا سب سے بڑھ کر یہ استحقاق نہیں ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے۔ زبان کو وقف ثنا بنایا جائے اور اپنی طاقت و مقدور اور وسعت و زور کو اس کی حمد و مدح کے لیے جب کہ مجلس میں اس کا ذکر مبارک ہونے لگے خاص کر دیا جائے۔ پس ایسی حالت میں اس سے بھی کم کیا ہو گا کہ نام مبارک ﷺ ذکر ہونے پر ایک دفعہ تو درود خوانی کی جائے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر رغم انف کے لفظوں میں بددعا کی ہے۔ جس کے معنی ناک کا مٹی کو لگ کر رگڑے جانا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام مبارک سن کر درود نہ پڑھنے والا ذلت و خواری کا مستحق ٹھہر جاتا ہے۔ خیال کرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَّا تَجْعَلُواْ دُعَآءَ ٱلرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُم بَعْضًاۚ ﴾

(النور ۲۴/ ۶۳)

"مسلمانو! اپنے درمیان رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔"

اس جگہ امت کو منع کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو عام طریق پر بلایا اور پکارا جائے۔ مطلب یہ کہ خطاب کے وقت نام مبارک لے کر نہ پکارا جائے۔ جیسا کہ ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ و نبی اللہ کہہ کر پکارا جائے۔ کیونکہ توقیر و تعظیم و اعزاز کمال کی یہی صورت ہے۔ اسی طرح شایان ہے کہ

اسم مبارک کے ساتھ درود کو ملا کر آپ ﷺ کی خصوصیت رکھی جائے تا کہ ذکر مبارک اور ذکر غیر میں فرق ہو جائے۔ جیسا کہ پکارنے میں رسول و نبی کہہ کر فرق کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہو تب اس ذکر میں اور ذکر غیر میں کچھ فرق نہ ہو گا۔ یہ معنی تو آیت کی دو تفسیروں سے ایک تفسیر کی صورت میں ہے۔ لیکن دوسری تفسیر کی صورت میں یہ ہیں کہ نبی ﷺ کے طلب کو دوسرے کے طلب کا سا نہ سمجھو کہ عذر کر دو اور حاضر نہ ہو یا مشکلات کا خیال کرو اور دیر رسی جائز رکھو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ جس وقت طلب فرمائیں فوراً ہی اطاعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ اگر نماز بھی پڑھ رہے ہو تو یہ بھی دیر رسی کے لیے عذر نہ ہو۔ پس جب نماز کی مشغولیت بھی تاخیر کے لیے عذر مباح نہیں ہو سکتی تو دیگر اسباب یا عذروں کا تو کیا ذکر ہے۔

واضح ہو کہ ان معنی میں تو مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو گا اور پہلے معنی میں مفعول کی طرف اور یہ معنی بھی اس آیت کے کئے گئے ہیں۔ جو ہر دو اقوال سے احسن ہیں کہ اس جگہ مصدر کی اضافت نہ فاعل کی طرف ہے نہ مفعول کی طرف۔ بلکہ محض اسماء کی طرف اضافت ہے اور اس صورت میں ہر دو معانی بیک بارگی ظاہر رہیں گے۔ یعنی نام لے کر پکارنے کی ممانعت جس طرح ہر ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ نیز طلب رسول ﷺ کے بعد عدم تاخیر اجابت۔ غرض ہر ایک معنی کی صورت میں جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نبی ﷺ کا خطاب میں بہ نسبت کسی دوسرے کے خاص امتیاز رکھا جائے اور تعمیل طلب میں نمایاں مستعدی ظاہر کی جائے تا کہ امت اس تعظیم و اجلال پر جو ہم پر واجب ہے قائم رہے۔ اسی طرح اسم مبارک کا ذکر آنے پر درود کے ساتھ امتیاز کا قائم رکھنا اعلیٰ مقصود ہے۔ دیکھو نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور اس نے درود نہ پڑھا۔ وہ طریق جنت بھول گیا۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور گو یہ حدیث مراسیل محمد بن حنفیہ میں سے ہے۔ مگر اس کے اور شواہد بھی ہیں۔ جو شروع کتاب میں لکھے جا چکے ہیں۔ پس اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب نہ ہوتا۔ تو تارک

درود کو راہ جنت سے بھٹکا ہوا نہ کہا جاتا اور یہ بھی مروی ہوا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کا ذکر کیا یا اس کے سامنے ذکر ہوا اور اس نے درود نہ پڑھا تو اس نے نبی ﷺ پر جفا کی اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ پر جفا کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ پس مقدمہ اولیٰ کی دلیل تو وہ روایت ہے۔ جسے سعید بن اعرابی نے سند کے ساتھ قتادہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "یہ جفا میں سے ہے کہ میرا ذکر کسی کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔"

اگر اس ایک مرسل کو ہم چھوڑ بھی دیں تو اور اس سے کوئی حجت نہ پکڑیں لیکن پھر بھی اس کے اصول و شواہد موجود ہیں۔ جو پہلے گذر چکے ہیں۔ مثلاً "بخیل و شحیح" نام رکھا جانا۔ "خاک آلود پیشانی۔" کا فرمانا اور ترک صلوٰۃ کو موجبات جفا قرار دینا۔ اور مقدمہ ثانیہ پر دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ پر جفا کرنا۔ آپ کی محبت کے کمال کے منافی ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ کی محبت کو نفس پر اور اہل و عیال پر مقدم رکھنے کا حکم ہے اور اپنی جان سے بھی زیادہ نبی ﷺ کا اولیٰ ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ بیشک بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اس کے نزدیک اس کے نفس، اولاد، مادر پدر اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ یا رسول اللہ اللہ کی قسم! آپ میرے نزدیک جملہ اشیاء سے محبوب ہیں۔ مگر اپنے نفس سے نہیں۔ فرمایا، نہیں اے عمر (ایمان کامل نہیں ہوگا) جب تک میں تیرے نفس سے بھی زیادہ تجھ کو محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر نے کہا، "اللہ کی قسم! اس وقت آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔" فرمایا، اب ٹھیک ہے۔ اے عمر! صحیح حدیث ہے:

«لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ»

اس حدیث میں محبت کی تینوں اقسام کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ محبت کی بنیاد یا تو تعظیم و اجلال پر ہے۔ جیسے باپ کی محبت یا لطف و شفقت و غم خواری پر جیسے اولاد کی محبت، یا صفات کمال اور احسان کی محبت جیسے ایک کی دوسرے سے۔ کیونکہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جب تک ان سب محبتوں سے زیادہ پر قوت و پر زور نہ ہو گی۔ انسان مومن نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جفا کرنا اس محبت کی ضد ہے اور جب احبیت فرض ہوئی تو اس کے توابع جس قدر ہیں' یعنی اجلال و تعظیم' توقیر و طاعت' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نفس پر مقدم کرنا اور اپنا نفس آپ پر نثار کر دینا اور اپنی بقاء آپ کے نفس مبارک سے سمجھنا' وہ سب بھی فرض ہوں گے اور درود شریف بھی فرض ہو گا۔ کیونکہ درود بھی اسی احبیت کا لازمہ اور کمال ہے۔ پس جب ان وجوہ سے اور ان کے سوا دوسری وجوہ سے درود کا واجب ہونا اس شخص پر ثابت ہو گیا۔ جس کے سامنے ذکر مبارک ہو تو خود ذاکر پر اس کا وجوب اولیٰ ٹھہرا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ آیت سجدہ کے سامع کو جب سجدہ کا حکم دیا گیا ہے (خواہ بطور وجوب یا بطور استحباب جیسا کہ دو اقوال ہیں) تو قاری پر وجوب اس کا بالاولیٰ ہے۔

فصل

## عدم وجوب درود شریف کے دلائل

وجوب درود کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ ہمارے قول کی دلیل چند وجوہ سے یہ ہے۔

(۱) یہ ثابت شدہ ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سلف صالح جو قدوہ امت ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے ہر دفعہ نام مبارک کے ساتھ درود کو شامل نہ کرتے تھے اور یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں اس قدر پائی جاتی ہے کہ شمار سے باہر ہے وہ صرف یا رسول اللہ ہی کہتے تھے اور بسا اوقات صلی اللہ علیک ہی کہہ دیا کرتے۔ چنانچہ یہ احادیث سے بکثرت ظاہر ہے۔ پس اگر درود واجب ہوتا تب ترک کرنے والے پر انکار ہونا ضروری تھا۔

(۲) اگر ذکر مبارک کے وقت درود واجب ہوتا تو یہ مسئلہ تمام واجبات سے زیادہ

روشن ہوتا اور نبی اکرم ﷺ بھی امت کے لیے ایسا بیان فرما دیتے۔ جس سے عذر قطع ہو جاتے اور حجت قائم ہو جاتی۔

③ یہ قول نہ صحابہ میں سے نہ تابعین میں سے نہ تبع تابعین میں سے کسی ایک کا معروف نہیں اور نہ کسی کا نام معروف ہے جس نے ایسا کیا ہو۔ بلکہ اکثر فقہاء کا مذہب یا یہ کہو کہ اجماع تو یہ ہے کہ درود فرض میں سے نہیں اور جو واجب کہتا ہے اس کے قول کو شذوذ اور مخالفت اجماع سابق سے منسوب کیا گیا ہے۔ پھر نماز کے علاوہ تو درود فرض کیوں کر ہو سکتا ہے۔

④ اگر نبی ﷺ کے ہر دفعہ کے ذکر کے بعد ہمیشہ درود پڑھنا واجب ہے تو مؤذن پر ضروری ہوتا کہ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہا کرتا۔ حالانکہ اذان میں یہ کہنا مشروع بھی نہیں۔ واجب تو کیا ہونا تھا۔

⑤ اذان کے سننے والے پر بھی درود پڑھنا واجب ہوتا۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف یہی حکم دیا ہے کہ جو مؤذن کہے وہی سامع بھی کہے۔

⑥ تشہد اول بالاتفاق ((اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُه)) پر ختم ہو جاتا ہے اور درود کی مشروعیت میں جو اختلاف ہے۔ وہ تین قول ہیں۔

1 صرف تشہد آخر میں مشروع ہے۔

2 تشہد اول میں بھی مشروع ہے۔

3 خاص نبی ﷺ پر مشروع ہے۔ آل کا ذکر نہ ہو۔ لیکن ہر سہ اقوال میں سے کسی نے پہلے تشہد میں وجوب کا اظہار نہیں کیا۔

⑦ جب کوئی مسلمان ہو کر اسلام میں داخل ہوتا ہے تو شہادتین پڑھتا ہے۔ مگر ((اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه)) کے ساتھ اس سے صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہلایا جاتا۔

⑧ خطیب جمعہ و عید وغیرہ میں نفس تشہد کے وقت درود کی جانب نہیں جاتے اگر ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہوتا تو شہادت کے ساتھ ضرور درود شامل کیا کرتے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ خطبہ میں درود آ تو جاتا ہے۔ کیونکہ اس درود کا تشہد

کے وقت اسم مبارک کے لیے جانے پر عطف نہیں ہو سکتا اور اس قدر فاصلہ طویل کے بعد وہ اس کا معطوف نہیں بن سکتا۔ حالانکہ قائلین وجوب ہر دفعہ کے ذکر پر درود کا ہونا واجب کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری دفعہ کا ذکر پہلے ذکر سے (شمار میں) جدا ہوتا ہے۔

۹) اگر ہر دفعہ کے ذکر پر درود واجب ہوتا ہے تو ضروری تھا کہ قاری جہاں اسم مبارک پر پہنچے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور قرأت کو ادائے واجب کے لیے قطع کر دے۔ خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ کیونکہ درود سے نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کا واجب ہونا متعین ہو چکا۔ اس لیے ادا کرنا لازم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ اگر درود واجب ہوتا تو صحابہ و تابعین اس پر بہت پکے ہوتے۔ اس کے ادا کرنے کے کمال شائق اور نہ چھوڑنے کے پورے پابند۔

۱۰) اگر ہر دفعہ ذکر مبارک پر درود واجب ہوتا تو یہ بھی واجب ہوتا کہ اسم اللہ کے ساتھ ہمیشہ سبحانہ و تعالیٰ یا عزوجل یا تبارک و تعالیٰ یا جلت عظمتہ یا تعالیٰ جدہ وغیرہ الفاظ شامل کیا کرتے۔ ہاں ایسا ہونا زیادہ موزوں اور اولیٰ تھا۔ کیونکہ رسول ﷺ کی تعظیم و اجلال اور محبت و اطاعت مرسل کی تعظیم و اجلال اور محبت و طاعت کے تابع ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ رسول کے لیے محبت و طاعت یا تعظیم و اجلال تو حاصل ہو اور مرسل کو نہ ہو۔ بلکہ یہ تو سب کچھ مرسل کی تبعیت سے ہی حاصل ہوا کرتا ہے اور اسی لیے رسول کی طاعت اللہ کی طاعت، اور رسول کی بیعت اللہ کی بیعت، اور رسول کی محبت اللہ کی محبت، رسول کی تعظیم اللہ کی تعظیم اور رسول کی نصرت اللہ کی نصرت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کا رسول و بندہ ہے لوگوں کو اسی جانب بلاتا اور اسی کی اطاعت و محبت اور اجلال و تعظیم سکھلاتا اور عبادت و وحدانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ سو ایسی حالت میں کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ ذکر مبارک نبوی تو جتنی دفعہ ہو اس پر درود (جس کے معنی ثناء و تعظیم ہیں) واجب ہو تو اللہ تعالیٰ کا جتنی دفعہ نام لیا جائے اس کی ثناء و تعظیم واجب نہیں یہ تو محال ہے۔

(۱۱) مثلاً ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور اس کی زبان پر معمولی طور پر صرف ((مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ)) یا ((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ)) ہے اور بہت سے لوگ اس کی آواز سن رہے ہیں۔ اگر تم یہ کہو گے کہ ان سب سامعین پر درود واجب ہے تو لازم آئے گا کہ ان سب کی آواز درود ہی ہو خواہ کتنا ہی بیٹھنا پڑے اور یہ امر حرج و مشقت کا باعث اور قاری کی ترک قرأت اور مدرس کے ترک درس کا سبب ہو گا۔ بلکہ کوئی صاحب ضرورت کلام بھی نہ کر سکے گا اور مذاکرہ علمی و تعلیم قرآن میں بھی حرج پیدا ہو گا۔ لیکن اگر تم اس وقت یہ کہو گے کہ ایسی حالتوں میں درود واجب نہیں رہتا تب اپنے مذہب کے خلاف خود کرو گے اور اگر جواب دو گے کہ ایک دفعہ یا چند دفعہ کہنا واجب ہے۔ اول تو یہ صرف تحکم بلا دلیل ہے۔ دوم تمہارے قول کو باطل کرنے والا ہے۔

(۱۲) کچھ شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت رسالت بڑا فرض اور واجب عظیم ہے۔ بہ نسبت درود کے اور معلوم ہے کہ انسان اسلام میں اس کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر شہادت رسالت بھی فرض نہیں۔ تو ہر دفعہ کے ذکر مبارک پر درود کیوں کر فرض ہو سکتا ہے۔ دیکھو کلمۂ اخلاص (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کے بعد تمام واجبات میں سب سے اعلیٰ فرض آپ کی رسالت کی شہادت ہے اور ذکر مبارک کے وقت اس کے وجوب کا اقرار کر لینا گویا ایمان اور جملہ موجبات شہادت کا تذکرہ کر لینا ہے۔ اس لیے اسم مبارک کے لینے والے پر ((مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ)) کہنا واجب ہے اور اس کا وجوب درود کے وجوب سے جو ہر دفعہ کے اسم مبارک پر کہا جاتا ہے۔ زیادہ تر واضح ہے۔ غرض ہر دو فریق کے پاس ایسے ہی دلائل ہیں۔ جن میں سے بعض تو بہت ضعیف ہیں۔ بعض میں غلطی کا احتمال ہے اور بعض قوی۔ چنانچہ ہر ایک کے دلائل میں تامل کرنے سے سب کچھ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ!

**مقام : 12** درود پڑھنے کی ایک جگہ تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ دار قطنی نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ لبیک سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رضوان کا سوال کیا کرتے اور جہنم سے اس کی رحمت کی پناہ مانگتے۔ صالح کہتے ہیں: میں نے قاسم بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ تلبیہ کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ بھی توابع دعا سے ہے۔

**مقام : 13** درود پڑھنے کا ایک وقت استلام حجر ہے۔ ابوذر ہروی نے سند کے ساتھ نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب استلام حجر کا ارادہ کرتے تو پڑھا کرتے:

«اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِكَ وَتَصْدِیْقًا بِکِتَابِكَ وَسُنَّةِ نَبِیِّكَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ»

(صفا مروہ پر درود خوانی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)

**مقام : 14** بازار یا دعوت کو جاتے یا کسی جانب نکلتے وقت درود پڑھنا بھی درود خوانی کے مقامات میں سے ہے۔ ابن ابی حازم نے سند کے ساتھ ابی وائل سے روایت کی ہے کہ میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے یا جنازوں کے ساتھ جاتے یا کسی کام کے لیے کھڑے ہوتے تو پہلے اللہ کی حمد و ثناء کرتے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتے اور دعائیں مانگتے۔ جب بازار جاتے اور اس کی ایسی جگہ پر پہنچتے تھے جو بہت غافل کر دینے والی ہو۔ (رونق اور بھیڑ کی جگہ) تو وہیں بیٹھ کر حمد و ثناء اللہ کی کرتے' درود پڑھتے اور چند دعائیں بھی۔

**مقام : 15** رات کی نیند سے سو کر اٹھنے کے وقت درود شریف کا پڑھنا مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ امام نسائی نے سنن کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے۔ ایک وہ جو دشمن سے عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر ملے۔ پھر دشمنوں کو بھگا دے اور یہ ثابت رہے۔ اگر یہ بندہ مارا گیا تو شہادت پائی اور زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر ہنستا ہے۔ ایک وہ جو رات کو ایسے وقت اٹھتا ہے کہ کوئی نہ جانے۔ پھر اچھی طرح

وضو کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تمجید بجا لاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتا ہے اور قرآن مجید کھول لیتا ہے اسے دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو عبادت میں مشغول ہے اور میرے سوا اسے کوئی نہیں دیکھتا۔ عبدالرزاق نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

**مقام : 16** مقامات درود میں سے ایک مقام ختم قرآن کے بعد ہے کیونکہ یہ محل دعا کا محل ہے اور ختم قرآن کے بعد دعا کرنا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نص سے ثابت کیا ہے۔ ابو الحارث کی روایت میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اہل و اولاد کو جمع کر لیتے۔ یوسف بن موسیٰ کی روایت میں ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی قرآن مجید ختم کرتا ہے اور لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو کر دعا مانگتے ہیں۔ کہا ہاں میں نے معمر کو دیکھا ہے کہ جب ختم قرآن مجید ہوتا تو ایسا ہی کرتے۔ حرب کی روایت میں ہے کہ ختم قرآن مجید کے وقت اہل و اولاد کو جمع کر کے دعا کرنا مستحب ہے۔ ابن ابی داؤد کی کتاب فضائل القرآن میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے قرآن مجید ختم کیا۔ اس کی دعائیں مستجاب ہیں۔ اور مجاہد سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کتاب فضائل القرآن میں قتادہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں ایک شخص تھا جو اول سے آخر تک اپنے دوستوں کے سامنے قرآن مجید ختم کیا کرتا تھا۔ ابن عباس وہاں آدمی بٹھلا دیتے اور جب ختم کا وقت ہوتا تو خود آ جاتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نماز تراویح میں اس کے مستحب ہونے پر نص کی ہے۔

حنبل کہتے ہیں میں نے امام احمد کو کہتے سنا ہے کہ جب تو ((قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ)) پڑھ کر فارغ ہو تب رکوع سے پہلے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا میں نے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ میں (کس دلیل پر) چلتے ہیں۔ فرمایا: میں نے اہل مکہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور سفیان بن عیینہ بھی ان کے ساتھ مکہ میں ایسا کرتے تھے۔ عباس بن عبدالعظیم کہتے ہیں کہ میں نے بھی لوگوں کو بصرہ اور مکہ میں ایسا ہی کرتے پایا ہے اور اہل مدینہ سے اس بارے میں چند امور مروی ہیں۔ جو عثمان بن عفان ذوالنورین

رضی اللہ عنہ سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا میں قرآن ختم کرتا ہوں کیا تراویح اور وتر میں کروں؟ فرمایا: ہاں تراویح میں کر تاکہ ہماری دعاء دونوں (تراویح' وتر) کے درمیان ہو۔ میں نے کہا میں کس طرح کیا کروں۔ کہا جب تو آخر قرآن سے فارغ ہو تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا رکوع سے پہلے اور ہمارے لیے دعاء کر۔ اس طرح کہ ہم نماز میں ہوں گے اور قیام کو طول دیا کر۔ میں نے پوچھا کہ دعاء کیا کروں؟ فرمایا جو تو چاہے۔ میں نے ایسا ہی کیا جو انہوں نے بتلایا تھا۔ اور وہ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے میرے پیچھے کھڑے ہوئے دعاء مانگتے تھے۔ پس یہ مقام مواطن دعاء میں سے زیادہ ضروری اور اجابت کے لیے حق ہے۔ تو مواطن صلوٰۃ میں بھی نہایت مؤکدہ جگہ ہے۔

**مقام : 17** اوقات درود خوانی میں سے ایک جمعہ کا دن ہے۔ حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ پہلے گذر چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ہر ایک جمعہ کو میرے اوپر زیادہ درود پڑھا کرو۔ کیونکہ امت کے درود ہر جمعہ کو میرے سامنے کیے جاتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھنے میں بڑھ کر ہو گا' وہی منزلت میں مجھ سے زیادہ نزدیک تر ہو گا۔" اسے بیہقی نے روایت کیا۔ بیہقی نے ابن مسعود انصاری سے یہ روایت بھی کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم مجھ پر جمعہ کے دن درود زیادہ پڑھا کرو۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا نہیں جو جمعہ کے دن مجھ پر درود پڑھے مگر یہ کہ اس کا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔"

اس سند میں اسمٰعیل بن رافع ہے۔ مگر ابن سفیان کہتے ہیں کہ شواہد و متابعات کے لیے اس کی روایت صلاحیت رکھتی ہے۔ ابن عدی نے سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے کیا جاتا ہے۔" گو اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں مگر (حدیث) فی الجملہ محفوظ ہے اور شواہد میں اس کا ذکر ضرر نہیں رکھتا۔ مراسیل حسن بصری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ہے:

"مجھ پر یوم جمعہ کو اکثر درود پڑھا کرو۔"

ابن وضاح نے سند کے ساتھ ابن شعیب سے روایت کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے لکھ بھیجا کہ "جمعہ کے دن علم پھیلاؤ۔ کیونکہ علم کی آفت نسیان ہے اور جمعہ کے دن نبی اکرم ﷺ پر درود بہت پڑھو۔"

**مقام : 18** مقامات درود میں سے ایک مقام مجلس سے اٹھنے کے وقت ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بیان کیا ہے کہ میں نے سفیان بن سعید کو اتنی دفعہ کہتے سنا ہے جس کا شمار نہیں کر سکتا کہ جب اٹھنے کا ارادہ کرتے تو کہا کرتے:

«صَلَّى اللهُ وَمَلاَئِكَتُهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى اَنْبِيَاءِ اللهِ وَمَلاَئِكَتِهِ»

اس موطن میں یہی اثر ملا ہے۔

**مقام : 19** مقامات درود میں سے ایک مسجد کے اوپر نظر پڑنے اور پاس سے گزرنے کا وقت ہے۔ قاضی اسمٰعیل نے سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ فرمایا "جب تم مسجد کے پاس سے گذرو تو نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔"

**مقام : 20** مقامات درود میں سے ایک مقام غم و شدائد کے ہجوم اور طلب مغفرت کا وقت ہے۔ ترمذی میں ابی بن کعب کی اپنے باپ سے لمبی حدیث ہے۔ جس کے آخر میں ہے:

"کیا میں کروں آپ کے درود کو تمام وقت اپنا؟"

فرمایا: "اس وقت وہ تیرے غم کے لیے کافی ہو گا اور تیرے گناہ بخشائے گا۔"

ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور محمد بن عقیل کی سند سے جو روایت کی ہے اسے صحیح بتلایا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اس کو مسند میں مختصراً بیان کیا ہے جس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اب اللہ تعالیٰ تجھے کفایت کرے گا۔ اس چیز سے جس نے تجھے غم میں ڈالا ہے۔ امر دنیا سے اور آخرت سے۔"

«صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَالِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ»

مقام : 21 | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کے لکھتے وقت ابوالشیخ نے سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی تحریر میں مجھ پر درود لکھا، ہمیشہ ملائکہ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ جب تک میرا نام اس کتاب میں ہوتا ہے۔"

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ نے اسید رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اسحاق بن وہب نے بھی سند کے ساتھ اعرج سے روایت کیا ہے اور اعرج سے ان دو وجوہات کے علاوہ بھی روایت ہوئی ہے اور اس باب میں ابوبکر صدیق، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں۔ سلیمان بن ربیع نے سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھا ہمیشہ اس پر رحمت جاری رہتی ہے جب تک میرا نام اس کتاب میں ہے۔"

جعفر بن علی الزعفرانی کے طریق سے مروی ہے کہ:

"میں نے اپنے خالو حسن بن محمد کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا "اے ابو علی کاش تو دیکھ لے جو صلوٰۃ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب میں لکھی تھی، وہ ہمارے آگے کیسی روشن اور نورانی ہو رہی ہے۔"

ابوالحسن بن علی میمونی کہتے ہیں:

"میں نے شیخ ابو علی حسن بن عیینہ کو موت کے بعد خواب میں دیکھا ان کے ہاتھوں کی انگلیوں پر کوئی چیز سبز یا زعفرانی رنگ سے لکھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اے استاد! میں آپ کی انگلیوں پر ایک ملیح تحریر دیکھتا ہوں یہ کیا ہے؟ کہا: اے لڑکے! یہ طفیل ہے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا اور یہ طفیل ہے حدیث میں لفظ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا۔"

خطیب نے سند کے ساتھ ابو سلیمانی حرانی سے روایت کی ہے کہ:

"مجھ سے میرے ایک ہمسایہ نے جس کو ابوالفضل کہتے تھے اور جو بہت

روزہ رکھنے والا اور بہت نوافل پڑھنے والا تھا۔ بیان کیا کہ میں حدیث لکھا کرتا اور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا فرمایا: "جب تو لکھتا ہے یا میرا نام لیتا ہے تو مجھ پر درود کیوں نہیں پڑھتا (یا نہیں لکھتا؟) اس سے ایک عرصہ کے بعد مجھے پھر زیارت ہوئی۔ فرمایا "میرے پاس تیرے درود پہنچتے ہیں۔ اب جب تو مجھ پر درود بھیجے یا ذکر کرے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیا کر۔"

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"اگر صاحب حدیث کو اور کوئی فائدہ سوا صلوٰۃ بر رسول ﷺ کے نہ ہو (تو یہی بے مثل ہے) کیونکہ اس پر رحمت بھیجی جاتی ہے۔ جب تک کتاب میں ﷺ لکھا ہوا رہتا ہے۔"

محمد بن ابو سلیمان کہتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا پیارے باپ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا "مجھے بخش دیا"۔ میں نے کہا، کیوں کر۔ کہا "نبی اکرم ﷺ پر درود لکھتے رہنے سے۔"

ایک محدث کہتے ہیں:

"میرا ایک ہمسایہ تھا وہ مر گیا میں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ کہا بخش دیا۔ میں نے پوچھا کیوں کر۔ کہا: حدیث میں جہاں نبی ﷺ کا ذکر آتا میں اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا کرتا۔"

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"مجھ سے خلف صاحب خلقان نے روایت کیا ہے کہ میرا ایک صدیق تھا۔ میرے ساتھ طلب حدیث کیا کرتا وہ مر گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اس پر سبز پوشاک تھی۔ دامن کشاں چلتا تھا۔ میں نے کہا تو میرے ساتھ حدیث طلب نہ کیا کرتا تھا؟ کہا ہاں۔ میں نے کہا۔ پھر تو اس درجہ پر کیوں کر پہنچ گیا۔ کہا جو ایسی حدیث آتی جس میں نبی ﷺ کا نام مبارک ہوتا میں اس کے نیچے ﷺ لکھ دیا کرتا۔ اس کا بدلہ یہ ہے کہ جو تم میرے اوپر پوشاک

دیکھ رہے ہو۔"

عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ:

"میں نے خواب میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا: مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا اور مجھے بہشت کے لیے یوں آراستہ بنایا جیسے عروس کو آراستہ کیا کرتے ہیں۔ اور میرے اوپر یوں نچھاور کیا جیسے دلہن پر کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا آپ اس درجہ کو کیوں کر پہنچ گئے؟ کہا: مجھ سے ایک قائل نے کہا تھا کہ کتاب الرسالۃ میں جو درود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تم نے لکھا ہے اس کا عوض ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیوں کر ہے۔ فرمایا وہ لفظ یہ ہیں:

«وَصَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ»

جب صبح ہوئی میں نے کتاب کھول کر دیکھی تو یہی عبارت اس میں درج تھی۔ صلی اللہ علٰی نبیہ وسلم۔

خطیب نے سند کے ساتھ ابو اسحاق دارمی المعروف نہشل سے بیان کیا ہے۔

"کہ میں اپنی تخریج میں جو حدیث لکھتا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا لکھا کرتا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گویا کچھ میرا لکھا ہوا لیے ہوئے ہیں۔ اس میں نظر مبارک ڈالی اور فرمایا جید ہے۔"

عبیداللہ بن عمرو کہتے ہیں:

"میرے ایک بھائی نے جس پر میں یقین کرتا ہوں۔ مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک اہل حدیث شخص کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا' مجھ پر رحم فرمایا کہ مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا' کیوں کر؟ کہا: جب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر پہنچتا تو صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لکھتا۔"

اس کو محمد بن صالح نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ نے اپنی کتاب

میں اہل حدیث کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے:

"جو اپنی موت کے بعد دیکھی گئی اور انہوں نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ بعوض اس کے کہ وہ ہر ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے ذکر پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا کرتے تھے۔"

ابن سنان کہتے ہیں:

"میں نے عباس عنبری اور علی بن مدینی کو کہتے سنا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کسی حدیث میں جو ہم نے سنی ہے نہیں چھوڑا اور اگر بہت ہی جلدی ہوئی تب بھی سفید جگہ چھوڑ دی تاکہ پھر لکھ سکیں۔"

**مقام : 22** مقامات درود میں سے ایک مقام تبلیغ علم اور تذکیر درس و تعلیم کے اول و آخر درود شریف کا پڑھنا ہے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمان لکھا تھا کہ:

"لوگوں نے لوگوں سے عمل آخرت کے بدلے دنیا طلبی شروع کر دی۔ قصہ خوانوں نے یہ بدعت نکالی کہ بادشاہ اور امراء پر بھی درود بھیجنے لگے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ پر بھیجا جاتا ہے۔ اس فرمان کو دیکھتے ہی سب کو حکم دو کہ صلوٰۃ تو انبیاء پر ہو اور عام مسلمین کے لیے دعا ہو۔ کوئی مسلمان ہو اس کے لیے دعا کی جائے۔"

واضح ہو کہ اس موطن (مقام پر) میں نبی اکرم ﷺ پر درود نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ وقت تبلیغ علم کا ہے۔ جسے نبی ﷺ لے کر آئے اور امت میں پھیلایا۔ اور امت کو بکثرت عطا فرمایا۔ نیز یہ وقت لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی سنت و طریق کی جانب دعوت کا ہے اور یہ امر سب اعمال سے افضل اور منفعت میں بندہ کے لیے دنیا و آخرت میں اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (حم السجدة ٤١/ ٣٣)

"اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی

طرف بلایا اور نیک عمل اور کہا کہ میں مسلمان ہو۔"

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِيٓ أَدْعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِيۖ ﴾

(یوسف ۱۲/ ۱۰۸)

"تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔"

خواہ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں اور میرے تابعین اللہ کی طرف بروئے بصیرت بلاتے ہیں۔ ((اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ)) پر وقف کیا جائے اور پھر ((عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنْ)) پڑھا جائے (یعنی میں اور میرے تابعین بصیرت پر ہیں) یہ دونوں قول متلازم ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بتلا دیں کہ نبی ﷺ کا طریق اللہ تعالیٰ کی جانب بلانا ہے اور جو شخص لوگوں کو اللہ کی جانب بلاتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے سبیل پر ہے اور بصیرت پر بھی۔ نیز نبی ﷺ کے اتباع میں داخل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی جانب کے سوا اور طرف بلاتا ہے۔ وہ نہ سبیل رسول اللہ ﷺ پر ہے نہ بصیرت پر۔ نہ اتباع محمدیہ میں داخل۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب بلانا مرسلین کا وظیفہ ہے۔ یا ان کے اتباع کا جو امت کے اندر خلفاء ہوتے ہیں اور لوگ ان کا اتباع کیا کرتے ہیں اور جس طرح پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) کو حکم دیا ہے کہ جو نازل ہو اسی کو لوگوں تک پہنچا دیں اور آپ کی حفاظت اور مخلوق سے عصمت و صیانت کی ضمانت خود اللہ نے فرمائی ہے۔ اسی طرح جو علماء تبلیغ شریعت کرتے ہیں، ان کے ساتھ بھی حفظ و عصمت الٰہی شامل حال ہے۔ جس قدر کہ وہ دین پر قائم اور تبلیغ پر محکم ہیں۔ بے شک نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ کی جانب سے لوگوں کو پہنچایا جائے، گو ایک آیت ہی ہو اور پہنچانے والے کے لیے دعا فرمائی ہے۔ گو ایک حدیث ہی ہو۔ یاد رکھو کہ امت کو سنت کا پہنچانا دشمنوں کی چھاتیوں

پر پتھر لگانے سے افضل ہے۔ کیونکہ تیر افگنی تو بہت کر سکتے ہیں۔ مگر تبلیغ سنت صرف ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو وارث انبیاء اور امت کے خلفاء ہوتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو ان لوگوں سے بنائے)''

بے شک یہ لوگ ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے ان کی تعریف عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کی ہے۔ یہ خطبہ ابن وضاح نے اپنی کتاب الحوادث والبدع میں لکھا ہے۔ فرمایا:

«اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِيْ امْتَنَّ عَلَى الْعِبَادِ بِاَنْ جَعَلَ فِي كُلِّ زَمَانٍ فَتْرَةً مِّنَ الرُّسُلِ بَقَايَا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ يَدْعُوْنَ مَنْ ضَلَّ اِلَى الْهُدٰى وَيَصْبِرُوْنَ مِنهُمْ عَلَى الْاَذٰى وَيُحْيُوْنَ بِكِتَابِ اللهِ اَهْلَ الْعَمٰى كَمْ مِّنْ قَتِيْلٍ لِاِبْلِيْسَ قَدْ اَحْيَوْهُ وَضَالٍّ تَائِهٍ قَدْ هَدَوْهُ بَذَلُوْا دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ دُوْنَ هَلَكَةِ الْعِبَادِ فَمَا اَحْسَنَ اَثَرُهُمْ عَلَى النَّاسِ وَاَقْبَحَ اَثَرُ النَّاسِ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُوْنَهُمْ فِي سَالِفِ الدَّهْرِ وَاِلَى يَوْمِنَا هٰذَا فَمَا نَسِيَهُمْ رَبُّكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا جَعَلَ قِصَصَهُمْ هُدًى وَاَخْبَرَ عَنْ حُسْنِ مَقَالَتِهِمْ فَلَا تَقْصُرُ عَنْهُمْ فَاِنَّهُمْ فِيْ مَنْزِلَةٍ رَفِيْعَةٍ وَاِنْ اَصَابَتْهُمُ الْوَضِيْعَةُ»

''تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندوں پر احسان کیا کہ رسولوں کے زمان فترت میں ایسے اہل علم باقی رکھے جو گمراہ کو ہدایت کی طرف بلائیں اور اس راہ میں صبر کے ساتھ اذیت اٹھائیں۔ کور چشموں کو کتاب اللہ کے ساتھ حیات بخشیں۔ بہت ایسے ہیں جن کو ابلیس اپنے ہاتھوں سے کشتہ بنا چکا تھا، مگر اہل علم نے ان کو از سر نو زندگی دی اور بہت ایسے ہیں جو ضلالت میں سرگرداں تھے۔ انہوں نے ان کو ہدایت پر ڈالا لوگوں کو ہلاکت سے بچایا اور اپنی جان و مال کو معرض خطر میں ڈالا۔ اللہ اکبر۔ لوگوں کے ساتھ ان کے کیسے اچھے سلوک ہیں اور لوگوں کا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا برا ہے کہ قدیم سے لے کر آج تک ان بزرگواروں کو قتل ہی کرتے آئے۔ لیکن اللہ ان کے کرتوت نہیں بھولا اور نہ بھول اللہ کو ہو ہی سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان

کے قصہ کو ہدایت بنایا ہے اور ان کے پاکیزہ کلام کی خبر دی ہے دیکھ تو ان سے کوتاہی نہ کرنا۔ کیونکہ یہ نہایت بلند درجہ پر ہیں۔ گو فرومایہ لوگ ان کو ناکس خیال کیا کریں۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

"ایک بدعت کے وقت جو اسلام میں اپنا پاؤں نکالے۔ اللہ کا ایک ولی ہوتا ہے جو اسلام سے اسے دور کرتا اور اس کی علامات میں گفتگو کرتا ہے۔ پس تم ان مواطن کی حضوری کو غنیمت سمجھو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اس بارے میں تم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد کافی ہے جو علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا تھا۔ نیز معاذ رضی اللہ عنہ کو کہ اگر اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت کر دے تو یہ بات تیرے لیے شتران سرخ سے بہتر ہے۔"

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

"جس شخص نے میری سنت سے کوئی شے زندہ کی۔ میں اور وہ جنت میں اس طرح پر ہوں گے اور اپنی دو انگلیوں کو ملایا۔"

نیز یہ ارشاد کہ:

"جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا اور اس نے پیروی کی تو اس کو ثواب ہو گا۔ اس شخص کے موافق جو اس پر عمل کرتا رہے گا۔ یوم قیامت تک۔"

دیکھو یہ فضل عظیم اور لذت جسیم عامل اپنے عمل سے کہاں پا سکتا ہے یہ تو اس کا فضل ہے۔ جسے چاہے اسے دے۔

غرض جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے کلام کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے اور تمجید کے ساتھ کھولے' وحدانیت کا اعتراف کرے اور اس کے جو حقوق بندوں پر ہیں انہیں بیان کر دے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمجید و ثناء کرے اور ختم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کے درود پر کرے۔

**مقام : 23** دن کے اول و آخر درود پڑھنا بھی درود خوانی کے اوقات میں سے ہے۔ طبرانی نے بروایت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دس دفعہ صبح کے وقت اور دس دفعہ شام کے وقت مجھ پر درود پڑھا' قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہو گی۔"

ابو موسیٰ مدینی کہتے ہیں کہ اسناد حدیث میں بقیہ سے جرجس روایت کرتا ہے ان کا نام یزید بن عبداللہ ہے جرجس اس لیے مشہور ہو گیا کہ حمص میں کنیسہ جرجس کے متصل رہا کرتا تھا۔ جرجس کے سوا اور بھی اس حدیث کو بقیہ سے روایت کرتے ہیں۔

**مقام : 24** مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام صدور گناہ کے بعد ہے۔ جب اس کے کفارہ کا ارادہ ہو۔ ابن ابی عاصم نے کتاب الصلوٰۃ میں بروایت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارے لیے کفارہ ہے۔ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔"

اسی کتاب میں ابو کاہل رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابو کاہل! جو مجھ پر ہر ایک دن میں تین دفعہ اور ہر ایک رات میں تین دفعہ میری محبت اور شوق سے درود پڑھتا ہے' اللہ پر حق ہے کہ اس دن اور رات کے اس کے گناہ بخش دے۔"

پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ درود تمہارے لیے زکوٰۃ (ستھرائی اور پاکیزگی) ہے۔"

اسی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے اور یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ درود خوان کے حق میں درود زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ نمو و برکت و طہارت کی ضامن ہوتی ہے اور پہلی حدیث میں درود کو کفارہ فرمایا ہے۔ یہ محو گناہان پر شامل ہے۔ پس

دونوں حدیثیں بتلا رہی ہیں کہ نبی ﷺ پر درود پڑھنے سے نفس کو رزائل سے طہارت حاصل ہوتی ہے اور کمالات و فضائل میں نمو و کثرت عطا ہوتی ہے اور یہی دو شاخیں ہیں جن پر کمال نفس راجع ہوتا ہے۔ اس لیے صاف معلوم ہو گیا کہ نفس کو کمال بجز درود خوانی کے حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ درود نبی ﷺ کی لوازم محبت میں سے ہے اور یہی علامت ہے کہ بندہ نبی ﷺ کو دیگر تمام مخلوق پر اولیت دیتا ہے۔

**مقام : 25** اوقات درود میں سے ایک وقت تنگی و حاجت ہونے پر۔ یا ان کے خوف وقوع پر ہے۔ ابو نعیم نے جابر بن سمرۃ السوائی عن ابیہ سے روایت کی ہے کہ:

"ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے۔ ایک آدمی آیا اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک سب اعمال سے قریب تر کیا ہے۔ فرمایا "راست گفتاری اور ادائے امانت۔" میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) کچھ اور فرمایئے فرمایا "صلوٰۃ لیل اور صوم ھواجر [1] میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کچھ اور فرمایئے۔ فرمایا "جو شخص کسی قوم کی امامت کرائے وہ ہلکی نماز پڑھائے۔ کیونکہ جماعت میں بوڑھے، بیمار، کمزور اور ضرورتوں والے لوگ ہوتے ہیں۔"

**مقام : 26** مقامات درود میں سے ایک مقام نکاح کا خطبہ ہے۔ اسمٰعیل بن ابی زیاد نے سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ((اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ)) کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کی ثناء و مغفرت فرماتا اور فرشتوں کو نبی اکرم ﷺ کے لیے استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ ((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً)) مومنین کو بھی لازم ہے کہ نبی ﷺ کی ثناء نمازوں اور مسجدوں میں نیز دیگر مقامات پر اور خطبہ نکاح میں کیا کریں۔ بھولیں نہیں۔

---

[1] رات کی نماز اور ناغہ ڈال کر روزہ رکھنا۔

مقام : 27 | مقامات درود میں سے ایک مقام چھینکنے کا وقت ہے۔ طبرانی نے نافع سے روایت کی ہے کہ:

"میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ ان کے پہلو میں ایک شخص نے چھینکا اور کہا ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ)) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یوں تو میں بھی کہتا ہوں۔ ((اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ)) لیکن عمل یوں نہیں۔ ہم کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ جب چھینک آئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہا کریں۔"

طبرانی نے کہا کہ اس روایت کو جو سہل بن صالح انطاکی ولید سے روایت کرتا ہے' یہ اس روایت میں منفرد ہے اور ولید جو سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتا ہے۔ سو اس کے سوا اور کسی نے سعید سے یہ روایت نہیں کی۔ ترمذی نے اسی روایت کو اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔ بجز زیاد بن ربیع کے طریق کے۔

ابو موسیٰ مدینی کہتے ہیں کہ بروایت نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی روایت کی گئی ہے۔ ابو اسحاق نافع سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ایک شخص کو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چھینک آئی۔ ابن عمر نے فرمایا تو نے بخل کیا۔ کیوں نہیں تو نے الحمدللہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔"

پس اس طرف بھی ایک جماعت گئی ہے۔ جن میں ابو موسیٰ مدینی وغیرہ ہیں۔ اور دوسروں نے اس مسئلہ میں ان سے نزاع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چھینک کے وقت درود مستحب نہیں۔ یہ مقام صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حمد ہی مشروع فرمائی ہے۔ درود اگرچہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور افضل اعمال سے بھی ہے۔ تاہم ہر ایک ذکر کے لیے ایک مقام مخصوص ہوتا ہے۔ جہاں اس کی جگہ دوسرا ذکر نہیں لے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ درود رکوع و سجود اور قومہ میں مشروع نہیں۔ بلکہ صرف تشہد اخیر میں ہے۔ اس کے بعد یہ ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں کہ:

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا ذکر تین جگہ نہ کرو' طعام پر بسم اللہ پڑھتے ہوئے' ذبح اور چھینک کے وقت۔"

لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس میں تین علل ہیں:

① سلیمان بن عیسیٰ جو عبدالرحیم بن زید عمی سے روایت کرتا ہے۔ وہ اپنی روایت میں منفرد ہے۔

② عبدالرحیم بھی ضعیف ہے۔

③ اس حدیث میں انقطاع ہے۔

اس کے بعد بیہقی کہتے ہیں کہ ابواسحاق عن نافع کی روایت جسے فقیہ ابوطاہر نے روایت کیا ہے۔ چھینک کے وقت درود پڑھنے کے بارہ میں لکھی جا چکی ہے۔

**مقام : 28**

وضو سے فارغ ہو کر درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ ابوالشیخ نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ ابووائل سے حضرت عبداللہ کی حدیث روایت کی ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو سے فارغ ہو تو ((اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ)) پڑھے۔ پھر اس کے بعد مجھ پر درود۔ جب ایسا کیا تو اس کے لیے دروازہ ہائے رحمت کھولے جاتے ہیں۔"

یہ حدیث مشہور ہے اور اس کے طرق عمر بن خطاب' عقبہ بن عامر' ثوبان اور انس رضی اللہ عنہم سے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی میں درود کا ذکر نہیں ہاں صرف اسی روایت میں ہے۔ ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب میں مرفوعاً بیان کیا ہے کہ:

"جو شخص نبی اکرم ﷺ پر درود نہیں پڑھتا اس کا وضوء صحیح نہیں۔"

اس روایت میں عبدالمہیمن جو راوی ہے۔ اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی ہے۔

**مقام : 29**

گھر میں داخل ہوتے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ اس کو حافظ ابوموسیٰ مدینی نے بیان کیا ہے اور اس بارے میں ابوصالح کی روایت سے سند کے ساتھ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے

کہ:

"ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور فقر و تنگدستی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہہ۔ خواہ اس میں کوئی ہو یا نہ ہو۔ پھر مجھ پر سلام پڑھ۔ پھر ایک دفعہ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ پڑھ۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر رزق کی ریل پیل کر دی۔ یہاں تک کہ وہ ہمسائیوں اور قرابتیوں کو بھی دینے لگا۔

**مقام : 30** | جس مقام پر ذکر الٰہی کے لیے جمع ہو کر بیٹھیں، وہاں درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے کچھ سیر کرنے والے ہیں۔ جب وہ حلقہ ہائے ذکر پر پہنچتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتا ہے، بیٹھ جاؤ، جب یہ دعا مانگیں ہم آمین کہیں گے اور جب درود پڑھیں گے تو ان کے ساتھ پڑھیں گے۔ یہاں تک کہ فارغ ہو جائیں، پھر ایک فرشتہ دوسرے سے کہتا ہے۔ کیا خوش نصیب ہیں یہ اپنے گھروں کو ایسی حالت میں جائیں گے جب کہ ان کے گناہ بخشے گئے ہیں۔"

اس حدیث کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔

**مقام : 31** | جب کوئی شخص کسی چیز کو بھول جائے اور یاد کرنا چاہے تو اس وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ اس کو ابو موسیٰ مدینی نے ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں محمد بن عتاب المروزی کے طریق سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو۔ ان شاء اللہ وہ یاد آ جائے گی۔"

حافظ موسیٰ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو کتاب الحفظ والنسیان میں ہم نے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔

مقام : 32 | احتیاج کے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔

احمد بن موسیٰ نے سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جو شخص صبح کی نماز کے بعد کلام کرنے سے پہلے سو بار درود پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔ جن میں سے ۳۰ دنیوی اور ۷۰ اخروی ہوں گی اور مغرب کی نماز میں بھی اسی طرح ہے۔"

لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر درود کی کیفیت کیا ہے؟ فرمایا: «اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ» (۱۰۰ دفعہ)

ابراہیم بن جنید نے سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

"جب تو اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کرے تو پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثناء و مدح اس کی شان کے شایان کر۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود' پھر دعا ر حاجت۔ یہ طریق حاجت پورا ہونے کے لیے بہت ٹھیک ہے۔"

طبرانی نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"جس کو اللہ عزوجل سے کچھ حاجت ہو اسے چاہیے کہ سنوار کر وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ اللہ عزوجل کی ثناء اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کے بعد یوں کہے:

«لَاۤ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ ۔ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْأَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلاَمَۃَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ لاَ تَدَعْ لِيْ ھَمًّا اِلاَّ فَرَّجْتَہٗ وَلاَ تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلاَّ غَفَرْتَہٗ وَلاَ حَاجَۃً لَکَ فِیْھَا رِضًا اِلاَّ قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ»

حافظ ابن مندہ نے سند کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہر روز مجھ پر سو دفعہ درود پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔"

**مقام : 33** درود خوانی کے اوقات میں سے ایک وقت وہ ہے جب کان بولنے لگیں۔ اس کو ابوموسیٰ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابن ابی عاصم نے سند کے ساتھ حدیث کو روایت کیا ہے کہ:

"جب کسی کا کان بولنے لگے تو وہ مجھ پر درود پڑھے اور کہے ((ذَكَرَ اللّٰهُ بِخَيْرٍ مَنْ ذَكَرَنِيْ))

معمر نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ مگر اس کی روایت میں عبداللہ نہیں یعنی پہلی روایت میں ابو رافع اپنے بھائی عبداللہ سے روایت کرتا تھا اور وہ اپنے باپ سے اور اس روایت میں ابو رافع خود اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ذَكَرَ اللّٰهُ مَنْ ذَكَرَنِيْ بِخَيْرٍ ہے۔

**مقام : 34** مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام فرض نمازوں کے بعد ہے اور اس بارے میں بجز اس حکایت کے جسے ابوموسیٰ مدینی نے عبدالغنی بن سعید کے طریق سے سند کے ساتھ ابوبکر محمد بن عمر سے روایت کی ہے اور کوئی اثر و خبر نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا تھا۔ شبلی آئے ابوبکر کھڑے ہو گئے۔ معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے کہا:

"اے میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ اور تمام بغداد کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہا میں نے اس کے ساتھ وہ کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ شبلی سامنے آئے۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ شبلی کے ساتھ ایسی عنایت فرماتے ہیں۔ فرمایا "یہ نماز کے بعد ((لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ)) آخر تک پڑھا کرتا ہے اور پھر درود مجھ پر پڑھتا ہے۔"

دوسری روایت میں یہ ہے کہ:

"اس نے کوئی فرض نماز نہیں پڑھی لیکن اس کے آخر میں ((لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ)) آخر تک پڑھا اور تین دفعہ ((صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّد)) (صَلی اللّٰہ وسلم) پڑھا۔"

ابوبکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ پھر میں شبلی کے پاس گیا اور پوچھا کہ نماز کے بعد کیا ذکر کرتے ہو تو انہوں نے ایسا ہی بیان کیا۔

**مقام : 35** مقامات درود خوانی میں سے ایک ذبح کا وقت ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو مستحب کہتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے:

"کہ ذبیحہ پر بسم اللہ کہنا کافی ہے اور اگر اس پر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زیادہ کرلے تو بہتر ہے اور اس میں مکروہ نہیں سمجھتا۔ اگر بسم اللہ کے ساتھ صلی اللہ علی رسول اللہ بھی کہہ دیا جائے۔ بلکہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ہر ایک حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کثرت کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر درود کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت میں داخل ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جو درود اس موقعہ پر پڑھتا ہے اس کو اجر ملے گا۔ بیشک عبدالرحمٰن جو پیچھے سے پہنچے تو دیکھا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں پڑے ہیں۔ یہ کہتے ہیں' میں ٹھہر گیا۔ بہت دیر ہو گئی۔ پھر آپ نے سر اٹھایا۔ عبدالرحمٰن نے کہا' میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح سجدہ میں ہی قبض کرلی ہو۔ فرمایا' عبدالرحمٰن جب تو نے مجھے دیکھا ہے اس وقت جبریل مجھ سے ملے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے گا۔ میں اس پر رحمت بھیجوں گا۔ پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو مجھ پر درود بھول گیا۔ وہ جنت چھوڑ بیٹھا۔""

غرض امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر کلام کے اسباب و علل پیش کئے ہیں اور

دوسرے لوگوں نے ان کے ساتھ اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب ہیں۔ وہ اس وقت درود پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں جیسا کہ صاحب محیط نے ذکر کیا ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اھلال [1] لغیر اللہ کا ابہام پایا جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب مختلف ہیں۔

قاضی اور اس کے اصحاب تو مکروہ کہتے ہیں اور ابوالخطاب نے اس کی کراہت کو بڑے ضروری مسائل میں بیان کیا ہے اور ابن شاقلا نے مثل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مستحب کہا ہے۔ جو لوگ مکروہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ دو مقامات میں میرا حصہ نہیں۔ چھینک اور ذبح۔ پھر سلیمان بن عیسیٰ کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں۔ جس پر بحث لکھی گئی ہے کہ یہ ثابت نہیں۔

**مقام : 36** درود خوانی کا ایک مقام تشہد آخر کے سوا قرأت نماز کے اندر وہ جگہ ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آئے یا آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ ملٰئِکته یُصَلُّونَ علَی النَّبِیْ ﴾ پڑھی جائے۔ اس کو ہمارے اصحاب (حنبلیہ) وغیرہم نے ذکر کیا ہے کہ جب قرأت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام تک انسان پہنچے تو ٹھہر جائے اور درود پڑھے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

"جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا حکم ملے (یعنی آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ پر قاری پہنچے) تو چاہیے کہ ٹھہر جائے اور نوافل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر آگے چلے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص کر دیا ہے کہ جب نماز پڑھنے والا ایسی آیت پر پہنچے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو' اگر وہ نماز نوافل میں ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور درود پڑھے۔

---

[1] غیر کے نام ذبیحہ پر پکارنا۔ ذبیحہ کو غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا۔

**مقام : 37** مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مال نہ ہو تو وہ صدقہ کی بدل درود شریف پڑھے۔ تنگ دست سے یہ درود پڑھنا عوض صدقہ کے کفایت کرے گا۔ ابن وہب نے سند کے ساتھ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس صدقہ نہ ہو وہ اپنی دعا میں پڑھے:

«اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ»

یہی اس کے لیے زکوٰۃ ہے۔"

**مقام : 38** سونے کے وقت درود شریف پڑھنا بھی اوقات درود خوانی میں سے ہے۔ ابوالشیخ نے سند کے ساتھ ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: "جو شخص بستر پر لیٹ کر ((تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ)) پڑھے اور پھر کہے:

«اَللّٰھُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَامِ وَرَبَّ الْبَلَدِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّکْنِ وَالْمَقَامِ وَرَبَّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِحَقِّ کُلِّ آیَةٍ اَنْزَلْتَھَا فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بَلِّغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنِّیْ تَحِیَّةً وَسَلٰمًا»

"یا اللہ! مالک حلال و حرام کے اور مالک شہر حرمت والے اور مالک رکن اور مقام کے اور مالک مشعر الحرام کے بحق آیات قرآن مجید جن کو تو نے ماہ رمضان میں اتارا۔ روح مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جانب سے تحیت اور سلام بھیج۔"

چار دفعہ اس کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے ہیں اور کہتے ہیں یا محمد! فلان ابن فلان آپ کو ((اَلسَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ)) عرض کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((وَعَلٰی فُلَانٍ مِنِّی

السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ))۔"

حافظ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ اسناد میں جو محمد بن نشر راوی کا نام ہے۔ یہ نشر فتح نون کے ساتھ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابو قرصافہ کا ذکر ابن عبدالبر نے کتاب الصحابہ میں کیا ہے۔ ان کا نام جندرہ ہے۔ بنی کنانہ میں سے فلسطین میں آباد ہوئے تھے اور کہتے ہیں کہ تہامہ میں رہتے تھے اور محمد بن نشر مدنی ہے اور ازدی نے اس کو متروک الحدیث اور مجہول کہا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ علت حدیث یہ ہے کہ یہ مشہور امام ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

**مقام : 39** ہر ایک کلام خیر ذی بال کے وقت درود پڑھنا بھی مقامات درور خوانی میں سے ہے۔ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سے ابتداء کرے اور اس کے بعد اپنا کلام ذکر کرے۔ حمد سے ابتداء کرنے کے بارے میں تو مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ہر ایک کلام جس کی ابتداء حمد اللہ سے نہیں وہ بنی بریدہ ہے" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کے بارے میں ابوموسیٰ مدینی نے سند کے ساتھ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے ذکر اور میرے درود کے ساتھ نہیں وہ کلام اقطع اور ہر ایک برکت سے خالی ہے۔"

**مقام : 40** نماز عید کے درمیان میں درود پڑھنا بھی مقامات درود خوانی میں سے ہے۔ بیشک یہ مستحب ہے کہ نماز کے اندر اللہ کی حمد و ثناء کی جائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ:

"ولید بن عقبہ عید سے ایک روز پہلے ابن مسعود' حذیفہ' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کے پاس آیا۔ کہ عید قریب آگئی ہے اس میں تکبیر کیوں کر کہی جاتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز کو یوں شروع کر کہ پہلے تو تکبیر کہہ۔ جس سے نماز

شروع کی جاتی ہے۔ پھر اللہ کی حمد اور نبی ﷺ پر درود پڑھ اور دعا۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر قرأت پڑھ اور تکبیر کہہ کر رکوع کر۔ پھر (جب دوسری رکعت کے لیے) کھڑا ہو تو قرأت پڑھ اور حمد رب اور صلوٰۃ بر نبی ﷺ پڑھ اور دعا۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر تکبیر کہہ اور ایسا ہی کر۔ پھر رکوع کر۔ حذیفہ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما بولے کہ ابو عبدالرحمٰن نے ٹھیک بیان کیا۔"

واضح ہو کہ اس حدیث میں ہر دو قرأت میں موالات (اتحاد عمل) ہے۔ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی اور اس میں عید کی تکبیرات زائدہ تین تین ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور اس میں تکبیرات کے اندر حمد و صلوٰۃ کرنے کا ذکر ہے جو امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے۔ پس امام ابو حنیفہ نے تو اس حدیث کو عدد تکبیرات اور ہر دو تکبیرات میں موالات کے لیے کیا ہے اور امام احمد و شافعی نے تکبیرات میں ذکر کے مستحب ہونے کے بارے میں۔ اور واضح رہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک مستحب سمجھتے ہیں کہ صرف تکبیرات بغیر کسی ذکر کے کی جائیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نہ موالات و عدد میں لیتے ہیں نہ ذکر بین تکبیرات میں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

باب پنجم
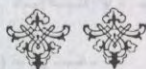
# ان فوائد اور ثمرات کا بیان جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں

① اللہ تبارک و تعالیٰ کی فرمانبرداری اور تعمیل حکم۔

② اللہ عزوجل کے ساتھ درود میں موافقت۔ گو نوعیت میں ہماری صلوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ مختلف ہوں۔ کیونکہ ہماری صلوٰۃ تو دعاء اور سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ ثناء و شرف کا بیان ہے۔

③ درود خوانی میں فرشتوں کے ساتھ موافقت۔

④ ایک دفعہ درود پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دس رحمتوں کا ملنا۔

⑤ ایک دفعہ کے درود پر دس درجات کا بلند کیا جانا۔

⑥ ایک بار درود شریف پڑھنے سے دس نیکیوں کا لکھا جانا۔

⑦ ایک درود کے پڑھنے سے دس گناہوں (بدیوں) کا محو کر دیا جانا۔

⑧ جب درود دعاء سے اول ہو تو اس دعاء کی قبولیت کی امید ہونا۔ کیونکہ درود شریف دعاء کو رب العالمین تک لے جاتا ہے اور بلا درود کے زمین و آسمان کے درمیان ہی دعاء روک لی جاتی ہے۔

⑨ درود خوانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پانے کا سبب ہے۔ جب درود کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سوال وسیلہ ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث رویفع لکھی جا چکی ہے۔

⑩ درود شریف گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔

(۱۱) درود شریف بندہ کے رنج و غم میں اللہ تعالیٰ کے کفایت کرنے کا سبب ہے۔
(۱۲) قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہونے کا سبب ہے (ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی جا چکی ہے)
(۱۳) تنگ دست کے لیے درود قائم مقام صدقہ ہے۔
(۱۴) قضاء حاجات کا وسیلہ ہے۔
(۱۵) اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائے رحمت کے حاصل کرنے کا سبب ہے۔
(۱۶) درود خواں کے لیے درود زکوٰۃ و طہارت ہے۔
(۱۷) موت سے پہلے بندہ کو بشارت جنت مل جانے کا سبب ہے۔ اس کا ذکر حافظ ابو موسیٰ نے اپنی کتاب میں کیا اور ایک حدیث بھی اس بارے میں لکھی ہے۔
(۱۸) قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا سبب۔ (ابو موسیٰ نے ذکر کیا اور حدیث لکھی ہے)
(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کو جواب دیتے ہیں۔
(۲۰) بھولی ہوئی شے درود سے یاد آجاتی ہے۔
(۲۱) مجلس درود سے پاکیزہ ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن وہ نشست اہل مجلس کے لیے حسرت نہیں بنتی۔
(۲۲) درود شریف سے فقر و تنگ دستی جاتی رہتی ہے۔
(۲۳) درود شریف پڑھنے کے طفیل بخیلی کی عادت بندہ سے دور ہو جاتی ہے۔
(۲۴) درود پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا رغم انف سے بندہ محفوظ ہو جاتا ہے۔
(۲۵) درود شریف درود خواں کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے اور جو درود کو ترک کرتا ہے وہ راہ بہشت چھوڑ بیٹھا ہے۔
(۲۶) مجلس کی سڑاند سے نجات دیتا ہے۔ کیونکہ جس مجلس میں ذکر الٰہی اور ذکر رسول نہ ہو' اور باری تعالیٰ کی حمد و ثناء اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ ہو وہ

سڑاند سے پاک نہیں ہوتی۔

۲۷ جو کلام حمد اللہ و صلوٰۃ بر مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شروع ہو' درود اس کے مکمل ہونے کا سبب ہے۔

۲۸ پل صراط پر بندہ کے لیے بے پناہ نور کا سبب درود شریف ہے (ابو موسیٰ نے حدیث بیان کی)

۲۹ درود پڑھنے سے بندہ جفاء (بر رسول) سے نکل جاتا ہے۔

۳۰ درود شریف درود خواں کی ثناء حسن اہل زمین و آسمان کے اندر باقی رہنے کا سبب ہے۔ کیونکہ درود خواں کا سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء و اکرام اور شرف زیادہ فرمائے چونکہ جزا جنس عمل سے دی جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اسی نوع کی جزاء اس کو بھی ملے۔

۳۱ درود خواں کی ذات خاص اور عمل و عمرو دیگر اسباب مصالح میں برکت کا باعث ہے۔ کیونکہ درود خواں کی دعا، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور ان کی آل پر برکت فرمائے۔ یہ دعا، بہرحال مستجاب ہے اور جنس کے موافق جزا دی جاتی ہے۔

۳۲ درود اللہ تعالیٰ کی رحمت پانے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ یا تو رحمت ترجمہ ہے صلوٰۃ کا جیسے بعض کا قول ہے۔ یا رحمت صلوٰۃ کے لوازم و موجبات میں سے ہے (یہی قول صحیح ہے) بہرحال اس سے رحمت الٰہیہ درود خواں پر نازل ہوتی ہے۔

۳۳ درود سبب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دوام و اضافے اور افزونی کا اور یہ صفت مراتب ایمان میں سے ایک مرتبہ ہے جس کے بغیر ایمان کامل و اکمل نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان جس قدر زیادہ محبوب کا ذکر کرے گا' محبوب اور اس کی خوبیوں کو یاد رکھے گا اور ان مضامین کو جو محبت بھڑکا دینے والے ہیں پیش نظر رکھے گا' اسی قدر اس کی محبت بڑھے گی' اور شوق کامل ہو گا۔ حتیٰ کہ تمام دل پر چھا جائے گا۔ لیکن جب ذکر چھوڑ دے اور اس کے محاسن کو دل میں جگہ نہ دے تب محبت کم ہو جائے گی۔ یہ یاد رکھو کہ جس طرح آنکھ کی ٹھنڈک

دیدار یار ہے۔ اسی طرح دل کی تسکین اس کی اور اس کے محاسن کی یاد ہے۔ جب یہ صفت دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو زبان خود بخود مدح اور ثناء میں جاری ہو جاتی ہے اور محبوب کی تعریف و محامد برابر بیان کیا کرتی ہے اور اس صفت میں کمی و بیشی اصل محبت کی کمی بیشی کے موافق ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حسن و مشاہدہ اس پر شاہد ہے اور شعراء نے اس بارے میں بہت کچھ لکھا ہے ؎

عَجِبْتُ لِمَنْ یَقُوْلُ ذَکَرْتُ حِبِّیْ

وَهَلْ اَنْسٰی فَاَذْکُرُ مَنْ نَّسِیْتُ

یاد جاناں کیا دلاتے ہو ہمیں

جو نہیں بھولا ہے اس کی یاد کیا؟

شاعر کو اس پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ محبوب کی یاد کوئی شخص اسے دلائے۔ وہ کہتا ہے کہ یاد دلانا تو نسیان کے بعد ہوتا ہے اور تکمیل محبت کے بعد نسیان نہیں ہو سکتا۔ دوسرا شاعر کہتا ہے:

اُرِیْدُ لاَنْسٰی ذِکْرَهَا فَکَاَنَّمَا

تَمَثَّلَ بِیْ لَیْلٰی بِکُلِّ سَبِیْلِ

نہیں ممکن بھلا دوں یاد لیلیٰ کو اگر چاہوں

کہ ہر کوچہ گلی میں اس کی ہی تصویر پھرتی ہے

اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت نسیان کی مانع ہے۔ متنبی کہتا ہے ؎

یُرَادُ مِنَ الْقَلْبِ نِسْیَانُکُمْ

وَتَأْبِی الطِّبَاعُ عَلَی النَّاقِلِ

بھول جاؤں بظاہر یار کے انداز سب

پر طبیعت اس بناوٹ پر بھلا جمتی ہے کب

اس شعر میں شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یار کی محبت اور یاد طبیعت بن گئی۔ اور داخل

فطرت ہو گئی ہے۔ اب اگر اس کے خلاف ارادہ بھی کریں تو طبیعت ادھر جانے سے انکار کرے گی۔ ایک مشہور کہاوت ہے جس کو؎

جو چیز ہوتی ہے پیاری
ذکر رکھتا ہے اسی کا جاری

رسول اللہ حبیب اللہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی جناب اشرف و اعلیٰ تو وہ ہے کہ شعر ذیل آپ کی آستان پر نہایت شایاں ہے؎

وَلَوْ شَقَّ عَنْ قَلْبِيْ فَرٰى وَسْطَهُ
ذِكْــرُكَ وَالتَّوْحِيْدُ فِي شَطْرِهِ

چیر کر دیکھ لے میرے دل کو
ذکر تیرا ہے اور اللہ کا نام
میں نے اس سینے کے اندر دل کے دو ٹکڑے کیے
نصف خالق کے لیے اور نصف ہے تیرے لیے!

بے شک مومن کے دل کی یہی صفت ہے کہ اس میں اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر ایسا لکھا ہوا ہوتا ہے کہ محو و ازالہ ممکن نہیں۔ پس یہ معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کا بکثرت ذکر اس کی دوام محبت کا باعث ہے اور عدم یاد آوری زوال یا ضعف الفت کا سبب۔

اور اللہ تعالیٰ بندوں کی جانب سے نہایت محبت اور نہایت تعظیم کا مستحق ہے اور شرک جسے اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر کو محبت و تعظیم میں باری تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جائے۔ یعنی غیر کی محبت اور تعظیم اس قدر کی جائے جس قدر کہ خاص اللہ کریم کی محبت و تعظیم کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۶۵)

”کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل

بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں' جیسی اللہ کے ساتھ گرویدی ہونی چاہیئے حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔"

اس میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ مشرک غیر اللہ (( نِدْ )) کے ساتھ وہی محبت رکھتا ہے۔ جو محبت اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیئے اور بتلایا ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی محبت ہر شے سے افزوں اور برتر ہوتی ہے۔ دوزخ کے اندر گر کر دوزخی کہیں گے:

﴿ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾

(الشعراء۲۶/ ۹۷-۹۸)

"اللہ کی قسم! ہم صریح ضلالت میں تھے۔ جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔"

اور یہ ظاہر ہے کہ مشرکین کا اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر سمجھنا محبت' چاہت اور عبادت میں تھا۔ ورنہ اس بات کا تو کوئی بھی قائل نہیں کہ بت یا کوئی اور رب العالمین کے صفات و افعال میں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں بلکہ ان بت پرستوں کی پیدائش میں بھی اللہ تعالیٰ کے برابر ہیں۔

وجودیہ کا رد غرض یہ برابری محبت و عبادت میں تھی۔ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بد تر حال وہ لوگ ہیں جو ہر ایک شے کو وجود میں اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر ایک موجودہ کا کامل ہو یا ناقص وجود بتلاتے ہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ضلالت اور شقاوت کا حکم لگایا جو اپنے معبودوں کو صرف محبت میں اللہ کی برابری کا درجہ دیتے تھے اور اور اسی طرح قائل تھے کہ ان میں اور اللہ کریم میں اوصاف و افعال اور خلق میں بڑا تفاوت ہے۔ تو اندازہ کرو اس شخص کا جو اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات کے برابر ہر ایک چیز میں خیال کرتا ہے اور پھر اس پر یہ زعم کہ اس نے تمام معبودوں میں سے بجز اللہ کے دوسرے کی عبادت نہیں کی۔

خیر ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ جب دوام ذکر دوام محبت کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کمال محبت و عبودیت و تعظیم و اجلال کا مستحق تر ہے۔ تو کثرت ذکر بھی بندہ کے لیے

نافع تر ٹھہرا اور جو اس ذکر سے بندہ کو مانع ہو وہی اس کا اصلی دشمن بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کثرت ذکر کا حکم دیا ہے اور اس کو سبب فلاح ٹھہرایا ہے۔

فرمایا:

﴿ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٤٥)

"اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٤١)

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کو یاد کرنا بہت۔"

فرمایا:

﴿ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٥)

"اور بہت یاد کرنے والے اللہ کو مرد اور عورتیں۔"

فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (المنافقون٦٣/ ٩)

"اے ایمان والو! نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی ایسا کرے وہی لوگ ہیں خسارے میں آئے۔"

پھر فرمایا:

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٥٢)

"تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبقت لے گئے مفردین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! مفردین کون ہیں۔ فرمایا:

"اللہ کا ذکر کثیر کرنے والے۔"

ترمذی میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلاَ اُدُلُّكُمْ عَلَي خَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِكِيْكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ لَكُمْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا اَعَنَاقَكُمْ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ ذِكْرُ اللهِ»

"کیا میں تم کو نہ بتلا دوں جو سب اعمال میں بہتر ہے اور جو اللہ کے نزدیک بہت پاک ستھرا ہے اور جو درجات بلند کرنے میں زیادہ تر ہے اور جو سونا چاندی لٹانے سے بھی بڑھ کر ہے اور جو اس سے بھی بہتر ہے کہ تم دشمن سے ملو' ان کی گردنیں کاٹو اور اپنے سر کٹواؤ۔ سب نے عرض کی ہاں اے اللہ کے رسول! بتلا دیجئے فرمایا "اللہ کا ذکر۔"

یہ حدیث موطا میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کوئی عمل آدمی کا ایسا نہیں جو اس کو عذاب الٰہی سے نجات دلانے میں اللہ کے ذکر سے بڑھ کر ہو۔

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کا تابع اور ساتھ ملا ہوا ہے اور مقصود یہ ہے کہ دوام ذکر دوام محبت کا سبب ہے اور ذکر دل کے لیے ایسا ہے جیسے کھیت کے لیے پانی بلکہ مچھلی کے لیے پانی کہ اس کے بغیر زندگی ہی نہیں۔ اور ذکر کے اندر ذکر کی سب انواع داخل ہیں۔

1. اسماء کا ذکر' صفات کا ذکر اور ان افعال و صفات پر مدح اور ثناء کرنا۔
2. تسبیح' تحمید' تکبیر' تہلیل' تمجید اور بسا اوقات متاخرین کے نزدیک لفظ ذکر کا استعمال انہی معنی میں ہوتا ہے۔
3. احکام' اوامر اور نواہی کا ذکر۔ اور یہ ذکر اہل علم کا ہے۔ بلکہ ہر سہ اقسام کا ذکر ان کے لیے ہے اور افضل ذکر کلام اللہ کی تلاوت ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِى فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۱۲۴)

"جس نے میرے ذکر سے منہ پھیرا اس کے لیے تنگ روزی ہے اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

اس سے آگے چل کر اپنے کلام کا جو رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ ذکر کیا اور فرمایا:

﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكۡرِ ٱللَّهِۗ أَلَا بِذِكۡرِ ٱللَّهِ تَطۡمَئِنُّ ٱلۡقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الرعد١٣/ ٢٨)

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں نے اللہ کے ذکر سے اطمینان پکڑا۔ یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے ہی لوگوں کا اطمینان ہے۔"

ذکر الٰہی کی قسم میں دعا، اور استغفار و تضرع بھی داخل ہیں۔ پس ذکر کی یہ پانچ اقسام ہوئیں۔

(۴۴) کثرت درود کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو اس شخص سے محبت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس طرح پر درود شریف درود خواں کی کثرت محبت کا سبب ہے۔ ایسے ہی نبی ﷺ کی محبت کو اپنی جانب کر لینے کا بھی باعث ہے۔ یہ شخص نبی ﷺ سے محبت رکھتا ہے تو نبی ﷺ بھی اسے چاہیں گے۔

(۴۵) درود خوانی انسان کی ہدایت اور حیات قلب کا سبب ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ درود پڑھے گا اور ذکر مبارک اس کی زبان پر آئے گا۔ اسی قدر محبت بھی دل پر غالب آ جائے گی۔ یہاں تک کہ دل میں کوئی شے ایسی باقی نہ رہ جائے گی جو آپ کے اوامر کا معارضہ کرے یا آپ کی تعلیم پر شک ہونے دے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی ہدایات اور تعلیمات اس کے دل پر روشن تحریر کے ساتھ لکھی جاتی ہیں اور جس قدر وہ آپ کے احوال میں غور کرتا ہے۔ اتنا ہی گویا لوح دل کی اس تحریر کو پڑھتا رہتا اور اس سے ہمیشہ ہدایت و فلاح اور انواع علوم کا اقتباس کرتا رہتا ہے۔ اب جس قدر اس کی بصیرت بڑھتی اور قوت معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اسی قدر زیادہ درود شریف کو بڑھاتا رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل علم و عارفین سنت و ہدایت نبوی اور متبعین احکام کی درود خوانی

اور ہے اور عوام کی (جو سنت سے سرتابی کرنا اور شور مچانا ہی جانتے ہیں) درود خوانی اور عارفین سنت تابعین ملت عالمین ہدایت کی درود خوانی اور ہی قسم کی ہے۔ کیونکہ ان کو جس قدر زیادہ تعلیم نبوی کی معرفت حاصل ہوتی جائے گی، اسی قدر ان کی محبت بھی بڑھتی جائے گی۔ اور اسی قدر ان پر درود شریف کی حقیقت جو اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے کھلتی جائے گی۔ اور اس حقیقت کا عرفان ہوتا جائے گا۔ یہی حال ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کا کہ جس قدر زیادہ بندوں کو عرفان ہو گا اور جس قدر زیادہ اس میں اطاعت اور محبت کا مادہ ہو گا۔ اسی قدر اس کے ذکر کو غافلین کے ذکر سے امتیاز حاصل ہو گا۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو حس سے معلوم ہوتا ہے، صرف خبر سے نہیں۔ دیکھو ایک تو وہ شخص ہے جو جوش محبت سے محبوب کی صفات کا ذکر اور اس کی ثناء و تمجید کرتا ہے جس کے دل پر محبت قبضہ کئے ہوئے ہے۔ اور ایک وہ ہے جو صرف قرائن سے ذکر کرتا ہے۔ یا ایسے لفظ بولتا ہے جن کے معنی وہ نہیں جانتا۔ وہ تعریف کرتا ہے مگر زبان کے ساتھ دل موافقت نہیں رکھتا۔ ان دونوں میں جو تفاوت ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔ ٹھیک وہی فرق ہو گا جو اجرت پر رونے والی اور پسر مردہ پر رونے والی میں فرق ہوتا ہے۔

الغرض یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اور نبی ﷺ کی تعلیمات کی یاد اور اللہ تعالیٰ کی حمد اس نعمت پر کہ آپ کو ہمارا سردار بنایا اور آپ کی رسالت سے جملہ مخلوقات پر احسان عظیم فرمایا۔ زندگانی وجود اور حیات قلب ہے۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے ؎

رُوْحُ الْمَجَالِسِ ذِكْرُهُ وَحَدِيْثُهُ
وَهُـــدًي لِكُلِّ مُلَدَّدِ وَحَيْرَانِ
وَإِذَا اَضَلَّ بِذِكْرِهِ فِي مَجْلِسٍ
فَأُوْلَئِكَ الاَمْوَاتُ فِي الْحَيَّانِ

مجلسوں کی جان ہے ذکر و احادیث رسول
بھولے بھٹکوں کو اسی سے رہ ہدایت کا ملا

بیٹھ کر مجلس میں بھولے آپ کا جو ذکر خیر
اس کو یہ سمجھو کہ زندوں میں ہے اک مردہ پڑا

(۳۶) درود خوانی ذریعہ ہے اس امر کا کہ درود خواں کا نام و ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کیا جائے اور اہل ایمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ اس دربار عالی میں اس کا نام لیا جائے۔ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

وَمَنْ خَطَرَتْ مِنْهُ بِبَالِكَ خَطْرَةً
حَقِيقٌ بِاَنْ يَّسْمُوَ وَاَنْ يَّتَقَدَّمَا

اللہ رے رسائی طالع کہ آج وہ
میری طرف ہیں چشم عنایت سے دیکھتے

دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

اَهْلاً بِمَا لَمْ اَكُنْ اَهْلاً لِمَوْقِعِهِ
قَوْلُ الْمُبَشِّرِ بَعْدَ الْيَأْسِ بِالْفَرَجِ
لَكَ الْبَشَارَةُ فَاخْلَعْ مَا عَلَيْكَ فَقَدْ
ذُكِرْتُ ثُمَّ عَلٰى مَا فِيْكَ مِنْ عِوَجِ

"اگرچہ میں اس بات کے قابل نہیں تھا لیکن پھر بھی اس اعزاز کو خوش آمدید کہتا ہوں کہ مجھے مایوسی کے بعد کشادگی کی خوش خبری ملی ہے۔"

"اس (حقیقت کے باوجود) کہ آپ کی باتیں آپ کی کج روی مجھے نہیں بھولی' میں آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیں۔"

(۳۷) پل صراط پر قائم و ثابت قدم رہنے اور اس سے صاف گذر جانے کا سبب بھی درود خوانی ہے۔ جیسا کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی روایت میں بیان کیا ہے کہ:
"میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو پل صراط سے گزر رہا تھا۔

کبھی سرین کے بل چل پڑتا ہے اور کبھی اس کے اوپر گر کر رہ جاتا ہے۔
اتنے میں میرے اوپر پڑھا ہوا درود پہنچا اور اس نے اسے قدموں کے بل کھڑا کر دیا۔ اور پار اتار دیا۔"

اس کو ابو موسیٰ مدینی نے روایت کیا ہے اور اسی پر اپنی کتاب ترغیب و ترہیب کی بنیاد ڈالی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بہت ہی حسن ہے۔

(۳۸) درود کا پڑھنا نبی ﷺ کے ادائے حق میں داخل ہے۔ گو حضور کے حقوق کے مقابلے میں یہ انتہائی کم ہے اور اس نعمت کی شکر گذاری میں شمار ہوتا ہے جو نبی ﷺ کے مبعوث ہونے سے ہم کو ملی ہے۔ گو نبی ﷺ کے حقوق و استحقاق اس قدر ہیں کہ ان پر کوئی شخص علم و قدرت اور ارادہ سے احاطہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ کرم ہے کہ بندوں کی جانب سے اس تھوڑی سی شکر گذاری اور ادائے حق پر خوشنودی کا اظہار فرما دیا ہے۔

(۳۹) درود کا پڑھنا ذکر الٰہی اور شکر ربانی اور اس نعمت و احسان کی معرفت کا ضامن ہے جو نبی ﷺ کی رسالت سے بندوں پر فرمایا ہے۔ پس درود خواں کے درود میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے اور رسول کریم ﷺ کا بھی اور التجا بھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے رسول کی جزا اپنی بارگاہ سے وہ عطا فرمائے جس کے نبی ﷺ اہل و شایان ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے ہم کو اللہ کی معرفت اور اسماء و صفات کی شناخت بتلائی اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات و خوشنودی کے طریق بتلائے اور لوگوں کو خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے اور سامنے حاضر ہونے کے بعد ہمارے ساتھ کیا کچھ معاملہ ہو گا۔ تو گویا درود تمام ایمان پر حاوی ہے اور اسی میں وجود رب کا جسے درود خواں پکار رہا ہے' اقرار بھی شامل ہے۔ اور علم و سمع قدرت و ارادہ اور دیگر صفات و کلام و ارسال رسول کی شہادت و تسلیم بھی ہے اور اسی میں نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا ان سب امور کی علم و تصدیق کا ضامن اور نبی ﷺ کی محبت کا مظہر ہے۔ اس لیے یہ افضل اعمال بھی ٹھہرا۔

(۴۰) ہماری جانب سے نبی اکرم ﷺ پر درود کا پڑھا جانا گویا دعا ہے اور جو دعا و سوال

بندہ اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

1 اپنی شبا روزی حاجات و مہمات کا سوال۔ پس یہ دعاء سوال تو بندہ کی جانب سے اپنے ہی مطلوب تک ہے۔

2 یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب و خلیل کی ثناء فرمائے اور اس کی شرف و تکریم کثرت سے کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو وسعت و رفعت دے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اسے پسند کرتے ہیں۔ گویا درود خواں نے اپنے سوال و رغبت و طلب کو اللہ و رسول کی پسندیدگی کی طرف پھیر دیا ہے اور اپنی حاجات کو اس پر نثار کر دیا ہے اور یہی امر اس کے نزدیک جملہ امور سے زیادہ محبوب بن کر دل میں گھر کر گیا ہے۔ پس اس نے اپنی ضروریات و حاجات کو اللہ اور رسول پر قربان کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کی پسندیدگی کو ماسوا سے فائق ٹھہرایا ہے۔ چونکہ عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کو غیر سے ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو غیر پر ترجیح دیتا ہے۔ تم اس کی مثال بادشاہوں اور رئیسوں کے پاس رہنے والے لوگوں میں تلاش کرو کہ جب وہ تقرب و منزلت کے خواستگار ہوتے ہیں تو حاکم سے اس کے محبوب کے متعلق گفتگو کیا کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیئے اور جس قدر وہ اس کے محبوب کے اکرام و شرف کے بارے میں عرض کرتے رہتے ہیں' اسی قدر ان کا درجہ بڑھتا رہتا ہے اور قرب و منصب پاتے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ دیکھا کرتے ہیں کہ حاکم کے دل میں اپنے محبوب کی تشریف و تکریم و انعام کے کیسے کچھ ارادے ہیں۔ اس لیے ان ارادوں کی تائید میں جو شخص ایسی گفتگو کرتا ہے کہ ہاں ضرور اس محبوب پر انعام و احسان ہونا چاہیئے۔ وہی حاکم کو نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے۔ اگر تم یہ چاہو کہ اس شخص کا درجہ جو خاص اپنے لیے سوال کرتا ہے اور اس شخص کا درجہ جو خود حاکم کے ارادوں کی تائید میں اس کے محبوب پر انعام و احسان کے لیے کہتا ہے' برابر ہو جائے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس مثال کو سمجھ کر پھر بتلاؤ کہ جو شخص محبوب ترین سبحانی اور سزاوار ترین عنایات ربانی کا اعلیٰ درجہ کا محب و جان نثار اور

مداح ہے' اس کا کیا درجہ ہو گا۔ بے شک اگر درود خوانی میں اور کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ بجز اس ایک مطلوب کے تب بھی مومن کے لیے شرف و عزت کے اعتبار سے یہی کافی ہے۔ اس مقام پر ایک نکتۂ حسنہ بھی لکھا جاتا ہے اور جو شخص امت محمدیہ کو دین سکھلاتا' تعلیمات نبویہ سے آگاہ کرتا اور احکام الٰہی کی جانب بلاتا۔ پیروی کے لیے اٹھاتا اور اس راہ میں جو سختیاں آئیں ان پر صبر کرتا ہے۔ یہ نکتہ اسی کے کام کا ہے۔ وہ یہ ہے:

کہ نبی اکرم ﷺ کو علاوہ اپنے عمل پر اجر عطا ہونے کے آپ کی امت میں جس قدر لوگ اعمال صالحہ کریں گے ان کے اعمال کا بھی پورا اجر ملے گا۔

اب جو شخص لوگوں کو سنت و دین محمدی کی جانب بلاتا ہے اور امت کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اور اگر اس کا یہ کام اس نیت سے ہو کہ نبی ﷺ کے حصہ میں توقیر ہو جائے اور ہدایت یافتگان کے اعمال کے بہتر بدلے کے موافق نبی کے اجر میں ترقی ہو۔ (گو ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ ہو گا) تو ان شاء اللہ اس شخص کو بھی خلقت کی اس دعوت و ارشاد کا اجر اسی نیت کے موافق ملے گا۔

ذَٰلِكَ فَضۡلُ ٱللَّهِ يُؤۡتِيهِ مَن يَشَآءُۚ وَٱللَّهُ ذُو ٱلۡفَضۡلِ ٱلۡعَظِيمِ

## باب ششم
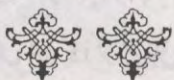
# نبی ﷺ کے سوا اور پر صلوٰۃ و سلام کا ذکر

واضح ہو کہ انبیاء اور مرسلین کے لیے صلوٰۃ و سلام کا اطلاق ہوا ہے۔ لفظ سلام کی مثال ان آیات میں ہے:

﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۷۸۔۸۰)

"چھوڑا ہم نے پچھلے لوگوں میں اس پر سلام اوپر نوح کے دونوں جہان میں ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔"

فرمایا:

﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۱۰۸۔۱۰۹)

"اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم (علیہ السلام) پر۔"

﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ﴿١١٩﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٢٠﴾ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۱۱۹۔۱۲۰)

"اور ہم نے بعد کی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔ سلام ہے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر۔"

فرمایا:

﴿ سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ﴿١٣٠﴾ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۱۳۰)

"سلام ہے الیاس علیہ السلام ہے۔"

ان آیات سے واضح ہے کہ انبیاء و مرسلین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام ہے اور بندوں کو بھی ان پر سلام کا حکم ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے جس میں قتادہ و مجاہد بھی ہیں' سلام سے مراد ثناء حسن اور لسان صدق لی ہے۔ لیکن دونوں ایک ہی قول ہیں۔ جو یہ کہتا ہے کہ بعد میں ان کے لیے سلام چھوڑا گیا۔ وہ تو نفس سلام کو مراد رکھتا ہے اور چونکہ ((سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ)) جملہ ہے موضع نصب میں ((تَرَکْنَا)) کے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عالم حضرت نوح اور انبیاء مابعد پر سلام بھیجتے ہیں اور جس نے لسان صدق و ثناء حسن سے تفسیر کی ہے' اس نے سلام کے لوازم و موجبات کو لے لیا ہے۔ یعنی ان کی صفت و ثناء کرنا اور جب ذکر آئے تو سلام بھیجنا اور یہی مراد لسان صدق سے ہے۔ ایک گروہ ابن عطیہ وغیرہ کا قول ہے کہ اگر یہاں اسلام کی تفسیر ثناء حسن و لسان صدق سے کی گئی تو اس حالت میں ((سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ)) جملہ ابتدائیہ ہو گا جس کا اعراب کے اعتبار سے کوئی محل نہیں۔ یہ تو اللہ کا سلام ہے جو ان پر کہا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سلام تو ہر دو عالم میں نوح علیہ السلام کے لیے امن ہے کہ ہر شخص اس کو یاد رکھے۔ یہ طبرانی کا قول ہے اور اس کو یہ تقویت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تعلق اخریٰ اور عالمین سے بتلایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول کہ: "اللہ تعالیٰ نے ان پر ثناء حسن کو باقی رکھا ہے۔"

مگر یہ قول چند وجوہ سے ضعیف ہے:

① اس سے لازم آتا ہے کہ ((ترکنا)) کا مفعول حذف کیا گیا ہے۔ بریں تقدیر کلام میں کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے پچھلوں میں سے اس پر چھوڑا۔ مگر نہیں بتلایا کہ کیا۔ کیونکہ اس قائل کے نزدیک لفظ سلام تو ماقبل سے منقطع ہے اور فعل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

② اگر مفعول حذف کیا گیا تھا تو ضروری تھا کہ دوسری جگہ اس کا ذکر بھی کیا جاتا تاکہ حذف ہو کر اپنی مراد پر دلالت کرتا رہتا سب جگہ ہی حذف جائز نہ رکھا جاتا۔

قرآن مجید بلکہ ہر ایک کلام فصیح کا طریق بھی یہی ہے کہ ایک شے کا ایک جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اسے حذف۔ کیونکہ محذوف پر مذکور کی دلالت رہتی ہے۔ قرآن مجید میں بسا مقامات پر تو ذکر پایا جائے گا اور حذف کم۔ لیکن یہ صورت بالکل حذف ہی ہو اور ذکر ایک جگہ بھی نہ ہو اور کوئی لفظ اس پر دلالت بھی نہ کرے۔ یہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔

③ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ((وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الاٰخِرِيْنَ سَلٰمًا)) نصب کے ساتھ ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ خود سلام ہی باقی چھوڑا گیا ہے۔

④ اگر سلام کو عبارت ما قبل سے منقطع سمجھیں تو یہ فصاحت و جزالت کلام میں خلل پیدا کرتا ہے اور جو خوبی ما قبل سے متعلق رکھنے میں ہے' وہ جاتی رہتی ہے۔ تم ذرا تامل کرو کہ جب سامع ((وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخَرِيْنَ)) سنے گا تو اس کی کیا حالت ہو گی اور اس کے دل میں پورا جملہ سننے اور خبر معلوم کرنے کا کس قدر شوق ہو گا اور کیسی للچاہٹ سے چاہے گا کہ میوۂ نتیجہ چکھ لوں۔ لیکن اگر یہ سمجھ لیں کہ کلام تمام ہو گیا' تب کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا اور سامع کا شوق اتمام کے لیے ویسا ہی باقی رہتا ہے اور شے متروک کی دریافت کی لگن لگی رہتی ہے۔ پس آخرین پر وقف تام نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ اس باب کا مفعول حذف کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں ترک بمعنی اعطی ہے اور باب اعطی سے جائز ہے کہ دونوں مفعول حذف کر دیئے جائیں یا دونوں بیان کیے جائیں یا ایک حذف کر دیا جائے۔ مثلاً ﴿ اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴾ میں دونوں مفعول ہیں اور ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى ﴾ میں دونوں حذف ہیں۔ ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ ﴾ میں ایک کا ذکر کر کے دوسرا حذف کر دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اعطی فعل مدح ہے۔ جس سے عطا کنندہ کی عطا کا عطا یافتہ کو ملنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ہر دو مفعول کا ذکر یا حذف یا ایک کا حذف جائز رکھا گیا ہے۔ تاکہ فعل سے جس قدر غرض مطلوب ہو اسی قدر ظاہر کرے۔ یعنی اگر مقصود یہ ہے کہ ماہیت اعطاء کی اطلاع دی جائے جو بندہ کو بخل و شح سے جدا کرنے والا اور منافی احسان سے روکنے والا ہے۔

تب تو صرف فعل لایا جاتا ہے۔ فرمایا ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى ﴾ (اس میں یہ نہیں بتلایا کہ کیا چیز دی) دعاء قنوت میں ہے۔ ﴿ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ﴾ چونکہ ان الفاظ سے مقصود عطا و منع میں اللہ تعالیٰ کا تفرد و یکتائی ثابت کرنا تھا۔ اس لیے شخص عطا یافتہ اور چیز عطا شدہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ذکر کرنا بلاغت اور کمال معنی میں خلل انداز تھا اور جہاں یہ مقصود تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کسی عطیہ کے پانے میں ظاہر کی جائے' وہاں دونوں مفعول بیان کئے۔ کیونکہ ﴿ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴾ فرمانے کے بغیر مقصود پورا نہ ہو سکتا تھا۔ اہل نار کے قول میں فرمایا ﴿ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴾ یہاں مقصود یہ تھا کہ اہل نار نے بخل کیا اور مستحقین کو حق نہ پہنچایا۔ اس لیے مسکین کا ذکر فرمایا اور ذکر مطعوم چھوڑ دیا۔ قرآن مجید کے اس طریقہ پر جو کوئی غور کرے گا اور دیکھے گا کہ کیونکر اہم مقصود کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرے کو حذف کر دیا جاتا ہے تو اسے ابواب اعجاز میں سے ایک باب ملے گا اور کمال فصاحت کا دروازہ اس پر کھل جائے گا۔

رہا فعل ترک۔ اسے ان میں کوئی بات حاصل نہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ مدح نہیں کی اور اگر یوں کہیں کہ فلان ((یترک)) تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا چیز مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ((فلان یعطی)) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی معطی ایک اسم ہے۔ لہٰذا ترک کا قیاس اعطی پر کرنا بہت غلط قیاس ہے اور ((سَلاَمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعَالَمِيْنَ)) تو جملہ محکیہ ہے۔ زمخشری کا قول ہے کہ آخری امم میں جو کلمہ ان پر چھوڑا گیا ہے وہ سلام بر نوح ہے۔ یہ کلام محکی ہے۔ جیسے کوئی کہے قرأت سورة انزلناها

⑤ اللہ تعالیٰ نے ((سَلاَمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعَالَمِيْنَ)) فرمایا ہے۔ پس وہ سلام یہی ہو سکتا ہے جو سب ان پر بھیجتے ہیں اور ان کی ثناء کرتے ہیں۔ رہا اللہ تعالیٰ کا سلام وہ عالمین کے اندر مقید نہیں۔ اسی لیے یہ بھی مشروع نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ سے یوں سوال کیا جائے کہ ((اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ فِى الْعَالَمِيْنَ)) لیکن اگر یہ سلام اللہ کا سلام ہوتا تو ضرور اس طریق پر اللہ سے اس کا طلب کیا جانا مشروع بھی ہوتا۔

رہا ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عالمین میں سلام کیا اور آخر میں باقی

چھوڑا۔ سو اللہ تعالیٰ نے جمیع انبیاء و رسل پر سلام اور ثناء حسن پس آیندگان میں باقی رکھی ہے۔ کیونکہ انہوں نے پروردگار کے احکام کو پہنچایا اور اللہ کی راہ میں تکلیف و اذیت کو برداشت فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو کچھ ان کے لیے رکھا گیا ہے۔ وہ جملہ عالمین میں عام ہے اور یہ تحیت ایسی ہے جس سے کوئی قوم خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تحیت کو ملائکہ اور جن و انس میں مداومت بخشی ہے اور ہر طبقہ و ہر زمانہ میں ان کے صبر اور قیام برحق کی جزاء عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل ارض کی طرف بھیجا اور باقی مرسلین ان کے دین پر مبعوث کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ۞ شَرَعَ لَكُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِۦ نُوحًا ﴾ (الشوری ۴۲/ ۱۳)

"تمہارے لیے دین میں وہی مشروع کیا جس کی وصیت نوح علیہ السلام کو کی تھی۔"

رہا ان کا یہ کہنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ سو انہوں نے سلام سے ثناء حسن اور لسان صدق کے مراد لینے میں گویا سلام کے معنی اور فائدہ کو بیان فرما دیا ہے۔

رہا انبیاء پر صلوٰۃ کا ہونا۔ اس کے متعلق اسمٰعیل نے سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلُّوْا عَلٰى اَنْبِيَاءِ اللهِ وَرُسُلِهِ فَاِنَّ اللهَ بَعَثَهُمْ كَمَا بَعَثَنِيْ»

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یا بقول انس رضی اللہ عنہ عن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث ہے۔

حافظ ابو موسیٰ مدینی کہتے ہیں کہ:

"مجھے اسناد کے ساتھ بعض سلف سے پہنچا ہے کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ گویا شکایت کر رہے ہیں کہ ان کی اولاد ان پر درود کم بھیجتی ہے۔ (صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ)

ایک سے زیادہ علماء نے اس مسئلہ پر اجماع کیا ہے کہ جملہ انبیاء پر صلوٰۃ مشروع ہے۔ شیخ امام نووی بھی ان میں سے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ:

"ہمارے نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے کے لیے صلوٰۃ نہیں۔"

اصحاب مالک نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جس طرح پر ہم کو نبی ﷺ پر صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح دیگر انبیاء کے لیے ہم کو حکم نہیں دیا گیا۔

غیر انبیاء پر صلوٰۃ کا مسئلہ: اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ غیر انبیاء پر صلوٰۃ کا استعمال فرماتے تھے۔

جن کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ واجب ہے۔ آل پر واجب ہونے کے بارے میں ان کے دو مشہور قول ہیں اور یہ دونوں طریقے شافعیہ کے ہیں۔

(۱) نبی اکرم ﷺ پر درود واجب ہے اور آل پر وجوب کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ یہ طریقہ تو امام الحرمین اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہما کا ہے۔

(۲) آل پر وجوب کی دو وجوہ ہیں اور یہ طریقہ ان کے نزدیک مشہور ہے اور جنہوں نے اس کی تصحیح کی ہے' وہ کہتے ہیں کہ آل پر درود واجب نہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب بھی آل پر وجوب صلوٰۃ میں مختلف ہیں اور دو وجوہ بیان کرتے ہیں اور اگر آل کی جگہ لفظ اہل بدل دیا جائے اور ((اَللّٰھُمَّ صِلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَھْلِ مُحَمَّدٍ)) کہا جائے تو اجزاء میں دو وجوہ ہیں۔

بعض شافعیہ نے اس مسئلہ پر اجماع بیان کیا ہے کہ صلوٰۃ آل پر مستحب ہے مگر اس بارہ میں کوئی اجماع ثابت نہیں۔

صرف آل پر درود ہو سکتا ہے یا نہیں: اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ)) کہا جائے۔ یہ صورت جواز ہے۔ کیونکہ آل میں نبی ﷺ بھی داخل ہیں اور گو یہاں لفظی طور پر آپ کا ذکر مبارک نہیں ہوا مگر معنی میں حضور ﷺ شامل ہیں۔

(۲) آل اطہار میں سے کسی ایک کا منفرد ذکر کیا جائے اور صَلِّ عَلٰی عَلِیٍّ یا صَلِّ عَلٰی حَسَنٍ وَ صَلِّ عَلٰی حُسَیْنٍ یا فَاطِمہ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ) وغیرہ کہا جائے تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

آل کے سوا اوروں پر صلوٰۃ: اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ سمجھا ہے اور فرمایا کہ گذشتہ زمانہ میں یہ عمل نہ تھا امام ابو حنیفہ و سفیان بن عیینہ و سفیان ثوری و طاؤس (رحمۃ اللہ علیہم) کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور پر صلوٰۃ شایاں نہیں۔ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ عکرمہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا صلوٰۃ کی صلاحیت دوسرے کو نہیں۔ ہاں مسلمان و مسلمات کے لیے دعا و استغفار ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز (مجدد اول) کا مذہب بھی یہی ہے۔ انہوں نے فرمان تحریر فرمایا تھا کہ قصہ خواں اور داستان گو لوگوں نے یہ بدعت نکال لی ہے کہ ملوک اور امراء کے لیے لفظ صلوٰۃ کا استعمال کرتے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اس تحریر کو دیکھ کر حکم دیا جائے کہ صلوٰۃ انبیاء کے لیے اور دعاء عام مسلمانوں کے لیے کرنی چاہیئے۔ اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر اس مسئلہ میں ان کے ہاں تین صورتیں ہیں۔

① ایسا کرنا منع تحریمی ہے۔

② مکروہ تنزیہی ہے۔

③ صرف ترک اولیٰ ہے۔

اذکار میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ذکر کیا ہے۔ لیکن جس پر اکثر کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

کیا سلام بمعنی صلوٰۃ ہے: ایک گروہ نے جس میں سے ابو محمد جوینی ہیں ((اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ یَا فُلَانٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ)) کہنے کو مکروہ سمجھا ہے اور علی علیہ السلام یا حسن علیہ السلام کہنے میں کراہت بیان کی ہے۔ مگر اور لوگوں نے صلوٰۃ و سلام میں فرق سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سلام تو ہر ایک مومن کے لیے زندہ ہو یا مردہ، حاضر ہو یا غائب مشروع ہے۔ چنانچہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو میرا سلام کہہ دینا۔ سلام تو تحیت اہل اسلام ہے۔ برخلاف صلوٰۃ کے جو رسول اور آل رسول (علیہ الصلوٰۃ

والسلام) کے حقوق میں سے ہے۔ دیکھو نمازی نماز میں ((اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِللّٰهِ الصَّالِحِيْن)) تو پڑھتا ہے مگر ((اَلصَّلَاةُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ)) کبھی نہیں پڑھتا ہے۔ اس سے سلام اور صلوٰۃ میں فرق معلوم ہو گیا۔ اس قول کی حجت چند وجوہ سے یہ ہے۔

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول جو ابھی لکھا جا چکا ہے۔

② نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و آل پاک کے سوا غیر پر صلوٰۃ کا استعمال اہل بدع کا شعار ہے۔

③ سلف امت کا اس پر عمل نہ ہونا جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حجت پکڑی ہے۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی خوبی ہوتی تو وہ ضرور اس پر سبقت کرتے۔

④ زبان امت پر لفظ صلوٰۃ کا یاد آوریٔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص ہونا۔ یعنی جس طرح اللہ پاک کے نام کے ساتھ عزوجل یا سبحانہ و تعالیٰ مخصوص ہو گئے ہیں اور کوئی شخص محمد عزوجل یا نبی سبحانہ وتعالیٰ نہیں بولتا اور جانتا ہے کہ خالق کا درجہ مخلوق کو نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح شایان نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ غیر کو دیا جائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اور کسی کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جائے گا۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ جب اس سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اوروں کی طرح پکارنا نہ چاہیئے تو صلوٰۃ میں بھی اور کا حصہ نہ چاہیئے۔

⑥ امت کے لیے مشروع یہ ہے کہ نماز میں صالحین پر سلام کریں اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ۔ اس سے واضح ہے کہ صلوٰۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا حق ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

⑦ قرآن مجید میں جس مقام پر صلوٰۃ بر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر حقوق اور خواص جو ذات مبارک سے ہی خصوصیت رکھتے ہیں، بیان فرمائے گئے ہیں۔ جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک خاص حق ہے اور آل بھی اس میں آپ کی تابع ہے۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے لیے

دعاء مانگیں استغفار کریں۔ حیات و ممات کے بعد ایک دوسرے پر ترحم کریں۔ نیز مشروع فرمایا کہ اپنے آقا نبی اکرم ﷺ پر آپ کی حیات میں نیز بعد حیات صلوٰۃ پڑھا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعاء مسلمانوں کا حق ہے اور صلوٰۃ نبی اکرم ﷺ کا۔ ایک کی جگہ دوسرے کے لیے نہیں۔ نماز جنازہ دیکھو کہ میت کے لیے دعاء مانگی اور سوال بخشش و رحمت کیا جاتا ہے۔ مگر صلوٰۃ اس پر کوئی نہیں بھیجتا اور ((اَللّٰھُمَّ صَلِّیْ عَلَیْہِ وَ سَلَّم)) کوئی نہیں کہتا۔ نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و درود پڑھا جاتا ہے اور اس کے عوض ((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِهُ وَارْحَمْه!)) نہیں بولا جاتا۔ غرض ہر ایک حقدار کو اس کا حق دینا چاہیئے۔

⑨ مومن کو بہت بڑی حاجت ہے کہ اس کے لیے مغفرت و رحمت اور عذاب سے دعائے نجات کی جائے۔ مگر نبی اکرم ﷺ ایسی دعاء کے محتاج نہیں۔ آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر احسان ہے کہ وہ اس درود خوانی سے کرامت و شرافت حاصل کر سکیں۔ برخلاف امت کے جس کا ہر فرد بجائے خود دوسرے کی دعاء مغفرت و رحم کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرع نے اہل ایمان کو ان کے درجہ پر ٹھہرایا اور جناب نبی کا منصب علیا نبی ﷺ کے لیے ہی خاص رکھا۔

⑩ اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر اطلاق صلوٰۃ ہو سکتا ہے تو یا تو اس ایک خاص امتی کی خصوصیت سمجھی جائے گی یا ہر ایک مسلمان کے لیے ایسا کرنا جائز ہو گا۔ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ تخصیص بلا مخصص ہے۔ اگر عدم خصوصیت کو مان لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ جس کو دعاء کا حق حاصل ہے اسے صلوٰۃ کا بھی ہے تو اس میں کل مسلمان شامل ہوں گے۔ حتیٰ کہ اہل کبائر بھی اور ((اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَهُ)) کی جگہ ان کو ((اَللّٰھُمَّ صَلِّیْ عَلَیْہِ)) کہنا بھی درست ہو گا۔ لیکن یہ محض باطل ہے۔ اگر صرف صالحین کے لیے جائز کہو گے تو نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور نہ اس کا کوئی ضابطہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا صالح یا غیر صالح ہونا ایک ایسا وصف ہے جو نفع و

نقصان سب کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ تو پھر کون سا ضابطہ ہے کہ امت میں سے فلاں شخص پر صلوٰۃ بھیج سکتے ہیں اور فلاں پر نہیں۔

غرض ان دس وجوہ سے صلوٰۃ کا نبی اکرم ﷺ سے مخصوص (آل نبی حضور کی تبعیت میں ہیں) ہونا معلوم ہو گیا۔

جن لوگوں کو اس میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی و آل نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غیر پر بھی صلوٰۃ جائز ہے۔ اس کو قاضی ابو الحسین بن فراء نے رؤوس مسائل میں بیان کیا ہے اور یہی قول حسن بصری و خصیف و مجاہد و مقاتل بن سلیمان و مقاتل بن حیان اور اکثر اہل تفسیر کا ہے اور یہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ روایت ابوداؤد میں اسی پر نص کیا ہے۔ چنانچہ ان سے سوال کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر بھی صلوٰۃ شایاں ہے۔ کہا کیا علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہ کہا تھا۔ ((صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ)) کہا یہ قول اسحاق بن راہویہ' ابوثور اور محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا ہے۔ ابوبکر بن ابوداؤد نے یہی قول اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔ قاضی ابوالحسین کہتے ہیں کہ اسی پر عمل ہے۔ ان کی حجت کی بھی بعض وجوہات ہیں۔

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ﴾

(التوبۃ۹/ ۱۰۳)

"اے نبی (ﷺ) تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو۔"

اس میں حکم ہے کہ امت سے صدقہ وصول کریں اور ان پر صلوٰۃ بھیجیں اور ظاہر ہے کہ خلفاء وائمہ نبی ﷺ کے بعد صدقہ وصول کیا کرتے تھے جس طرح خود آپ وصول فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے لیے بھی مشروع ہے کہ صدقہ دہندہ پر صلوٰۃ بھیجیں جیسے نبی اکرم ﷺ ان پر بھیجا کرتے تھے۔

② صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی قوم صدقہ لے کر آتی تو فرمایا کرتے ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ فُلَانٍ))

چنانچہ میرا باپ صدقہ لے کر آیا تو فرمایا «اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی» اور اصول یہ ہے کہ اس کو خاص نہ کیا جائے اور آیت بالا سے بھی یہی مراد ہے۔

③ حجاج نے سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر اور میرے شوہر پر صلوٰۃ فرمائیے۔ فرمایا «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ عَلٰى زَوْجِكَ» اس کو امام احمد نے اور سنن میں ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

④ ابن سعد نے کتاب الطبقات میں سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ کفنائے گئے تھے۔ جب قریب آ پہنچے تو فرمایا:

«صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ مَا اَلْقٰى إِلَى اللّٰهِ بِصَحِيْفَتِهٖ اَحَبُّ إِلَيَّ مَنْ هٰذَا الْمُسَجَّى بَيْنَكُمْ»

"اللہ تجھ پر صلوٰۃ بھیجے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نامہ اعمال لے کر نہیں ملا جو مجھے اس کفنائے ہوئے سے زیادہ محبوب ہو۔"

⑤ اسمٰعیل بن اسحاق نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جنازہ پر تکبیر کہتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور پھر کہا کرتے:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاغْفِرْ لَهُ وَاَوْرِدْهُ حَوْضَ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»

"الٰہی! اس میں برکت دے۔ اس پر صلوٰۃ بھیج۔ اسے بخش دے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر اسے وارد کر۔"

⑥ صلوٰۃ تو دعا ہے اور دعا کے لیے حکم و اجازت ہے۔ یہ دلیل ابوالحسین کی ہے۔

⑦ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا جب مومن کی روح نکلتی ہے، اسے دو فرشتے ملتے ہیں جو اوپر لے جاتے ہیں۔ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی پاکیزہ خوشبو کا ذکر کر کے کہا۔۔۔ اور آسمان کے باشندے کہتے ہیں۔ پاک روح

ہے جو زمین سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجھ پر اور تیرے جسم پر جسے تو نے آباد رکھا صلوٰۃ ہو۔

حدیث کو امام مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح موقوفاً ذکر کیا ہے۔ سیاق حدیث مرفوع ہونے پر دلالت رکھتا ہے۔ کیونکہ یوں ہے کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی سڑاند اور لعنت کا ذکر کیا تو آسمان والے کہتے ہیں کہ خبیث روح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اسے لے جاؤ (سجین میں) آخر وقت (قیامت) تک۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باریک کپڑا اپنی ناک پر ڈال لیا (یعنی سڑاند کے ذکر پر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ایک جماعت نے اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ان میں سے ابو سلمہ و عمر بن حکم۔ اسمٰعیل و سعید بن یسار وغیرہ ہیں۔ اس حدیث اور اس کے امثال پر پوری بحث کتاب الروح والنفس میں ہے۔

حدیث بالا میں دلیل یہ ہے کہ جب فرشتے روح مومن کو «صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ» کہتے ہیں تو مومنین کو باہم کہنا بھی جائز ہے۔

⑧ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰي مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ»

"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے پر۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى يُصَلِّى عَلَيْكُمْ وَمَلَٰٓئِكَتُهُۥ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۴۳)

"وہ صلوٰۃ بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے۔"

⑨ ابو داؤد میں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ»

"اللہ اور فرشتے صف کی داہنی طرف پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔"

دوسری حدیث میں ہے:

«إِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ الصُّفُوْفَ»

"اور فرشتے ان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں جو صفوں کو ملاتے ہیں۔"

شروع کتاب میں وہ حدیث لکھی جا چکی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ درود خواں پر ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

⑩ قاضی ابویعلیٰ نے اس حدیث مرسل سے حجت پکڑی ہے۔

«اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰي اَبِيْ بَکْرٍ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عُمَرَ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عُثْمَانَ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَلِيٍّ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰي اَبِيْ عُبَیْدَۃَ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ»

"الٰہی! ابوبکر و عمر' عثمان' علی' ابوعبیدہ' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پر صلوٰۃ بھیج۔ کیونکہ یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں۔"

⑪ مؤطا میں عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ قبر نبوی پر کھڑے ہوتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر صلوٰۃ بھیجتے۔" (یہ لفظ یحییٰ بن یحییٰ کے ہیں۔)

⑫ صلوٰۃ بر ازواج حدیث میں آ چکا ہے اور یہ حدیث ان لوگوں پر حجت ہے جو ازواج کو آل میں جن پر صدقہ حرام ہے' داخل نہیں کرتے۔ پس جب صلوٰۃ ان پر جائز ہے تو دیگر صحابہ پر بھی جائز ٹھہرا۔

⑬ ابویعلیٰ موصلی نے سند کے ساتھ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا سکھلائی اور حکم دیا کہ اپنے اہل کو بھی ہمیشہ پڑھنے کے لیے کہیں اور خود بھی اٹھ کر پڑھا کریں۔

«لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ۔ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِي یَدَیْکَ

وَمِنْكَ وَاِلَيْكَ ۔ اَللّٰهُمَّ مَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ أَوْ نَذَرْتُ مِنْ نَّذْرٍ وَحَلَفْتُ مِنْ حَلْفٍ فَمَشِيْتُكَ بَيْنَ يَدَيْهِ مَا شِئْتَ مِنْهُ كَانَ وَمَا لَمْ تَشَآءَ لَمْ يَكُنْ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِكَ أَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اَللّٰهُمَّ وَمَا صَلَّيْتُ مِنْ صَلٰوةٍ فَعَلٰى مَنْ صَلَّيْتَ وَمَا لَعَنْتُ مِنْ لَعْنٍ فَعَلٰى مَنْ لَعَنْتَ ۔ أَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَاَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ»

''حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں' حاضر ہوں اور فرمانبردار ہوں' تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور تجھ سے اور تیری جانب ہیں۔ یااللہ! جو قول میں نے کہا اور جو نذر میں نے مانی یا جو حلف میں نے کیا۔ سو تیری مشیت اس کے آگے ہے۔ جو تو نے چاہا وہ ہوا۔ جو نہ چاہا نہ ہوا۔ نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی توفیق تیری طرف سے ہے۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ یااللہ! جس پر میں نے صلوٰۃ بھیجی' یہ وہی ہے جس پر تو نے بھیجی۔ اور جس پر میں نے لعنت کی' یہ وہی ہے جس پر تو نے کی۔ تو دنیا و آخرت کا ولی ہے مجھے اسلام پر وفات دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔''

وجہ استدلال اس دعا سے یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے سوا دوسرے پر صلوٰۃ مشروع نہ ہوتی۔ تب اس سے استثناء صحیح نہ ہوتا کیونکہ جب بندہ اس پر صلوٰۃ کہتا ہے جو اہل و مستحق ہے تو پھر استثناء کیا کرے گا۔

گروہ اول کہتا ہے کہ جو دلیلیں تم نے بیان کی ہیں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ ان دلائل کی دو اقسام ہیں۔

ایک قسم: صحیح جس کا محل نزاع سے کچھ تعلق نہیں۔ اس لیے وہ ہم پر حجت نہیں۔
دوسری قسم: وہ ہے جس کی صحت معلوم نہیں۔ اس لیے وہ بھی حجت نہیں ہو سکتی۔
یہ امر تم پر بخوبی معلوم ہو جائیگا۔ جب ہر ایک دلیل کے متعلق بیان کیا جائے گا۔

تمہاری دلیل اول قرآن مجید کا لفظ وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ہے۔ لیکن اس پر تو بحث نہیں۔ کیونکہ بحث یہ تھی کہ آیا امت کو نبی اکرم ﷺ کے سوا اور پر صلوٰۃ بھیجنا مشروع

ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں یہ پیش کرنا کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی شخص پر صلوٰۃ فرمائی ہے۔ کیونکر اصلی جواب ہو سکتا ہے۔ یہ تو مسئلہ ہی جدا ہے۔

پہلا مسئلہ جس پر بحث ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جس صلوٰۃ کا حکم ہم کو دیا گیا ہے۔ آیا اس صلوٰۃ میں کوئی اور شخص بھی نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ صلوٰۃ نبی ﷺ کا حق ہے۔ جس کا ادا کرنا اور جس کی ادائیگی پر قائم رہنا امت پر متعین کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو اختیار ہے کہ اپنے حق کے اندر کسی کو مخصوص فرمالیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو کوئی نبی ﷺ کو گالی دے یا ایذا پہنچائے۔ اس کو قتل کر ڈالنا آپ کا ایک حق ہے۔ جو امت کو ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن خود نبی ﷺ ایذا دہندہ کو معاف فرما دیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آپ کو ایذا و تکلیف پہنچتی تو فرمایا کرتے۔

"اللہ رحم کرے موسیٰ علیہ السلام پر۔ ان کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔"

دوسری دلیل، جس میں آل ابی اوفیٰ پر صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ اور تیسری دلیل، جس میں ایک عورت اور اس کے شوہر پر صلوٰۃ کا ذکر ہے، کا بھی یہی جواب ہے۔

رہی چوتھی دلیل، کہ علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ کہا تھا۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے:

① جعفر بن محمد سے راویان حدیث نے روایت میں اختلاف کیا ہے۔ انس بن عیاض کی روایت میں یہ ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور سریر پر رکھا گیا تو علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی ثناء کی۔ الخ۔ محمد اور یعلیٰ نے اسی طرح روایت کی ہے اور لفظ «صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ» روایت نہیں کیا۔ ورقاء بن عمرو اور سلیمان بن بلال اور یزید ہارون کی روایتوں میں بھی یہ لفظ نہیں۔ عون بن ابی جحیفہ کی روایت میں رَحِمَكَ اللّٰہُ کا لفظ ہے۔ عارم بن الفضل نے سند کے ساتھ ایوب اور عمرو بن دینار اور ابی جھضم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں لفظ صلوٰۃ نہیں۔ اسی طرح قیس بن ربیع نے روایت کی ہے۔

② ابن سعد نے اس حدیث کی سند بیان نہیں کی۔ بلکہ طبقات میں یوں کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہم کو سفیان بن عیینہ سے خبر دی کہ میں نے اس حدیث کو سفیان سے سنا ہے اور اس میں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ کا لفظ ہے۔ سو یہ مبہم ہے اور ممکن ہے کہ وہ محفوظ نہ رکھ سکا ہو۔ اس لیے حجت نہیں۔

③ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے بھی مخالف ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے پر صلوٰۃ جائز نہیں ہے۔

رہی تمہاری پانچویں دلیل یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جنازہ میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ پڑھنا۔ اس کا جواب چند وجوہات سے یہ ہے:

① نافع بن ابو نعیم حدیث میں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ گو قرأت میں امام ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان سے قرآن لے لینا چاہیئے اور حدیث میں کچھ نہیں۔ اس روایت کے محفوظ نہ ہونے پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کو روایت نہیں کیا۔ بلکہ ایک اثر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ پس اگر یہ روایت حضرت نافع مولیٰ ابن عمر کے پاس ہوتی تب امام مالک بہ نسبت ابن ابی نعیم کے زیادہ واقف ہوتے۔

② قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کے خلاف ہے۔

رہی چھٹی دلیل کہ صلوٰۃ دعاء ہے اور دعاء ہر ایک مسلمان کے لیے مشروع ہے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے:

① یہ دعاء مخصوص ہے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس کا حکم ہے۔ دعاء و صلوٰۃ میں وہی فرق عظیم ہے جو امتی اور رسول میں ہے۔ مدعولہ (رسول) کے ساتھ الحاق صحیح نہیں تو دعائے مخصوص (صلوٰۃ) کے ساتھ بھی الحاق صحیح نہیں۔

② صلوٰۃ پر دعاء کا قیاس صحیح نہیں جیسے رسول پر غیر کا قیاس۔

③ صلوٰۃ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مشروع ہے۔ وہ صرف دعاء ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ دعاء سے بڑھ کر خصوصیت رکھتی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ آپ کی تعظیم و تمجید اور ثناء پر ضامن ہے۔

رہی ساتویں دلیل یعنی ملائکہ کا روح مومن کو صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ کہنا۔ یہ محل نزاع سے تعلق نہیں رکھتا۔ بحث یہ ہے کہ ہم کو غیر نبی پر صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں۔ رہے فرشتے وہ احکام تکلیف بشری کی تحت میں نہیں' نہ اعمال میں نہ افعال میں۔ کیونکہ کجا احکام ملک اور کجا احکام بشر۔ فرشتے تو اللہ کے رسول اس کے خلق و امر میں ہیں اور اسی کے حکم سے تصرف کرتے ہیں۔ اسی تقریر سے ہر ایک دلیل کا جواب جس میں فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے آگیا۔

رہا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مومنین اور معلم خیر پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ یہ بھی مقام بحث کے خلاف ہے۔ کیونکہ بندہ کے فعل کا قیاس پروردگار کے فعل پر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ بندہ کی صلوٰۃ تو بمعنی دعاء و طلب ہے اور اللہ کی صلوٰۃ بمعنی اکرام و تعظیم اور محبت و ثناء پس کہاں وہ صلوٰۃ اور کہاں یہ۔

رہی دسویں دلیل جس میں نبی اکرم ﷺ نے چند صحابہ پر صلوٰۃ فرمائی ہے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے۔

① صحت حدیث کا ہم کو علم نہیں اور نہ اس کی اسناد بیان کی گئی ہے۔ جسے ہم دیکھ لیتے۔

② یہ مرسل ہے۔

③ مقام بحث کے خلاف ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو تو اختیار ہے مگر ہم کو ایسا اختیار نہیں۔

رہی گیارھویں دلیل کہ ابن عمر روضہ منورہ پر کھڑے ہو کر نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر صلوٰۃ پڑھتے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے یہ ہے۔

① ابن عبدالبر نے کہا کہ اس روایت میں علماء نے یحییٰ بن یحییٰ اور ان کے اتباع پر انکار کیا ہے۔ امام مالک کی روایت میں یہ ہے کہ ابن عمر نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ پڑھتے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر دعاء کرتے۔ ابن قاسم و قعنبی و ابن بکیر وغیرہ نے مالک سے اسی طرح روایت کی ہے اور مؤطا ابن وہب میں بھی اسی طرح ہے۔ دیکھو اگر صلوٰۃ بمعنی دعاء ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ کے لیے لفظ صلوٰۃ اور شیخین کے لیے لفظ

دعاء کی تفریق کی ضرورت نہ تھی۔

② قاعدہ ہے کہ جب دو فعل ایک جگہ لاتے ہیں۔ تو ان کے لیے ایک لفظ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ گو وہ لفظ پہلے پر ٹھیک نہ آتا ہو۔ مثلاً آب و دانہ کھلایا۔ سیف و نیزہ لٹکایا۔ آنکھوں اور ابروؤں کو درست و ہموار بنایا ایسی مثالیں۔ جن میں یہی قاعدہ رکھا گیا ہے اور چونکہ ایک فعل دوسرے فعل سے جنس عام میں موافق تھا۔ اس لیے ایک لفظ پر ہی اکتفاء کی گئی۔ یعنی غذا میں گھاس پانی سے موافق ہے اور تلوار کا لٹکانا نیزہ کے اٹھانے سے۔ اسی طرح صلوٰۃ نبی دعاء شیخین سے طلب اور دعاء کے معنی میں موافق ہے۔

③ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اس روایت کے مخالف ہے۔

رہی دلیل بارہویں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر اطلاق صلوٰۃ ہوا ہے۔ بالکل فاسد ہے۔ کیونکہ ازواج آل کے اندر داخل ہیں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ کی اہل بیت اور ازواج اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ رہا یہ اعتراض کہ ہم ازواج پر صدقہ کا حرام ہونا نہیں مانتے۔ سو اس کا یہ جواب ہے کہ گو ازواج کا اس آل میں سے ہونا ثابت نہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ کیونکہ ان کو خون کی قرابت حاصل نہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ازواج اہل بیت میں ضرور داخل ہیں۔ جو مستحق صلوٰۃ ہیں اور ان ہر دو امور میں کوئی تضاد نہیں۔

رہی یہ دلیل کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں دوسرے پر صلوٰۃ جائز ہے اور اس جواز پر سب کا اتفاق ہے۔ اس کا جواب دو وجوہات سے یہ ہے:

① اس اتفاق کی صحت معلوم نہیں اور یہ تفصیل گو بعض نے کی ہے مگر سب کا قول نہیں بلکہ منع کرنے والوں نے تو مفرد اور تابع دونوں صورتوں میں منع کیا ہے۔

② یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اگر تبعیت میں جواز ہے تو مستقل اور مفرد حالت میں بھی ہے۔ رہا احادیث صحیحہ کا حوالہ سو صحیح حدیثوں میں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آل و ازواج کے سوا کسی پر صلوٰۃ کا ذکر نہیں۔ نہ اصحاب کا ذکر ہے نہ اتباع کا۔ رہا تشہد کا حوالہ، اس میں صلوٰۃ بر غیر کا حکم کہاں ہے۔

رہی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دعا، اور اس میں استثناء۔ سو اس حدیث میں ابو بکر بن ابی مریم ہے۔ امام احمد، ابن معین، ابو حاتم، نسائی، سعدی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان کا قول ہے کہ وہ اہل شام کے نیک بندوں میں سے تھا۔ لیکن حافظہ خراب تھا۔ ایسی ایسی باتیں روایت کرتا ہے جن پر تہمت لگائی جائے۔ جب یہ امر بکثرت پایا گیا تو مستحق ترک ہو گیا۔

فیصلہ کن بات: اس مسئلہ میں یہ ہے کہ صلوٰۃ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا یا تو آل و ازواج و ذریت ہیں یا ان کے سوا۔ آل و ازواج اور ذریت پر مشروع تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں ہے اور جائز و مفرد بھی۔ رہے ان کے سوا اگر ملائکہ ہیں یا عام طور پر اہل طاعت ہیں (جس میں انبیاء بھی شامل ہو سکتے ہیں اور غیر بھی) تب جائز ہے۔ اسی لیے ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَلَائِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ اَجْمَعِيْنَ)) کہنا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شخص یا کسی گروہ کو معین کر دیا جائے تب مکروہ ہے اور اگر صلوٰۃ کو کسی کے لیے شعار بنا دیا جائے کہ کبھی ترک ہی نہ کیا جائے تو اس صورت میں حرام کہنے کے لیے وجہ موجہ موجود ہو گی اور اس وقت ترک کرنا ضروری ہو جائے گا۔ لیکن اگر شعار نہ بنایا جائے اور کبھی کبھار اطلاق کیا جائے تب کچھ ڈر نہیں۔ اس تفصیل سے تمام دلائل میں تطبیق ہو سکتی ہے اور پھر وجہ صواب منکشف ہو جاتی ہے۔ [1]

«رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ»

---

[1] میرے نزدیک لفظ صلوٰۃ کے معنی ایک تو حقیقت شرعیہ ہیں اور ایک حقیقت لغویہ۔ حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے آل و ازواج و ذریت کے سوا مشروع و جائز نہیں اور حقیقت لغویہ کے اعتبار سے جائز ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ شخص معین کیلئے شعار نہ بنایا جائے اور عام صالحین یا اہل طاعت پر استعمال کیا جائے۔ (محمد سلیمان)

# الصلوۃ والسلام علیٰ رسول اللہ

نبی ﷺ پر درود وسلام، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کا انکار یا استخفاف کفر ہے اور اس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ سے محبت اور والہانہ تعلق ووابستگی کا ذریعہ بھی ہے اور اس کی علامت اور دلیل بھی۔

لیکن وہ درود وسلام کون سا اور اس کا طریقہ کیا ہے جس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے اور جو محبت رسول کا ذریعہ بھی ہے اور اس کی علامت بھی؟

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تالیف **جلاء الافہام** فی الصلاۃ والسلام علی خیر الانام کا اردو ترجمہ ہے، اسی موضوع پر منفرد اور نہایت اہم کتاب ہے۔ اس میں صلوٰۃ وسلام کے تقریباً ہر موضوع پر تفصیلی، مدلل اور واضح گفتگو ہے۔ جیسا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ کا اسلوب ہے جو اہل علم میں معروف ہے۔

- صلوٰۃ وسلام کے متعلق حکم قرآنی کی نوعیت کیا ہے؟
- درود وسلام کے صحیح اور مستند اور مسنون الفاظ کیا ہیں؟
- انہیں کہاں، کیسے اور کب پڑھنا ہے؟
- درود وسلام کے فضائل وآداب کیا ہیں؟
- اس سے متعلق موضوع اور ضعیف احادیث کی وضاحت وتحقیق ——— اور اس قسم کے دیگر احکام ومسائل اور بے شمار فوائد پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

قرآن وحدیث کے دلائل سے مُرصّع، جلال وجمال کا مُرقّع، محبت واتباع رسول کا حسین امتزاج، گلہائے عقیدت کا ایک مہکتا گلدستہ اور محبان رسول کے لیے ایک دل آویز تحفہ اور دار السلام کے حسنِ طباعت کا شاہکار۔